علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ

اور

عربی زبان وادب

محمد نافع عارفی

معہد الولی الاسلامی، ہرسنگھ پور، دربھنگہ

رفیق ابوالکلام ریسرچ فاؤنڈیشن، پھلواری شریف

کتب خانہ نعیمیہ، دیوبند، سہارنپور، یوپی 247554

© جملہ حقوق بہ حق مصنف محفوظ

نام کتاب	علامہ محمد انور شاہ کشمیری اور عربی زبان ادب
مصنف	مفتی ابوحمزہ محمد نافع عارفی (فاضل دارالعلوم دیوبند)
رابطہ مصنف	9304145459
کمپوزنگ وسیٹنگ :	ابونصر ہاشم ندوی(9608648189)
سن اشاعت	۱۴۴۳ھ/۲۰۲۲ء
صفحات	308
باہتمام	باہتمام ابوالکلام ریسرچ فاؤنڈیشن، پھلواری شریف، پٹنہ
ناشر	کتب خانہ نعیمیہ، دیوبند، سہارنپور، یوپی
قیمت	-/Rs:250 (دوسو پچاس روپے)

ملنے کے پتے:

- کتب خانہ نعیمیہ، دیوبند، سہارنپور، یوپی
- ابوالکلام ریسرچ فاؤنڈیشن، پھلواری شریف، پٹنہ
- معہد الولی الاسلامی، ہرسنگھ پور، دربھنگہ
- المعہد العالمی الاسلامی، حیدرآباد (تلنگانہ)

انتساب

دارالعلوم دیوبند کے نام؛ جس کے فیضان عشق سے برصغیر میں علم ودین کی باد بہاری چل رہی ہے اور جس نے اپنی آغوش محبت میں علم وآگہی کا شعور بخشا۔

اپنے ابّا وامّاں کے نام؛ جن کی پاکیزہ محبت اور تربیت نے قلم پکڑنا سکھلایا۔

اور

ان عاشقان جمال ''انور'' کے نام؛ جن کے دم سے میکدہ علم وفکر کی بہار تازہ ہے۔

ابوحمزہ عارفی

۲۵/ذی قعدہ ۱۴۴۳ھ

۲۶/جون ۲۰۲۲ء

فہرست مضامین

باب دوم

باب سوم

☆☆☆

پیش لفظ

فقیہ العصر حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ

ہندوستان جو عبقری شخصیتیں پیدا ہوئیں؛ ان میں ایک اہم نام علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ کا ہے، وہ دریاء علم کے ایک درہ تابدار تھے، اور اسلامی و عربی علوم کے تمام شعبوں میں دسترس رکھتے تھے۔ علامہ اقبال کے بقول ''وہ ایسی شخصیت تھے کہ گزشتہ پانچ سالوں میں ان کی نظیر ملنی مشکل ہے'' انہوں نے اپنی پوری زندگی کو علوم اسلامی کی خدمت کے لیے وقف کر دیا، تاہم جس فن میں ان کا شہرہ ہوا اور پوری دنیا نے ان کی عظمت کو تسلیم کیا وہ ہے علم حدیث، اس فن کے لیے کو خصوصیات مطلوب ہیں ورع و تقویٰ، خشیت الٰہی، اتباع سنت کا غیر معمولی جذبہ، قوت حافظہ، زکاوت اور علمی استحضار نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے عشق بے پایاں، قدرت کے فیاض ہاتھوں نے ان تمام خصوصیتوں کا حظ وافر ان کو عطا کیا تھا۔ اس لیے علم حدیث کی نسبت کچھ اس طرح ان کی شہرت ہوئی کہ ان کے دوسرے علمی کمالات اہل علم کی نظر سے اوجھل ہو گئے۔

ان علوم میں عربی زبان و ادب اور نحوی و صرفی تراکیب کی اہمیت اور معانی و مفاہیم پر اس کے اثرات بھی ہیں۔ یہ بھی آپ کی علمی زندگی کا ایک نمایاں حصہ ہے، مشکلات القرآن، مفردات حدیث کے حل اور آپ کے منظوم کلام میں اس کو دیکھا جا سکتا ہے، آپ کی نثر بھی بہت خوبصورت ہوتی ہے اور نظم کا تو کہنا ہی کیا، ضرورت تھی کہ اس موضوع پر کوئی صاحب نظر قلم اٹھائے، شاہ صاحب کے علمی کمالات کے اس گوشہ کو نمایاں کرے۔

میرے لیے بہت ہی مسرت کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عزیز مکرم مفتی محمد نافع عارفی (فاضل دارالعلوم دیوبند) کو توفیق دی اور انہوں نے اس کام کا بیڑا اٹھایا اور انہوں نے یہ علمی و تحقیقی مقالہ سپرد قلم

کیا، جو تین ابواب پر مشتمل ہے؛ کیوں کہ علامہ کشمیری دارالعلوم دیوبند کے ابناء میں تھے اور وہیں سے ان کا فیض جاری ہوا، مصنف نے پہلے باب میں دارالعلوم دیوبند کی علمی خدمات کا مختصر جائزہ لیا ہے، یہ بھی خاصے کی چیز ہے۔ دوسرا باب علامہ کشمیری کے ذاتی حالات اور تعلیمی وتدریسی زندگی پر ہے۔ تیسرے باب میں عربی زبان وادب کی دنیا میں علامہ کشمیری کی کاوشوں کا تعارف ہے، جس میں شاہ صاحب تالیفات کا تعارف بھی آ گیا ہے، یہی باب دراصل کتاب کے موضوع پر روشنی ڈالتا ہے۔ پوری کتاب ہی قابل مطالعہ ہے، زبان بھی آسان وشستہ ہے، ہر بات حوالہ کے ساتھ کہی گئی ہے، اسی طرح یہ کتاب علامہ کشمیری کی شخصیت کی ایک نئی جہت کو روشنی میں لاتی ہے۔

دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤلف عزیز کی اس کاوش کو قبول فرمائے انہیں اس طرح کے علمی کاموں کی توفیق ہوتی رہے۔ و باللہ التوفیق وھو المستعان۔

خالد سیف اللہ رحمانی

بانی وناظم المعہد الاسلامی، حیدرآباد

جنرل سکریٹری آل انڈیا ملی مسلم پرسنل لاء بورڈ

۹ر فروری ۲۰۲۲ء

تقریظ

حضرت مولانا انیس الرحمٰن قاسمی

علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری ایک بڑے عالم، محدث، مفسر، متکلم، مصنف اور ادیب تھے نیز علوم اسلامیہ کے ساتھ دیگر علوم فلسفہ وتاریخ کے شناور تھے، وہ بے نظیر قوت حافظہ کے مالک تھے، صوفی تھے، اس لیے تدریس کے اوقات کے علاوہ زیادہ تر خاموش رہتے یا مطالعہ کرتے تھے، البتہ جب گفتگو کرتے تو علوم کے دریا بہاتے، ہمیشہ فصیح وبلیغ انداز میں اور کم لفظوں میں گفتگو کرتے، دل آخرت کی فکر میں اللہ کی طرف متوجہ رہتا اور نہایت متواضع تھے، ان کا علمی مقام بڑا بلند ہے۔ محققین عصر نے ان کے علوم میں گہرائی کا مقابلہ علامہ ابن حجر اور علامہ ابن تیمیہ رحمہما اللہ سے کیا ہے، انہوں نے دار العلوم دیوبند میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمتہ اللہ علیہ اور محدث جلیل مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمتہ اللہ علیہ وغیرہ جیسے جبال علم سے تعلیم پائی تھی۔ اس کے بعد زندگی کے زیادہ تر ایام وہیں تدریس میں گزارے تھے، تدریس کے فنون زیادہ تر حدیث، تفسیر اور فقہ وغیرہ تھے، انہوں نے مختلف موضوعات پر کتابیں تصنیف کیں، زیادہ تر کتابیں عربی زبان میں ہیں، انہوں نے عربی میں نعتیہ قصائد کے علاوہ اپنے احباب اور شاگردوں کی کتابوں پر مقدمے وتاثرات بھی لکھے اور بزرگوں کی شان میں بھی عربی قصائد لکھے، وہ عربی ادب کے بلند پایہ انشاء پرداز تھے اور اپنی کلاسیکی نثر نگاری کی وجہ سے ممتاز مقام رکھتے تھے۔ اپنے عہد کے تمام علماء پر عربی ادب کی نثر نگاری میں فائق تھے۔ ان کی انشاء میں علما ادب نے عہد اول اور دوسری تیسری صدی ہجری کے ادیبوں کی عربی زبان کی جھلک نظر آتی ہے کہ ان کے یہاں استعارے، کنایے، صنعت لفظی وبدائع عہد جاہلی کے انداز پر پائے جاتے ہیں، ضرورت تھی کہ ان کے علوم اور خاص طور پر عربی زبان وادب میں علامہ

کے مقام اور خدمات پر سیر حاصل گفتگو کی جائے اور یہ کام وہی کر سکتا ہے؛ جو خود علوم اسلامیہ اور عربی زبان وادب کا شناور ہو۔ الحمدللہ حضرت مولانا محمد نافع عارفی رفیق ابوالکلام ریسرچ فاؤنڈیشن، پھلواری شریف، پٹنہ (کارگزار جنرل سکریٹری آل انڈیا ملی کونسل، بہار) نے اس طرف توجہ کی اور علامہ محمد انور شاہ کشمیری اور عربی زبان وادب کے عنوان سے ایک بہت اہم محققانہ کتاب تحریر فرمادی۔ اس کتاب کے پہلے باب میں دارالعلوم دیوبند کے فارغین کی عربی زبان میں علوم اسلامیہ کی خدمات اور تصانیف کے ساتھ ان کے عربی زبان وادب میں مقام ومرتبہ، اسلوب نگارش، امتیازات اور نثر ونظم کے موضوعات پر بھی بحث ہے، ساتھ ہی فضلاءِ دارالعلوم دیوبند کی تصنیفی خدمات کا بھی جائزہ ہے۔ دوسرا باب علامہ کشمیری کی حیات، تعلیم، تدریس، تصنیف اور جامع خدمات کے تذکرہ پر مشتمل ہے اور تیسرا و آخری باب علامہ کی عربی زبان وادب کی خدمات پر ہے۔ اس میں علامہ کی علمی دسترس، عبقریت، ادبی ذوق، نثر نگاری، شاعری اور تصنیف وتالیف پر بحث ہے۔

مولانا محمد نافع عارفی صاحب نے علامہ کشمیری کے علوم وکمالات پر گفتگو کے ساتھ خاص طور پر عربی ادب میں ان کے کمالات پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ مولانا موصوف خود کئی کتابوں کے مصنف ہیں اور اردو وعربی زبان پر قدرت رکھتے ہیں۔ یہ کتاب مولانا محمد نافع عارفی صاحب کی عربیت اور اردو زبان میں عمدہ نثر نگاری پر شاہد ہے۔ یہ کتاب بڑی مفید اور کارآمد معلومات پر مشتمل ہے۔

میرے لیے مسرت وخوشی کی بات ہے کہ یہ کتاب ابوالکلام ریسرچ فاؤنڈیشن کے زیر اہتمام شائع ہو رہی ہے، جس کے قیام کا ایک مقصد اپنے اکابر واسلاف کے افکار ونظریات اور ان کے علمی کمالات وفتوحات سے دنیا کو آشنا بھی کرانا ہے۔

امید ہے کہ اصحاب علم وفکر اس کتاب سے پورا استفادہ کریں گے اور یہ کتاب اہل علم وفضل کے یہاں قبولیت پائے گی۔

انیس الرحمٰن قاسمی
قومی نائب صدر آل انڈیا ملی کونسل، نئی دہلی
چیئر مین: ابوالکلام ریسرچ فاؤنڈیشن، پھلواری شریف، پٹنہ

۸/جون ۲۰۲۲ء

تقریظ

ڈاکٹر سرور عالم ندوی
صدر شعبہ عربی، پٹنہ یونیورسیٹی، پٹنہ

انسانی زندگی قدرت کا انمول تحفہ ہے، جس کی کامیابی اور ناکامی دونوں کا انحصار اس کے حاملین پر ہے، کوئی اس کو ناقدری اور بے توجہی ،آزادخیالی اور بے راہ روی لہوولعب اور بے فیض گزار کر کوئی فنا کی گھاٹ اُتر جاتا ہے اور کوئی تندہی اور قدر شناسی، کارآمد اور نفع بخش فکر پیہم اور جہد مسلسل کے ذریعہ نقشِ دوام بن جاتا ہے، جس کی اتباع وتقلید نہ صرف یہ کامیابی کی ضمانت فراہم کرتی ہے؛ بلکہ اس کے ذریعہ علم وفن کی ایسی قندیلیں روشن ہوتی ہیں، جس کی ضیاپاشیوں میں کاروانِ علم وتحقیق و دانش ومعرفت کی ان منزلوں کو طے کرلیتا ہے، جوخود کے لیے یادگار اور دوسروں کے لیے نقشِ راہ ثابت ہوتا ہے اور پھر اس سے تحقیق وتفحیص کی دھاریں پھوٹتی اور ایجادات واختراعات کی راہیں کھلتی ہیں، جس کی بے شمار مثالیں تاریخ کے صفحات پر بکھری پڑی ہیں۔

ہندوستان کا یہ خطۂ اراضی اپنی گونا گوں صفات کے ساتھ ساتھ ایسی شخصیات سے خالی نہیں، جنھوں نے اپنی محدود اور متعین زندگی میں وہ کارہائے نمایاں انجام دیے جو صرف ماضی کا آئینہ نہیں؛ بلکہ مستقبل کے ایسے حسین عنوانات ہیں، جن کی عقدہ کشائی اور تفسیر وتشریح نے کتنے محقق اور ادیب بنادیے، جن کے نام اربابِ علم ودانش کی فہرست میں روشن اور منور نظر آتے ہیں۔

اُنہیں نابغۂ روزگار شخصیتوں میں ایک عبقری شخصیت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ کی بھی ہے، جن کی بے نفس اور خداترس زندگی اور خلاق وفکر رساذہن نے علم وفن کے ایسے گوہر آبدار لٹائے، جس کی دادوتحسین صرف کوہستان ارضی سے نہیں؛ بلکہ عرش بریں سے ملے؛ مگر حیف صد حیف کہ ان کے مقام و منزلت کی وہ پذیرائی نہ ہوسکی جس کے وہ مستحق تھے۔

اللہ جزائے خیر دے مولانا مفتی محمد نافع عارفی صاحب کو جنہیں نہ صرف یہ کہ علم وتحقیق کے بحر بیکراں میں غوّاصی کا فن آتا ہے؛ بلکہ اس کی تہوں میں پوشیدہ اسے صدف گوہر بار تک رسائی کا ہنر بھی جانتے ہیں،

جس کے سامنے تخت وطاؤس کا کروفر اور دُرفش کاویانی کا زرق و برق سب ماند پڑ جاتا ہے۔

علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری پر اب تک دسیوں کتابیں ظہور پذیر ہو چکی ہیں؛ مگر یہ پہلو نگاہوں سے اوجھل تھا، جسے مولانا عارفی نے اپنی تصنیف لطیف ''علامہ سید انور شاہ کشمیری اور عربی زبان و ادب'' میں اجاگر کیا ہے، خالق کائنات نے کن کن صفتوں سے علامہ کو متصف کیا تھا، اس کا اندازہ ان کی زندگی پر مرتب ہونے والی تحریروں سے ہوتا ہے۔

عربی زبان جو دنیا کی زندہ اور متحرک زبان ہے، جس کی قدر و قیمت مرور زمانہ کے باوجود نہ صرف یہ کہ باقی بلکہ روز افزوں بڑھتی جارہی ہے، جس کو آج کے مادی دور میں بھی قدر کی نگاہ سے دیکھا جارہا ہے اور ہر ذی شعور شخص اس سے ربط و تعلق اور قدرت و مہارت کو اپنی کامیابی کی ضمانت تصور کرتا ہے، جسے دنیا کی ۵۲ رملکوں میں سرکاری زمان کا درجہ حاصل ہے، جو اقوام متحدہ کی چھ زبانوں میں شامل ہے اور بیشتر خطۂ ارضی میں بولی اور سمجھی جاتی ہے، جس میں تقریر و تحریر کی مکمل صلاحیت معاشی بحران کے خاتمہ کا ذریعہ خیال کیا جاتا ہے؛ مگر یہ ہمارے مدارس کے مروجہ نصاب میں متعین صرف چند قسیم کتابوں کی تعلیم و تدریس سے حاصل نہیں ہوسکتا، اس کے لیے مشق و تمرین اور تقریر و ترجمہ پر مکمل عبور کی ضرورت ہے؛ مگر افسوس کہ ہم ناقدروں نے اس کو طاق نسیان کی زینت بنا کر رکھ دیا ہے اور اس سے وابستگی صرف اظہار عقیدت کا ذریعہ ہے اور بس۔

حیرت ہوتی ہے کہ آج سے تقریباً سو سال قبل اس زبان کی نثر و نظم پر یکساں قدرت رکھنے والی ذات نے کیسے اچھوتے اور البیلے انداز میں اپنے طائر فکر و خیال کر پرواز عطا کیا، جسے دیکھ کر اور پڑھ کر بے ساختہ زبان سے واہ نکل جاتی ہے۔

شکریہ کے مستحق ہیں مولانا محمد نافع عارفی صاحب؛ جنہیں قدرت نے قلم سیال اور علم فیاض کی دولت بے بہا سے نوازا ہے، اس پہلو پر خامہ فرسائی کر کے ایک بڑے خلا کو پُر کر دیا ہے، جس میں ان کی دقّت نظر، وسعت مطالعہ اور فکر و فن کی باریکیوں کو سمجھنے اور برتنے کی صلاحیت کا دخل ہے، انداز بیان بڑا سہل اور رواں ہے، جسے گم گشتہ ماضی کی بازیافت قرار دیا جاسکتا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اس کتاب کو علم و تحقیق کی متلاشی دنیا کے لیے تسکین قلب و جان کا ذریعہ اور مصنف کی بلندئ درجات کا سبب بنادے۔ (آمین)

ڈاکٹر سرور عالم ندوی

صدر شعبہ عربی، پٹنہ یونیورسٹی، پٹنہ

کلمات تحسین

پروفیسر شکیل احمد قاسمی
شعبۂ اردو، اورینٹل کالج، پٹنہ

جب اولوالعزمی، حوصلہ مندی اور بلند پروازی کے ساتھ توفیق خداوندی شامل ہو جاتی ہے؛ تو علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ جیسی عبقری شخصیت سامنے آتی ہے۔ بلا شبہ برصغیر میں مدارس اسلامیہ نے جو مایہ ناز افراد پیدا کئے ہیں ان میں علامہ کشمیری کا پایہ انتہائی بلند ہے۔ وہ علم حدیث کے متبحر عالم اور اس کا چلتا پھرتا انسائیکلوپیڈیا تھے۔ یہ مقام انہوں نے فطری ذہانت و فطانت کے ساتھ مطالعہ کی کثرت، علم میں فنائیت اور معلومات کے تنوع سے حاصل کیا تھا۔ اس حوالے سے ان کے معاصرین میں ان کی ہمسری کا دعویٰ کرنے والے افراد گنے چنے تھے۔ ان کی علمی فیض یابیوں سے علامہ یوسف بنوری اور مولانا بدر عالم میرٹھی جیسے اساطین فضل وکمال اور تشنگان علوم نبوت سیراب ہوئے، جن کی خوشہ چینیوں کے طفیل فیض الباری اور معارف السنن جیسی حدیث کی وقیع عربی شروحات معرض ظہور میں آئیں۔ علم حدیث کی جو نا قابل فراموش خدمت علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے کی اور پھر ان کی علم آفریں صحبتوں میں آ آ کر شریک ہونے اور ان سے کسب فیض کرنے والے ابنائے دارالعلوم نے جس طرح ان کی علمی یادگار کو اپنے سینے سے لگائے اور حرز جاں بنائے رکھا اور جس طرح پوری امانت داری کے ساتھ اس روایت کو ہمیشہ آگے بڑھانے کے مشن پر کاربند رہے، وابستگان دارالعلوم اور شائقین علم وادب کے لئے یقیناً یہ سرمایہ افتخار ہے۔ اس آغوش صحبت کے پروردہ افراد میں ہر ایک اپنی جگہ آسمان علم کا روشن ستارہ ہے۔ مولانا مناظر احسن گیلانی، مفتی محمد شفیع عثمانی سے لے کر شیخ احمد رضا بجنوری تک سب دربار انوری سے وابستہ گروہ کے ہی ہم نشیں ہیں۔ مصری انشاء پرداز، ادیب اور عالم دین رشید رضا نے جب دارالعلوم کا دورہ کیا تو ان کی دلچسپی کا سب سے بڑا مرکز علامہ کی شخصیت ہی تھی اور انہوں نے اس کا برملا اظہار کیا کہ اگر ان سے ملاقات نہ ہوتی تو ہندوستان کے اس دورے کی کامیابی میں مجھے تامل ہوتا۔

تاریخی انسانوں کے صحیح حالات جاننے، ان کے دن رات کے خیالات کو محفوظ اور آئندہ نسلوں تک منتقل کرنے کا ایک ذریعہ ان کی سوانح عمریاں ہیں۔ انسان خود فنا ہو جاتا ہے لیکن اس کے وہ خیالات جن کو

تحریری شکل میں صندوق میں امانت رکھ جاتا ہے، زندۂ جاوید ہو جاتی ہیں۔ بعد میں آنے والی نسلیں اگر ان کی حفاظت کر سکیں تو بقول علامہ سید سلیمان ندویؒ: یہ مصری مومیائی لاش کو صحیح و سالم رکھنے سے زیادہ مفید ہے، کیوں کہ مومیائی عمل سے اس کے بدن کے ڈھانچے ہی کو بچایا جا سکتا ہے، جب کہ کاغذی حنوط کے ذریعہ اس کے دل کے اندر کے بھید اور اسرار صحیح و سالم اور محفوظ رہتے ہیں۔ (نقوش سلیمانی، ص: ۲۸۵)

کسی انسان کی زندگی اگر مرتب کی جائے اور حالات کے استیعاب و احاطہ کا خاص اہتمام کیا جائے پھر بھی مختلف حالات اور حوادث کے پیش آنے سے اس کی زندگی کے بہت سے اوراق سادہ اور بہت سے ایسے واقعات پوشیدہ رہ جاتے ہیں جن کی عدم موجودگی کی وجہ سے سوانح حیات ناقص اور نامکمل معلوم ہوتی ہے اور واقعات کی ترتیب میں عدم تسلسل کا احساس ہوتا ہے۔ یہیں سے بعد میں آنے والوں کا کام شروع ہوتا ہے کہ وہ عرق ریزی کے ساتھ ان اوراق گم گشتہ کو تلاش کریں اور اس انسان کی کتاب زندگی میں ان صفحات کا اضافہ کریں۔ علامہ کی شخصیت پر بہت سے لوگوں نے قلم اٹھایا، مختلف پہلوؤں سے ان کی زندگی پر گفتگو کی گئی اور ہند و بیرون ہند کی یونیورسٹیز میں ان کی حیات و خدمات پر عربی اور اردو زبانوں میں پی ایچ ڈیز کی گئیں، یہ سب انہیں گم شدہ اوراق کی جستجو کی مختلف شکلیں ہیں۔ علامہ کشمیری کے علمی سرمایہ کو اگلی نسل کے سپرد کرنے اور نوجوانوں کو ان کے علمی کمالات سے روبرو کرانے کا سلسلہ تاہنوز جاری ہے، مفتی محمد نافع عارفی کی کتاب ''علامہ انور شاہ کشمیری اور عربی زبان و ادب'' اسی سلسلے کی ایک نئی کڑی ہے۔ اس میں علامہ کے علمی و ادبی کارناموں اور مقام و مرتبہ پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔ یہ کتاب تحقیقی، مستند، معلوماتی اور جدید معیار تحقیق کے مطابق ہے۔

مولانا مفتی محمد نافع عارفی فعال عالم دین اور باکمال صاحب قلم ہیں۔ لکھنے پڑھنے کا ستھرا ذوق رکھتے ہیں۔ ان کا قلم ہمیشہ متحرک رہتا ہے اور مختلف موضوعات پر ان کی پختہ، سنجیدہ اور سلجھی ہوئی تحریریں وقفے وقفے سے منظر عام پر آتی رہتی ہیں۔ تصنیف و تالیف کے دشوار گذار راستہ کو طے کرنے کا تجربہ بھی انہیں حاصل ہے۔ وہ 'اسلام کا نظام زراعت'، 'کتابت وحی اور کاتبین'، 'مذہبی رواداری اور اسوۂ رسولؐ'، 'حیات عارف'، 'کلید معارف'، 'اردو صحافت میں غیر مسلم اہل قلم کی خدمات' جیسی اہم کتابوں کے مصنف و مرتب ہیں۔ ایس سی ای آر ٹی، بہار کی نصابی کتابوں کی تیاری میں بھی انہوں نے باضابطہ کام کیا ہے۔ امید ہے کہ ان کی یہ کتاب بھی علمی و دینی حلقوں میں پسند کی جائے گی اور آئندہ کے کاموں کے لیے تحریک کا باعث ہوگی۔ میں مفتی محمد نافع عارفی صاحب کی اس لائق تحسین علمی کاوش کی قدر کرتے ہوئے اپنی نیک خواہشات کا اظہار کرتا ہوں۔

مقدمہ

یاد پڑتا ہے کہ ایام طفولیت ہی میں 'علامہ محمد انور شاہ' کے نام سے آشنائی ہوگئی تھی، اللہ رب کریم کا بے پناہ فضل واحسان ہے کہ خوش بختی سے اس خاندان میں پیدا کیا گیا، جہاں علم اور اہل علم کا چرچا تھا، بہت سے اللہ والے اور میدانِ فکروفن کے شہ سواروں کے نام سے رسمی تعارف تو شعور و آگہی کی منزل سے پہلے ہی ہو چکا تھا، ان اصحاب فکرونظر کا نام ان کے کارنامے دارالعلوم دیو بند، ندوۃ العلماء وغیرہ کے آنگن وصحن کا ذکر؛ وہاں کی علمی وادبی فضا کا تذکرہ ابا جان حضرت مولانا محمد سعد اللہ صدیقی قاسمی دامت برکاتہم (متعنا اللہ بطول حیاتہ) اور اپنے چچا و بھائیوں سے سنتا رہا، یہ سب دارالعلوم دیو بند، ندوۃ العلماء کے فیض یافتہ ہیں، بعض چچا اور چھوٹے ماموں جان میرے بچپن میں دارالعلوم دیو بند میں زیر تعلیم تھے۔ ان بزرگوں سے علامہ انور شاہ کشمیری کا ذکر جمیل بھی؛ ان کی ذکاوت، بے نظیر قوت حافظہ، تبحر علمی، سینکڑوں علوم وفنون میں ان کے کمال کے حوالہ سے سنتا رہا، یہیں سے علامہ کی محبت کی تخم ریزی دل میں کردی گئی۔

مدرسہ رحمانیہ سوپول، دربھنگہ میں زیر تعلیم تھا 'نورالایضاح' کے سال میں اپنے پیش رو طلبہ سے یہ بات بار بار سننے کو ملی: کہ اس کتاب سے برصغیر کا کوئی فرد واقف نہیں تھا، علامہ کشمیری ایک مرتبہ مصر گئے اور وہیں کے کتب خانہ میں اس کتاب پر نظر پڑی، علامہ نے پوری کتاب کا مطالعہ فرمایا، ہندوستان واپسی پر بعینہ اس کتاب کی نقل لکھی؛ بلکہ بعض غلطیوں کی اصلاح بھی فرما کر مصریوں کو بھیج دیا، غالباً بعض اساتذہ نے بھی طلبہ کی ان باتوں کی تصدیق درجہ میں کی تھی، یہ تو بعد کو بلکہ بہت بعد کو یہ معلوم ہوا کہ یہ بات محض افواہ تھی۔ علامہ کے صاحب زادے مولانا سید انظر شاہ کشمیری نے نقش دوام میں اس کہانی افواہ اور لن ترانی بتلائی ہے، چلیے یہ افواہ ہی صحیح؛ لیکن علامہ کے حافظہ کی حیران کن کہانیاں تو بار بار سننے کو ملتی رہیں۔ بچپن کے ان واقعات نے علامہ کی ایک تصویر ذہن میں تراش دی

تھی؛ جس سے قلبی لگاؤ اور محبت ہوجانا فطری بات ہے۔ قسمت نے یاوری کی اور دارالعلوم دیوبند میں پڑھنے کا شرف حاصل ہوا، یہ وہی دارالعلوم تھا؛ جہاں سے علامہ کشمیری کے علم کا غلغلہ پوری دنیا میں بلند ہوا، دارالعلوم میں پڑھنے والا کون ایسا شخص ہوگا؛ جس کے دل میں علامہ کی عظمت کا سکّہ نہ بیٹھا ہو، یہ کوتاہ علم اور اس جیسے ہزاروں طلبہ اور علما یہی سمجھتے رہے اور سمجھتے ہیں؛ کہ علامہ انور شاہ کشمیری کے کمالات کا میدان علومِ قرآن اور فنِّ حدیث ہے، فضیلت (دورے) کے سال 'فیض الباری' کے مطالعہ کا موقع ملا، حضرت شیخؒ کے درس میں بار بار علامہ کا حوالہ سننے کو ملتا تھا، تو یہی سمجھ بیٹھا کہ علامہ کشمیری کا امتیاز واختصاص، علمِ حدیث اور فنِّ رجال ہے، اللہ جزائے خیر دے رئیس القلم حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانی کو کہ ان کی کتاب ''احاطہ دارالعلوم میں بیتے ہوئے دن'' کے مطالعہ نے یہ باور کرایا کہ حضرت کشمیری علمِ قرآن ہی نہیں، متعدد علوم وفنون، بلکہ بعض متضاد علوم وفنون -جن کا ایک دوسرے لگاؤ نہیں- کے بھی امام تھے۔ اسی کتاب نے یہ بھی پڑھنے کو ملا کہ علامہ انور شاہ کشمیری ممتاز انشاء پرداز، کہنہ مشق شاعر اور عربی زبان وادب کے میدان کے شہ سوار تھے، پچاس ہزار سے زائد اشعار انہیں یاد تھے، انشادِ شعر کا جب جذبہ پیدا ہوتا، تو سینکڑوں اشعار اور لمبے لمبے قصائد مسلسل سناتے چلے جاتے تھے، عربی شاعری میں ان کا مقام ومرتبہ کسی بھی طرح جاہلی دور کے شعراء سے کم نہیں تھا، وہ اعلیٰ درجہ کے انشاء پرداز اور ممتاز نثر نگار تھے، ان کی عربی نثر نگاری اس بلند مقام پر تھی، کہ عباسی اور اُموی عہد کے نثر نگاروں کی یاد تازہ ہوجاتی ہے۔ اسی دن یہ داعیہ پیدا ہوا کہ عربی زبان وادب میں علامہ کے خدمات کے حوالہ سے مستقل کام کرنا چاہیے۔

یوں تو علامہ کے متعدد شاگردوں نے علامہ کی سوانح لکھی ہے، جس میں سب سے اہم اور ضخیم 'نفحۃ العنبر في حیاۃ إمام العصر الشیخ أنور' ہے، علامہ یوسف بنوری کی یہ کتاب علامہ کشمیری کی زندگی کے ہر گوشہ کا احاطہ کرتی ہے، انہوں نے اس کتاب میں علامہ انور شاہ کے علمی کمالات اور مختلف میدانِ علم وفکر میں علامہ کی فتوحات پر سیر حاصل بحث کی ہے؛ لیکن یہ کتاب عربی میں ہے اور وہ بھی ایسی عربی کہ خود عربوں کو بھی اس کے سامنے سرنگو ہونا پڑا۔ علامہ کے دونوں صاحب زادے مولانا ازہر شاہ قیصر کی 'حیات انور'، مولانا انظر شاہ کی 'نقشِ دوام'، مولانا عبد الرحمٰن کوندو کی ''الأنور'' کے علاوہ سینکڑوں ملاقات ومضامین ہیں، جو علامہ انور شاہ کی علمی، فکری شخصیت کا تعارف کراتی ہے؛

لیکن ان کتابوں میں علامہ کی نثر نگاری، انشاء پردازی، عربی شاعری اور عربی زبان وادب کے حوالہ سے علامہ کی خدمات پر مستقل بحث نہیں کی گئی ہے۔ ہاں ضمناً دو چار صفحات اس حوالے سے ضرور لکھے گئے ہیں، ہوسکتا ہے کہ ان مصنفین کا مطمح نظر علامہ کشمیری کے ادبی خدمات کو اجاگر کرنا نہ ہو، ہاں ابھی کچھ دنوں پہلے ڈاکٹر عبد المالک مظفر خان کا تحقیقی مقالہ 'العلامة أنور شاه كشميري حياته و شعره' دیوبند سے طبع ہوئی ہے، اس کتاب میں ضرور علامہ کی ادبی خدمات اور ان کی عربی شاعری پر بحث کی گئی ہے؛ لیکن یہ کتاب بھی عربی میں ہونے کی وجہ سے اردو داں طبقہ کے لیے علامہ سے تعارف کا ذریعہ نہیں بن سکتی ہے۔

حسن اتفاق دیکھئے کہ 2008ء میں 'علامہ انور شاہ کشمیری اور عربی زبان ادب' پر ایک مختصر مقالہ لکھنا تھا؛ لیکن جب کتابوں سے مراجعت کی، تو بہت ساری چیزیں اس حوالہ سے جمع ہوگئیں، اُس وقت تو وہ مختصر مقالہ پورا کرلیا گیا، بعد کو خیال آیا؛ کیوں نہ اس موضوع پر مستقل کام کیا جائے؛ تاکہ علامہ کی زندگی کا ادبی پہلو بھی سامنے آسکے اور اردو داں حلقہ علامہ کشمیری کی علمی، فکری زندگی، عربی زبان وادب کے میدان میں علامہ کشمیری کے فتوحات، عربی شعر وسخن میں آپ کے کمالات سے واقف ہوسکے۔

علامہ کشمیری کا ذکر ہو اور دار العلوم کا تذکرہ نہ آئے، یہ غیر فطری بات ہے، علامہ کا ذکر کیا آیا، تو اس ضمن میں ابناء دار العلوم کی عربی زبان وادب میں خدمات، ان کی تصنیفات، ان کی شاعری کا بھی تذکرہ جا بجا نظر آیا؛ اس لیے مناسب سمجھا گیا کہ ایک باب عربی زبان وادب میں ابنائے دار العلوم کی کاوشوں کے لیے خاص کردیا جائے۔

یہ کتاب 'علامہ انور شاہ کشمیری اور عربی زبان وادب' تین بابوں پر مشتمل ہے۔

پہلا باب 'عربی زبان وادب کی ترقی میں ابنائے دار العلوم کی کاوشیں' ہے، اس باب میں دار العلوم دیوبند کے فیض یافتگان کی عربی زبان وادب میں خدمات کے حوالہ سے تفصیلی گفتگو کی گئی ہے، اس باب میں ابنائے دار العلوم کی عربی تصنیفات وتالیفات کا تعارف، ان کا اسلوب نگارش، نثر نگاری میں ان کے امتیازات وخصوصیات، ابنائے دار العلوم کے شعری موضوعات، شعر وسخن میں ان کا منہج وغیرہ پر تفصیلی بحث کی گئی ہے، اس بحث کے دوران مختلف قاسمی المشرب مصنفین کے نثری

نمونے بھی بطور استشہاد بھی پیش کیئے گئے ہیں۔ان کی شعری امتیازات اور فن سخن وری میں ان کے کمالات کو دِکھلانے کے لیے متعدد شعرا کے کلام سے بھی استشہاد کیا گیا ہے؛ تاکہ عربی زبان وادب کے حوالہ سے دارالعلوم کی خدمات سے تعارف حاصل ہوسکے۔

دوسرا باب 'علامہ انورشاہ کشمیریؒ کی علمی زندگی کی داستان' سے موسوم ہے۔اس بات میں علامہ کشمیری کے خاندان، علامہ کے والدین،ان کے بچپن کے انوکھے واقعات، آپ کی ذہانت وذکاوت اور قوت حافظہ کا ذکر جمیل، آپ کا علمی شغف، حرمین شریفین کی زیارت کا تذکرہ، دنیا کے مختلف کتب خانوں میں مطالعہ، درس انوری کے خصوصیات وامتیازات، شادی خانہ آبادی، دارالعلوم دیوبند سے آپ کا تعلق، شیخ الہند کی نیابت، حضرت گنگوہی سے معرفت وسلوک کی بیعت، آپ کے ہم عصروں، بزرگوں اور شاگروں کا آپ کے سلسلہ میں تاثر وغیرہ کا ذکر تفصیل سے آگیا ہے، کوشش کی گئی ہے کہ حیات انور کا کوئی گوشہ تشنہ نہ رہے؛ ہاں واقعات کے بیان میں اختصار مصنف کے پیش نظر رہا ہے۔

تیسرا اور آخری باب 'عربی زبان وادب کے میدان میں علامہ کشمیری کے فتوحات' کے بیان کے لیے مختص ہے۔یہی باب اس کتاب کی روح اور مقصد تصنیف ہے، اس باب میں علامہ انورشاہ کشمیری کی علمی فتوحات، مختلف علوم وفنون میں آپ کے کمالات، امام کشمیری کا ادبی ذوق، آپ کی نثر نگاری، آپ کا خطیبانہ رنگ اورزور خطابت، شعروسخن میں آپ کے امتیازات، قافیہ وردیف کے میدان میں کمالات انوری کی جلوہ آرائیاں، آپ کی شاعری کے تکوینی عناصر، علامہ کی درجنوں تصنیفات وغیرہ کا معروضی مطالعہ پیش کیا گیا ہے؛ لیکن اس کوتاہ علم کا احساس ہے۔

حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

ہونا تو یہ چاہیے تھا؛ کہ وہ شخص علامہ کشمیری پر قلم اٹھاتا،جس کو ان تمام علوم وفنون سے جس میں علامہ کشمیری کو کمال حاصل تھا، کچھ نہ کچھ واقفیت ہوتی، علامہ کشمیری کی عربی شاعری اور عربی زبان وادب کی خدمات پر اس شخص کو لکھنے کا حق تھا، جوخود عربی زبان کا شہ سوار اور میدان شعروسخن کا ماہر کھلاڑی ہو؛ لیکن کیا کیجئے گا اگر کوئی محبت کے ہاتھوں مجبور ہوجائے، کسی کی ذات سے عشق اس سے جبراً قلم تھما ہی دے، تو ایسی ہی ٹوٹی پھوٹی تحریر وجود میں آتی ہے؛ لیکن اللہ کی ذات سے امید ہے کہ وہ محبت کی لاج رکھیں گے اور یہ ناقص ونامکمل کتاب بھی علامہ کے کارناموں سے تعارف کا ذریعہ بنے گی۔﴿لعل اللہ یحدث بعد ذلک أمراً﴾

علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے میکدہ علم کے میخواروں، نیز ان کے بزرگوں، اساتذہ، علامہ کے خوشہ چینوں کا نام کتاب میں بار بار آیا ہے؛ اس لیے مناسب خیال ہوا کہ؛ جن اہل علم کا ذکر کتاب میں کسی بھی حوالہ سے آ گیا ہے، ان پر تعارفی نوٹ بھی لکھ دیا جائے؛ تا کہ ان اہل علم کا قرض احسان بھی کسی درجہ میں ادا ہو جائے۔

رب کریم کا کوئی شکر کیسے اور کن الفاظ میں ادا کرے، کیا کسی کے لیے ممکن ہے کہ وہ اپنے رب کی نعمتوں کا شکر ادا کر سکتا ہے، شاید نہیں، بلکہ یقینی طور پر نہیں، اس وقت جب کہ اس کتاب کی تصنیف سے فراغت کے بعد یہ سطور لکھ رہا ہوں، میری زبان وقلم اللہ رب العزت کے سامنے سجدہ ریز ہے، کہ اسی کا کرم اور احسان ہے کہ اس نے زبان وقلم کی نعمت سے عزت بخشی، اسی کی دی ہوئی توفیق نے دست گیری کی اور یہ کام تکمیل کو پہنچا، اللہ کی توفیق کے بغیر نہ کچھ ہوا ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔

جو کچھ ہوا تیرے کرم سے ہوا
جو کچھ ہو گا، تیرے کرم سے ہو گا

اس موقع پر میں کیسے اپنے ابا اور اماں کو بھول سکتا ہوں؛ کہ انہوں نے ہی تو ننھی انگلیوں کو قلم پکڑنے کا ہنر سکھلایا تھا، ابا ہی کی توجہات وعنایات کا ثمرہ ہے کہ آج چند سطریں لکھنے کا اہل ہوا ہوں۔ استاذ گرامی قدر میرے مربی سیدی وسندی فقیہ العصر حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت کاتہم (أطال اللہ بقاءہ) کا شکر ادا نہ کرنا احسان ناشناسی ہوگی، کہ ان کی فیض تربیت کے اثر نے قلم وقرطاس سے رشتہ استوار کیا، حضرت الاستاذ کا یہ حقیر شکر گزار ہے کہ مشغولیتوں کے ہجوم کے باوجود حضرت والا نے مسودہ پر نہ صرف نظر ثانی فرمائی؛ بلکہ اپنے بیش قیمت مقدمہ سے کتاب کی قیمت دوچند فرمادی۔ اللہ تعالیٰ انہیں بہترین بدلہ عنایت فرمائے اور ان کا سایہ دراز کرے۔ یہ حقیر اپنے کرم فرما حضرت مولانا انیس الرحمٰن قاسمی مدظلہ العالی (قومی نائب صدر آل انڈیا ملی کونسل وچیرمین ابوالکلام ریسرچ فاؤنڈیشن، پھلواری شریف) اور نامور ادیب، عربی زبان وادب کے رمز شناس ڈاکٹر سرور عالم ندوی (صدر شعبہ عربی پٹنہ یونیورسیٹی پٹنہ) اور میرے مخلص وکرم فرما مولانا ڈاکٹر شکیل قاسمی صاحب سے اظہار تشکر کرنا بھی اپنا فرض منصبی سمجھتا ہے، جنہوں نے اس کتاب پر مقدمہ لکھ کر حوصلہ افزائی فرمائی۔

بڑی احسان فراموشی کی بات ہوگی ،اگر میں اپنے بزرگ دوست ڈاکٹر حبیب الرحمٰن علیگ (رجسٹرار نالندہ اوپن یونیورسیٹی) ڈاکٹر واسع ظفر (شعبہ تعلیم پٹنہ یونیورسیٹی) اپنے عزیز مولانا ابونصر ہاشم ندوی وغیرہ کا شکریہ ادا نہ کروں، کہ کتاب کی تصنیف کے دوران ان احباب نے اپنے قیمتی مشوروں سے نوازا۔ اور آخر الذکر نے بڑی عرق ریزی سے مسودہ کی کمپوزنگ کی، اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اپنے شایان شان اجر عطا فرمائے۔ آمین

اپنی رفیقۂ حیات ،میرے علم دوست برادران عزیز گرامی قدر مفتی محمد شافع عارفی قاسمی (ناظم تعلیمات معہد الولی الاسلامی ،ہرسنگھ پور، دربھنگہ) ،جنھوں نے مسودہ کی تصحیح میں تعاون کیا، مولانا محمد رافع عارفی ندوی ،مولانا رحمت اللہ عارفی ندوی، مولانا صفت اللہ عارفی ندوی ، مولانا ہدایت اللہ عارفی ندوی اور اُسرۂ عارفیہ کے بزرگوں بطور خاص عم محترم مفتی تقی احمد عارفی قاسمی (استاذ حدیث معہد الرشید کناڈا) وغیرہ کا بھی شکر گزار ہوں کہ ان کی حوصلہ افزائیوں نے ہر موڑ پر سہارا دیا۔ اللہ تعالیٰ ان تمام کے علم وعمل میں برکت عطا فرمائے۔ آمین

اخیر میں ایک بار پھر اپنے رب کے سامنے سر بہ سجود ہوں؛ کہ اسی کی دست گیری اور توفیق سے یہ سب میرے لیے آسان کر دیا گیا۔

والحمد للّٰه أولاً وآخراً لا أخيراً والصلاة والسلام علىٰ سيدنا ونبينا محمد بن عبد اللّٰه الأمين وعلىٰ آله وأهل بيته الطيبين وأزواجه أمهاتنا المؤمنين وعلىٰ أصحابه الطاهرين الطيبين وعلىٰ من تبعهم بإحسان إلىٰ يوم الدين.

ابوحمزہ محمد نافع عارفی
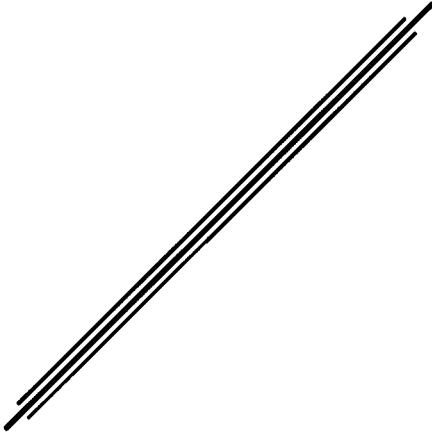
۲۵ر ذی قعدہ ۱۴۴۳ھ

۲۶ر جون ۲۰۲۲ء

پہلا باب:

عربی زبان وادب کی ترقی میں ابنائے دارالعلوم کی کاوشیں

عربی زبان وادب کی ترقی میں ابنائے دارالعلوم کی کاوشیں

دارالعلوم دیوبند کی بنیاد ۳۰رمئی ۱۹۶۶ءکورکھی گئی،اب ڈیڑھ صدی بیت چکی ہے،اس کے فضلاء برصغیر کے علاوہ دنیا کے بیشتر ممالک میں پھیلے ہوئے ہیں۔ دارالعلوم سے فضیلت کی سند حاصل کرنے والے طلباء کی تعداد ۲۰۰۰ءتک ۳۰ہزار ہےاوروہ طلبہ جنھوں نے دارالعلوم دیوبند سے فراغت تو حاصل نہیں کی؛ لیکن اس چشمہ صافی سے استفادہ کیااور زندگی کے کچھ قیمتی سال یہاں گزارے ہیں،ان کی تعداد ۷۰رہزار سے متجاوز ہے۔(۱)

اس طرح ایک لاکھ سے زائدافراد کے حالات کا پتہ لگانا اوران کی علمی خدمات کا جائزہ لینا انتہائی مشکل ہے۔ان میں بہت ایسے ہیں؛ جواپنے اپنے علاقوں میں جا کرگمنام علمی خدمات انجام دے رہے ہیں ۔ ویسے بھی دارالعلوم اوراس کے فضلاء کا امتیاز شہرت ونا موری سے دوری ، خاکساری اور سادگی رہا ہے۔اس لیے سینکڑوں ایسے مصنفین اس مٹی سے ابھرے،جنہیں دنیا جان نہ سکی؛ حالاں کہ وہ ایک بالغ نظر مفکر اور مصنف تھے۔

اس باب میں دارالعلوم دیوبند کے فضلاء کی عربی زبان وادب کے تعلق گفتگو سے پیش تر مناسب خیال ہوتا ہے کہ ایک سرسری نظر فضلائے دارلعلوم کی عام تصنیفی وتالیفی خدمات پر ڈال لی جائے؛ جس کا دائرہ علم کے ہر شعبے تک پھیلا ہوا ہےاور یہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ سینکڑوں کتابیں جو فضلائے دارالعلوم کے جولانی قلم کی گواہ ہیں،خواہ ان کا موضوع قرآن،حدیث ،فقہ،اصول فقہ،تفسیر، علم کلام،منطق ،فلسفہ وغیرہ ہوں،لیکن ان کی زبان عربی ہے۔یہ کتابیں عربی زبان میں انتہائی اچھوتے اسلوب میں تحریر کی گئی ہیں۔فضلاءدارالعلوم کی علمی ادبی اور تصنیفی خدمات کا اعتراف علماء عرب نے بھی پوری فراخ دلی کی ساتھ کیا ہے۔امام حرم محمد بن عبداللہ السبیل (۲) کا بیان سنیے:

(۱) دارالعلوم ديوبند مدرسة فكرية توجيهية،حركة إصلاحية دعوية مؤسسة تعليمية تربوية، مولاناعبيد الله الأسعدى،ص: ۱۰۵ ،ط:شيخ الهند إكيدمى ،دارالعلوم ديوبند.

(۲) امام حرم شیخ محمد بن عبداللہ السبیل قسیم سعودی عربیہ کے ایک شہر بکیریہ میں پیدا ہوئے ،بچپن ہی میں آپ نے حفظ قرآن کا شرف حاصل کیا،علوم شرعیہ اپنے بھائی شیخ عبدالعزیز سبیل اور شیخ محمدمقبل اور شیخ عبداللہ بن حمید وغیرہ سے حاصل کیا۔ 1385ھ میں آپ حرم مکی کے امام مقرر ہوئے۔آپ نے 1429ھ تک حرم مکی کے امام وخطیب اور مسجد حرام ==

"ألا فهي كالشمس في رابعة النهار شهرةً ومعرفة، ومن لا يعرفه؟و هل عالم لا يعرف هذه الجامعه الإسلامية في ديوبند، كل الناس يعرفونها ، وهي لا تخفىٰ علىٰ أحد ، لا تخفىٰ علىٰ أحد مكانتها المرموقة، والمتخرجون منها العلماء المشهورون الذين خدموا العلم ، خدموا تفسير كتاب اللّٰه ، خدموا حديث رسول للّٰه، خدموا الفقه الإسلامي، خد موا اللغلة العربية، خدموا الأدب العربي، خدموا كل العلوم الإسلامية، هٰذا الشيئ لا ينكروشيىء يعرف كل أحد.

وليس يصح في الأذهان شيىء
إذا احتاج البيان إلىٰ دليل

كل يعرف هذا والحمد اللّٰه، وهي علم شامخ بين الجامعات، علم شامخ بين المدارس والحمد اللّٰه، علماؤ ها أعلام شامخة بين العلماء؛فجزاهم اللّٰه كل خير، وأثابهم و قواهم، فجامعة ديوبند معروفة بين الناس، مشهورة فى العالم، لاتحتاج إلى بيان و لا تحتاج إلىٰ تعريف"(۱)

"دارالعلوم دن کے چمکتے ہوئے آفتاب کی طرح مشہور ہے،کون اسے نہیں جانتا ،کیا کوئی صاحب علم جامعہ اسلامیہ دارالعلوم دیو بند سے نا آشنارہ سکتا ہے،سبھی لوگ جانتے ہیں،اس کی عظیم خدمت اور بلند پایہ حیثیت کسی سے پوشیدہ نہیں ہے،تفسیر ،فقہ وفتاویٰ،علم رجال وحدیث اورزبان وادب کے حوالہ سے اس ادارہ کے فارغین علماء کی خدمات بہت مشہور ہیں،بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ انہوں نے تمام علوم اسلامی کی بیش بہاخدمات انجام دی ہیں،جس سے کسی کومجال انکارنہیں ہوسکتا ہے۔

== کے مدرس کی حیثیت خدمات انجام دئے۔آپ نے سو سے زائد دعوتی اسفار کیے،آپ کی متعدد کتابیں بھی ہیں، من منبرالمسجد الحرام ،حق الراعي و الرعية، حكم الإستعانة بغيرالمسلمين في الجهاد ،وغیرہ آپ کی اہم کتابیں ہیں۔3رصفر 1434ھ/ 17ردسمبر 2012ءمیں سعودی عربیہ میں وفات پائی۔

(۱) دار العلوم مدرسة فكرية ، ص:۱۳۲۔

الحمد للہ ہر کوئی اسے جانتا اور پہچانتا ہے۔ دارالعلوم یونیورسیٹیوں اور مدارس اسلامیہ کے درمیان بلند وبالا مینار علم ہے۔ یہ جامعہ پوری دنیا میں مشہور ہے، اس کے تعارف وتعریف کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ اللہ تعالی اس ادارے کے عظیم سپوتوں کو جزائے خیر عطا فرمائے''۔

دارالعلوم دیوبند اپنے روز قیام ہی سے مسلمانوں کی دینی وعلمی زندگی کو سنوارنے اور سجانے میں ہمہ تن مصروف عمل رہا۔ برصغیر کے گوشے گوشے میں اس کے فضلاء نے مدارس، مکاتب قائم کئے۔ وعظ ونصیحت کی، تصنیف وتالیف میں سرگرم رہے۔ بدعاعت وخرافات کے خلاف علم جہاد بلند کیا۔ عقیدے کی اصلاح اور دین خالص کی طرف رجوع کی دعوت دی، مرتدین اور گمراہوں سے مناظرے کئے۔ آزادی وطن کے لیے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا، ملکی سیاست میں اہم رول ادا کیا۔ فضلاء دیوبند کی خدمات کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ اس کے احاطے کے لیے ایک مستقل کتب خانے کی ضرورت ہے۔ دارالعلوم دیوبند کے صرف ایک فاضل نے ہزار سے زائد کتابیں تصنیف کی، جس میں بیسیوں کتابیں عربی زبان وادب کے سرمایہ میں انمول اضافہ ہیں۔ ماضی قریب کے عظیم مؤرخ شیخ ابو الحسن علی ندوی کی یہ شہادت پڑھیے۔(۱)

---

(۱) بیسویں صدی کے عظیم مفکر دوسو سے زائد کتابوں کے مصنف عربی، اردو کے ممتاز ادیب، ہندوستانی مسلمانوں کے قائد، ندوہ کے ناظم، مسلم پرسنل لاء بورڈ اور رابطہ ادب اسلامی کے صدر، پوری دنیا کی مختلف دینی، ملی، علمی، ادبی تنظیموں کے رکن وسربراہ مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن حسنی ندوی بن علامہ عبدالحی حسنی کی ولادت 5/دسمبر 1913ء کو ایک علمی خانوادہ میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم اپنے وطن تکیہ کلاں رائے بریلی میں حاصل کی۔ ندوۃ العلماء سے فراغت حاصل کی۔ تقریباً ایک سال دارالعلوم دیوبند میں شیخ الاسلام حسین احمد مدنی سے حدیث پڑھی۔ مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری کے مجاز ہوئے اوران سے خلافت ملی۔ آپ نے عربی، اردو میں متعدد کتابیں جن کا تعلق مختلف موضوت سے ہیں تصنیف کیں، آپ کے تصانیف تاریخ، فقہ، الٰہیات، سوانح وغیرہ پر ہیں۔ اس کے علاوہ پوری دنیا میں سیمناروں میں پیش کردہ مقالات ومضامین ہزاروں صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں۔ آپ کی سب سے مشہور تصنیف 'ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین' اور تاریخ دعوت وعزیمت ہے۔ ماذا خسر کا ترجمہ میں دنیا کی مختلف زبانوں میں ہو چکا ہے۔ یہ کتاب سید قطب کے وقیع مقدمہ کے ساتھ درجنوں بار دنیا کے مختلف مکتبوں سے شائع ہوئی اور ہاتھوں ہاتھ لی گئی۔ یہی کتاب ہے؛ جس نے آپ کو عالم شہرت عطا کی۔ آپ کی مشہور تصانیف میں 'القراءۃ الراشدۃ، قصص النبیین، مختارات من أدب العرب، عالم عربی کا المیہ، المرتضی، دریائے کابل سے دریائے یرموک تک، سیرت سید احمد شہید، قادیانیت تحلیل وتجزیہ، الطریق الی المدینۃ، العلامۃ محمد الیاس، حیاتہ ودعوتہ، کاروان زندگی، مغرب سے کچھ صاف صاف باتیں، ارکان اربعہ، روائع اقبال، پرانے چراغ، ==

”وكان لأحد أبناء دار العلوم ديوبند وهو الشيخ أشرف علي التهانوي (١٣٦٢ء) (ا) سهم كبير، في نشر العقيدة الصحيحة، و إصلاح النفوس، و تهذيب الأخلاق، و الدعوة إلىٰ اللّٰہ، وقد عمل وحده عمل مجمع علمي كبير، وألف كتباً، ورسائل تربو علىٰ

== پاجا سراغ زندگی، وغیرہ ہیں۔ 31/دسمبر 1999ء بروز جمعہ جاں جاں آفریں کے حوالہ فرمایا، تکیہ کلاں کے اپنے آبادی گورستان میں محوخواب ہیں۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو حضرت کی خودنوشت سوانح کارروان زندگی)

(ا) محقق، نقاد، مفکر، داعی، محدث، فقیہ، متکلم، اصولی، مفسر 800/سو سے زائد گراں قدر کتابوں کے مصنف، ہزاروں علماء، اصحاب تقویٰ کے مربی واستاذ دار العلوم دیوبند قابل فخر فاضل، مصلح یگانہ، مجدد ملت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی بن عبد الحق تھانوی کی ولادت باسعادت 5/ربیع الثانی 1280ھ مطابق 19/اگست 1863ء کو تھانہ بھون میں ہوئی، آپ کا تاریخی نام ”کرم عظیم“ ہے اور دنیائے علم آپ کی عظمتوں کے سامنے سرنگوں ہوئی، آپ کے والد گرامی بڑے صاحب ثروت تھے، فارسی کے بڑے انشاء پردازوں میں ان کا شمار ہوتا تھا۔

حفظ قرآن کریم کی تکمیل تھانہ بھون ہی میں حافظ حسین علی سے کی۔ فارسی اور عربی اول کی ابتدائی کتابیں مولانا فتح محمد تھانوی سے پڑھیں، 1295ھ مطابق 1878ء دار العلوم دیوبند میں شریک درس ہوئے، حضرت مولانا یعقوب نانوتوی، حضرت شیخ الہند، مولانا سید احمد دہلوی وغیرہ سے کسب علم کیا، تجوید و قراءت قاری محمد عبد اللہ مہاجر مکی سے پڑھی، راہ سلوک و معرفت کی منزلیں سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کی صحبت میں طے کی اور خرقہ خلافت سے سرفراز ہوئے۔ 1301ھ میں مدرسہ فیض عام کانپور کی صدارت کے منصب کو زینت دی، کچھ عرصہ بعد جامع العلوم کانپور کے صدر مدرس ہوئے۔ 14/سالوں تک آپ کا مسند درس کانپور میں ہی رہا اور قرآن وحدیث وفقہ وکلام کا جام یہیں چھلکتا رہا۔ 1310ھ میں خانقاہ امدادیہ تشریف لے آئے اور اپنی مسند درس وارشاد یہیں بچھائی، آخر عمر تک تھانہ بھون جیسے دور افتادہ گاؤں میں بیٹھ کر تربیت، تزکیہ، سلوک وتصوف اور تصنیف وتالیف کی ایسی شمع روشن کی، کہ اس کی روشنی نے لاکھوں گم گشتہ راہوں کو صراط مستقیم عطا کیا۔ آپ نے تنہا جو علمی خدمات انجام دی ہیں، اگر کوئی اکیڈمی بھی کر سکے تو اس کے لیے باعث افتخار ہوگا۔ آپ کی تصنیفات کی تعداد تقریباً ایک ہزار ہے۔ ہر کتاب اپنی جگہ شاہکار ہے، لیکن ”بیان القرآن“ کی بات ہی جداگانہ ہے۔ یہ بے نظیر تفسیر پوری دنیا کے علماء کے لیے سند اور مرجع کا درجہ رکھتی ہے، فقہ حنفی کے متدلات پر شہرآفاق، بے مثال 8/جلدوں میں احادیث مبارک گراں قدر وقیع مجموعہ ”اعلاء السنن“ آپ ہی کی نگرانی میں آپ ہی کے بھانجے علامہ ظفر احمد عثمانی تھانوی نے مرتب کیا۔ اصلاحی تجدیدی کارنامے آپ کی زندگی کا روشن باب ہیں، اللہ کے بندوں کی تربیت کا آپ کو خاص ملکہ مبدأ فیاض سے عطا کیا گیا، ہزاروں تشنہ گانوں کی سیرابی کا ساماں در تھانوی پر ہی تھا۔ 82/سال کی عمر 16/رجب 1362ھ مطابق 20/جون 1943ء کو علم وعمل کا یہ آفتاب ہمیشہ کے لیے غروب ہوگیا اور اپنے باغ کی مٹی میں روپوش ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی قبر کو نور سے بھر دے۔ آمین۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے: ستة من فقہاء العالم الإسلامی، للشیخ عبد الفتاح أبوغدہ، تاریخ دار العلوم دیوبند، از محبوب رضوی)

ثمانمائة، وقد انتشرت انتشاراً كبيراً، وأثرت في المجتمع الهندي الإسلامي تأثيراً عظيماً."(۱)

علی میاں ندویؒ کی شہادت کے بعد ایک طائرانہ نگاہ اور اچٹتی نظر ان کتابوں کی فہرست پر ڈالتے چلیے، جودالعلوم کے فیض یافتگان کے علم ریز قلم کی رہین منت ہیں۔ علم کا جوابر کرم دارالعلوم سے اٹھا کہاں کہاں برسا، کن کن فنون لطیفہ کی آبیاری کی اور کتنے بے جان کھیت اس قلمی بارش سے لہلہا اٹھے ہیں، اس کا تھوڑا اندازہ بھی ہو جائے، لیکن یہ خیال رہے کہ جو فہرست پیش کی جارہی ہے وہ صرف سو سال کے بعض علمی کارناموں کی ہے، دارالعلوم کے نونہالوں نے علم وفن، فکر ونظر، زبان و ادب کے میدان کیا کیا گل افشانیاں کی ہیں؛ اس کا صحیح علم تو بس اللہ ہی کو ہے، یہ حقیر تو اس کی فہرست سازی سے بھی عاجز ہے۔

قرآن مجید کے تراجم وتفاسیر اور متعلقات:

نمبر شمار	کتابیں	مصنفین
۱	ترجمہ قرآن مجید	شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ
۲	بیان القرآن	حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
۳	ترجمہ قرآن مجید (کشمیری)	مولانا محمد یوسف شاہ کشمیری
۴	حواشی قرآن مجید، مترجم شیخ الہند	حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی دیوبندی
۵	حواشی قرآن مجید، مترجم شاہ عبد القادر	حضرت مولانا احمد علی لاہوری
۶	اعجاز القرآن	حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی دیوبندی
۷	تفسیر بیان القرآن	حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی
۸	تفسیر ثنائی (اردو)	مولانا ثناء اللہ امرتسری
۹	تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن (عربی)	ایضاً
۱۰	تفسیر المعوذتین	حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہٗ
۱۱	ترجمہ تفسیر جلالین	حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی دیوبندی
۱۲	تفسیر معارف القرآن (آٹھ جلدیں)	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی

(۱) الدعوة الإسلامية في الهند وتطوراتها، الشيخ أبوالحسن علي الندوی، ص: ۳۲، ط: المكتبة الوقفية

۱۳	تفسیر معارف القرآن	حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی
۱۴	تفسیر الحادی (تقریر بیضاوی)	حضرت مولانا سید فخر الحسن صاحب صدر المدرسین دار العلوم
۱۵	تدوین قرآن	حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی
۱۶	التعوذ فی الاسلام	مولانا محمد طاہر قاسمی مرحوم نبیرہ حضرت نانوتوی
۱۷	حاشیہ تفسیر بیضاوی (عربی)	حضرت مولانا عبد الرحمٰن امروہی تلمیذ حضرت نانوتوی
۱۸	دینی دعوت کے قرآنی اصول	حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحب
۱۹	سبق الغایات فی نسخ الآیات	حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی
۲۰	العون الکبیر شرح الفوز الکبیر	مولانا مفتی سعید احمد پالن پوری (استاذ دار العلوم دیوبند)
۲۱	فہم قرآن	حضرت مولانا سعید احمد اکبر آبادی
۲۲	قصص القرآن	حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سہواروی
۲۳	کمالین ترجمہ جلالین	مولانا محمد نعیم صاحب دیوبندی (استاذ دار العلوم دیوبند)
۲۴	مشکلات القرآن (عربی)	حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری
۲۵	منحۃ الجلیل فی بیان مافی معالم التنزیل	حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی
۲۶	وحی الٰہی	حضرت مولانا سعید احمد اکبر آبادی
۲۷	ہدیۃ المہدئین فی آیۃ خاتم النبیین	حضرت مولانا محمد شفیع صاحب دیوبندی
۲۸	آسان تفسیر قرآن مجید	حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
۲۹	کتابت وحی اور کاتبین	مفتی محمد نافع عارفی
۳۰	آسان اصول تفسیر	حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

حدیث اور متعلقات حدیث:

نمبر شمار	کتابیں	مصنفین
۱	الابواب والتراجم (عربی)	شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی
۲	اعلاء السنن (۱۸ رجلدیں)	علامہ ظفر احمد عثمانی زیر نگرانی حضرت مولانا اشرف علی تھانوی۔

۳	الفیۃ الحدیث	حضرت مولانا محمد منظور نعمانی
۴	انوار الباری شرح صحیح بخاری	مولانا احمد رضا بجنوری
۵	انوار المحمود حاشیہ سنن ابوداؤد	علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری
۶	انتخاب صحاح ستہ	حضرت مولانا قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی
۷	ایضاح البخاری	حضرت مولانا فخر الدین احمد
۸	بذل المجہود شرح ابو داؤد (۱۴ر جلدیں)	حضرت مولانا خلیل احمد انبہٹوی تحقیق: مولانا تقی الدین ندوی
۹	تدوین حدیث	حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی
۱۰	ترجمان السنۃ	حضرت مولانا محمد بدر عالم میرٹھی
۱۱	ترجمہ صحیح بخاری	حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی
۱۲	التعلیق الصبیح شرح مشکوٰۃ المصابیح	حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی
۱۳	التعلیق المحمود حاشیہ ابوداؤد	حضرت مولانا فخر الحسن گنگوہی
۱۴	تقریر الترمذی	شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی
۱۵	حاشیہ آثار السنن علامہ (شوق نیمویؒ)	علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری
۱۶	حاشیہ سنن ابن ماجہ (عربی)	علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری
۱۷	حجیت حدیث	حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی
۱۸	حدیث رسول کا قرآنی معیار	حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب
۱۹	روض الریاحین ترجمہ بستان المحدثین	حضرت مولانا عبد السمیع دیوبندی
۲۰	سنن سعید بن منصور (عربی)	مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی
۲۱	شرح ترمذی	حضرت علامہ محمد ابراہیم بلیاوی
۲۲	العرف الشذی علی جامع الترمذی	علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری
۲۳	فتح الملہم شرح صحیح مسلم (عربی)	علامہ شبیر احمد عثمانی
۲۴	فضل الباری شرح صحیح بخاری	علامہ شبیر احمد عثمانی

۲۵	فیض الباری علی صحیح البخاری	حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری مرتب: علامہ محمد بدر عالم میرٹھی
۲۶	بدر الساری حاشیہ فیض الباری	علامہ محمد بدر عالم میرٹھی
۲۷	القول الفصیح	حضرت مولانا سید فخر الدین احمد
۲۸	کتاب الزہد والرقاق	عبداللہ بن مبارک المروزی تعلیق وتحقیق: حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی
۲۹	الکوکب الدری	حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی
۳۰	مسند حمیدی	تعلیق وتحقیق: حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی
۳۱	مشکوٰۃ الآثار	حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب دیوبندی
۳۲	مصنف عبد الرزاق (۱۱/جلدیں)	تعلیق وتحقیق: حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی
۳۳	المطالب العالیہ (چار جلد)	حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی
۳۴	مظاہر حق شرح مشکوٰۃ المصابیح (جدید)	مولانا عبد الرحمٰن جاوید
۳۵	معارف الحدیث (۵/جلد)	حضرت مولانا محمد منظور نعمانی
۳۶	معارف السنن شرح جامع ترمذی	حضرت مولانا محمد یوسف بنوری
۳۷	معارف مدنیہ (تقریر ترمذی)	مولانا سید حسین احمد مدنی (مرتب: مولانا سید طاہر حسن امروہوی)
۳۸	معارف المشکوٰۃ شرح مشکوٰۃ المصابیح	مولانا عبد الرؤف عالی
۳۹	نبراس الساری علی اطراف البخاری	مولانا عبد العزیز گوجرانوالا
۴۰	الکوکب الشذی شرح الترمذی	حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی
۴۱	الورد الشذي علی جامع الترمذی	شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی
۴۲	آسان اصول حدیث	حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
۴۳	نعمت المنعم	حضرت مولانا نعمت اللہ اعظمی

فقہ اور متعلقات فقہ:

نمبر شمار	کتابیں	مصنفین
۱	الحجۃ علی اہل المدینہ (امام محمدؒ)	تعلیق: مولانا مفتی مہدی حسن
۲	احکام القرآن	حضرت مولانا ظفر احمد تھانوی، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی، حضرت مولانا ادریس کاندھلوی
۳	احکام حج	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی
۴	آسان حج	حضرت مولانا محمد منظور نعمانی
۵	اسلام کیا ہے؟	حضرت مولانا محمد منظور نعمانی
۶	آلات جدیدہ کے شرعی احکام	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی
۷	امداد الفتاویٰ (۶ رجلد)	حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی
۸	امداد المفتیین	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی
۹	بہشتی زیور	حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی
۱۰	ترجمہ قدوری	مترجم مولانا ابوالحسن بارہ بنکوی
۱۱	تعلیم الاسلام	حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی
۱۲	حاشیہ سراجی	مولانا رحمت اللہ سلہٹی
۱۳	حاشیہ شرح نقایہ (عربی)	حضرت مولانا اعزاز علی امروہی
۱۴	حاشیہ کنز الدقائق	حضرت مولانا اعزاز علی امروہی
۱۵	حاشیہ نور الایضاح	حضرت مولانا اعزاز علی امروہی
۱۶	حج کیسے کریں؟	حضرت مولانا محمد منظور نعمانی
۱۷	جواہر الفقہ	مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی
۱۸	عزیز الفتاویٰ	حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی دیوبند مرتب حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی
۱۹	فتاویٰ امدادیہ (اشرفیہ)	حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی

نمبر	کتاب	مصنف
۲۰	فتاویٰ دارالعلوم دیوبند	مرتب: مفتی ظفیر الدین مفتاحی/مفتی محمد امین پالنپوری
۲۱	فتاویٰ دارالعلوم دیوبند	مفتی امین احمد پالنپوری
۲۲	فتاویٰ محمدی مع شرح دیوبندی	حضرت مولانا میاں سید اصغر حسین دیوبندی
۲۳	کفایۃ المفتی	حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی
۲۴	مفید الوارثین	حضرت مولانا سید اصغر حسین
۲۵	میراث المسلمین	حضرت مولانا سید اصغر حسین
۲۶	نورالاصباح ترجمہ نورالایضاح	حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب دیوبندی
۲۷	قاموس الفقہ (پانچ جلدیں)	حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
۲۸	جدید فقہی مسائل (چھ جلدیں)	حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
۲۹	کتاب الفتاویٰ (۶رجلدیں)	حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
۳۰	حلال وحرام	حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
۳۱	النوازل الفقہیہ المعاصرہ (عربی)	حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
۳۲	آسان اصول فقہ	حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
۳۳	اسلامی عدالت	حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی
۳۴	مباحث فقہیہ	حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی
۳۵	رفیق حج وعمرہ	حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
۳۶	جدید فقہی مالیاتی ادارے	حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
۳۷	اسلام کا نظام زراعت	مفتی محمد نافع عارفی
۳۸	حقوق کی خرید وفروخت	مولانا عمر عابدین قاسمی
۳۹	فتاویٰ امارت شرعیہ	قاضی مجاہد الاسلام قاسمی رمفتی سعید الرحمٰن قاسمی
۴۰	فتاویٰ علماء ہند	حضرت مولانا انیس الرحمٰن قاسمی
۴۱	طہارت کے احکام ومسائل	حضرت مولانا انیس الرحمٰن قاسمی
۴۲	لباس کے احکام ومسائل	حضرت مولانا انیس الرحمٰن قاسمی

۴۳	کھانے پینے کے احکام ومسائل	حضرت مولانا انیس الرحمٰن قاسمی
۴۴	فتاویٰ فلاحیہ	مفتی مجتبیٰ حسن قاسمی
۴۵	اسلام اور جدید ذرائع ابلاغ	مفتی مجتبیٰ حسن قاسمی
۴۶	صنوان القضاء وعنوان الإفتاء	قاضی عماد الدین زرقانی تحقیق: حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی
۴۷	منتخب نظام الفتاویٰ	مفتی نظام الدین، مرتب: احمد نادر قاسمی
۴۸	فتاویٰ امارت شرعیہ	مفتی سعید الرحمٰن قاسمی
۴۹	مجلہ فقہ اسلامی، مصرف زکوٰۃ فی سبیل اللہ	ترتیب: حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی
۵۰	اراضی ہند کی شرعی حیثیت اور اسلام کا نظام عشر وخراج	ترتیب: حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی
۵۱	مسائل الزکوٰۃ	ترتیب: حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی
۵۲	کلوننگ	حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی
۵۳	مچھلی کی خرید وفروخت فقہ اسلامی کی روشنی میں	مرتب: مفتی احمد نادر قاسمی
۵۴	میڈیکل انشورنس فقہ اسلامی روشنی میں	مرتب: مفتی احمد نادر قاسمی
۵۵	قتل بہ جذبہ رحم فقہ اسلامی روشنی میں	مرتب: مفتی احمد نادر قاسمی
۵۶	حالتِ نشہ کی طلاق موجودہ حالات کے پس منظر میں	مفتی احمد نادر قاسمی
۵۷	کتاب النوازل	مفتی سلمان منصور پوری
۵۸	فتاویٰ قاسمیہ	مفتی شبیر احمد قاسمی

عقائد وکلام:

نمبر شمار	کتابیں	مصنفین
۱	احسن الکلام فی اصول عقائد الاسلام	حضرت مولانا رحیم اللہ بجنوری
۲	اسلامی عقائد (اردو)	مولانا محمد عثمان دربھنگوی
۳	اسلامی عقائد (بنگلہ)	مولانا محمد عثمان دربھنگوی

۴	ترجمہ شرح عقائد	حضرت مولانا عبد الاحد دیوبندی
۵	حدوث مادہ وروح	حضرت مولانا ادریس کاندھلوی
۶	الدین القیم	حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانی
۷	علم الکلام	حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی
۸	عقائد الاسلام	حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی
۹	عقائد الاسلام قاسمی	حضرت مولانا طاہر قاسمی دیوبندی
۱۰	عقد الفرائد حاشیہ شرح عقائد	مولانا محمد علی چاٹگامی
۱۱	آسان علم کلام	حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

احسان وتصوف:

نمبر شمار	کتابیں	مصنفین
۱	احسان وتصوف (بنگلہ)	مولانا امین الحق میمن سنگھی
۲	آداب الشیخ والمرید	حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی
۳	تبویب ترتیب السالک	حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی
۴	تربیت السالک	حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی
۵	ترجمہ انفاس العارفین	مولانا محمد یوشع سہارنپوری مقیم گوجرانوالہ
۶	التشرف بمعرفۃ احادیث التصوف	حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی
۷	التصرف فی تحقیق التصوف	حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی
۸	التکشف عن مہمات التصوف	حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی
۹	خصوص الکلم فی حل فصوص الحکم	حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی
۱۰	شرح مثنوی مولانا روم	مولانا عبد القادر ڈیروی
۱۱	شریعت وتصوف	حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحب علی گڈھی
۱۲	عنوان التصوف	حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی
۱۳	کلید مثنوی مولانا روم	حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی

۱۴	مبادی التصوف	حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی
۱۵	مسائل السلوک من کلام ملک الملوک	حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی

تاریخ وسیرت:

نمبر شمار	کتابیں	مصنفین
۱	ترجمہ سیرت حلبیہ	مولانا محمد اسلم قاسمی
۲	حضور اکرم کی سیاسی زندگی اخلاق کے آئینہ میں	مولانا اخلاق حسین قاسمی
۳	حیات نبویہ	حضرت مولانا مفتی محمود نانوتوی
۴	خاتم الانبیاء	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی
۵	خاتم النبین	حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب قاسمی
۶	خلق عظیم	حضرت مولانا حامد الانصاری غازی
۷	رسول کریم	حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی
۸	سیرت طیبہ (حضرت محمد مصطفیٰ)	حضرت مولانا قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی
۹	سیرت المصطفیٰ	حضرت مولانا ادریس کاندھلوی
۱۰	سیرت مبارکہ محمد رسول اللہ	حضرت مولانا سید محمد میاں دیوبندی
۱۱	سیرت رسول	مولانا محمد اسلم رمزی
۱۲	النبی الخاتم	حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی
۱۳	وفات النبی	مولانا اخلاق حسین قاسمی
۱۴	سیرت حبیب خدا	حضرت مولانا لطف الرحمٰن ہرسنگھ پوریؒ
۱۵	پیام سیرت	حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
۱۶	مذہبی رواداری اور اسوۂ نبی صلی اللہ علیہ وسلم	مفتی محمد نافع عارفی
۱۷	مختصر سیرت نبویؐ	حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
۱۸	صدیق اکبرؓ	حضرت مولانا سعید احمد اکبر آبادی
۱۹	سوانح حضرت ابوذر غفاریؓ	حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی

۲۰	سیرت خالد بن ولیدؓ	قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی
۲۱	خالد بن ولید	مولانا عبدالسبوح پشاوری
۲۲	شہید کربلا	حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب قاسمی
۲۳	شہید کربلا	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی
۲۴	شہید کربلا	قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی
۲۵	شہداء اسلام	مولانا اخلاق حسین قاسمی
۲۶	اسلام کا نظام تعلیم وتربیت	حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی
۲۷	اسلام کا نظام حکومت	حضرت مولانا حامد الانصاری غازی
۲۸	اسلام میں غلامی کی حقیقت	حضرت مولانا سعید احمد اکبرآبادی
۲۹	اسلام اور مغربی تہذیب	حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب قاسمی
۳۰	اشاعت اسلام	حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی دیوبندی
۳۱	اعیان الحجاج	حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی
۳۲	امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی	مولانا مناظر احسن گیلانی
۳۳	انوار قاسمی (حضرت نانوتوی کی سوانح حیات)	مولانا انوار الحسن شیرکوٹی
۳۴	بلاغ المبین فی مکاتیب سید المرسلین	حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی
۳۵	پانی پت اور بزرگان پانی پت	حضرت مولانا سید محمد میاں دیوبندی
۳۶	تاریخ الاسلام	حضرت مولانا سید محمد میاں دیوبندی
۳۷	تاریخ التفسیر	مولانا عبدالصمد صارم
۳۸	تاریخ الحدیث	مولانا عبدالصمد صارم
۳۹	تاریخ القرآن	مولانا عبدالصمد صارم
۴۰	تاریخ ملت (تین حصے)	حضرت مولانا قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی
۴۱	تجلیات عثمانی	مولانا انوار الحسن شیرکوٹی
۴۲	تذکرۃ الاعزاز	مولانا سید انظر شاہ کشمیری

۴۳	تذکرہ شاہ ولی اللہ دہلوی	حضرت مولانا محمد منظور نعمانی
۴۴	تذکرہ حضرت مجدد الف ثانی	حضرت مولانا محمد منظور نعمانی
۴۵	جائزہ تراجم قرآنی	مرتب: مولانا محمد سالم قاسمی، مولانا عبد الرؤف عالی، سید محبوب رضوی
۴۶	حیات امداد اللہ مہاجر مکیؒ	حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی
۴۷	حیات امدادؒ	مولانا انوار الحسن شیر کوٹی
۴۸	حیات شیخ الہند	حضرت مولانا میاں سید اصغر حسین دیوبندی
۴۹	حیات شیخ الاسلام	حضرت مولانا سید محمد میاں دیوبندی
۵۰	زبدۃ السیر	مولانا عماد الدین شیر کوٹی
۵۱	سفر نامہ شیخ الہند	حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی
۵۲	سفر نامہ برما	حضرت مولانا محمد طیب صاحب قاسمی مرتب: مولانا محمد سالم صاحب
۵۳	سفر نامہ افغانستان	حضرت مولانا محمد طیب صاحب قاسمی
۵۴	سفر نامہ مقامات مقدسہ وتاثر سفر مصر	حضرت مولانا محمد طیب صاحب قاسمی
۵۵	سفر نامہ مصر وحجاز	حضرت مولانا منت اللہ رحمانی
۵۶	سوانح اویس قرنیؒ	حضرت مولانا منت اللہ رحمانی
۵۷	سوانح حیات حضرت میاں صاحب	حضرت مولانا میاں سید اختر حسین دیوبندی
۵۸	سوانح قاسمی	حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی
۵۹	شاہ ولی اللہ کی سیاسی تحریک	حضرت مولانا عبید اللہ سندھی
۶۰	عربی کتابوں کے تراجم	مولانا عبد السبوح پشاوری
۶۱	علمائے حق	حضرت مولانا سید محمد میاں دیوبندی
۶۲	علمائے ہند کا شاندار ماضی	حضرت مولانا سید محمد میاں دیوبندی
۶۳	غلامان اسلام	حضرت مولانا سعید احمد اکبر آبادی

۶۴	فقیہ مصر	مولانا ڈاکٹر مصطفیٰ حسن علوی
۶۵	مشاہیر امت	حضرت مولانا محمد طیب قاسمی
۶۶	محتسب اسلام	مولانا ڈاکٹر مصطفیٰ حسن علوی
۶۷	مرقع سیرت	مولانا مفتی جمیل الرحمٰن سیوہاروی
۶۸	مسلمانوں کا عروج وزوال	حضرت مولانا سعید احمد اکبرآبادی
۶۹	مولوی معنوی	حضرت مولانا سید اصغر حسین دیوبندی
۷۰	میری ڈائری	حضرت مولانا عبید اللہ سندھی
۷۱	نشر الطیب	حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی
۷۲	نقش حیات	حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی
۷۳	ہزار سال پہلے	حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی
۷۴	ہندوستان عہد مغلیہ میں	حضرت مولانا سید محمد میاں دیوبندی
۷۵	فقہ اسلامی کی تدوین	حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
۷۶	تاریخ علماء دیوبند	مولانا محبوب رضوی
۷۷	تاریخ دارالعلوم دیوبند	مولانا محبوب رضوی
۷۸	سوانح قاسمی	مولانا سید مناظر احسن گیلانی

ادب ولغت:

نمبر شمار	کتابیں	مصنفین
۱	بیان اللسان (عربی اردو لغت)	حضرت مولانا قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی
۲	البینات ترجمہ اردو قصائد لامیۃ المعجزات	حضرت مولانا محمد اعزاز علی امروہی
۳	ترجمہ مقامات حریری مع حاشیہ	مولانا عبد الصمد صارم
۴	توشیحات شرح سبع معلقات	مولانا قاضی سجاد حسین
۵	التعلیقات شرح المقامات	مولانا نور الحق
۶	حاشیہ دیوان حماسہ (عربی)	حضرت مولانا محمد اعزاز علی امروہی

۷	حاشیہ دیوان متنبی	حضرت مولانا محمد اعزاز علی امروہی
۸	حاشیہ مقامات حریری	حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی
۹	حاشیہ مفید الطالبین	حضرت مولانا محمد اعزاز علی امروہی
۱۰	حاشیہ مفید الطالبین	مولانا ظہور الحق دیوبندی
۱۱	حاشیہ مفید الطالبین	مولانا محمد علی چاٹگامی
۱۲	قاموالقرآن (الفاظ قرآنی کی لغت وتفسیر فوائد)	حضرت مولانا قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی
۱۳	القاموس الجدید	مولانا وحید الزماں صاحب کیرانوی
۱۴	القراۃ الواضحہ	مولانا وحید الزماں صاحب کیرانوی
۱۵	قصیدہ لامیۃ المعجزات	حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی دیوبندی
۱۶	کلام عربی (۲ رجلد)	حضرت مولانا قاضی زین العابدین سجاد
۱۷	مصباح اللغات	حضرت مولانا عبد الحفیظ بلیاوی
۱۸	معین اللبیب فی قصائد الحبیب	حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی دیوبندی
۱۹	نفحۃ العرب	حضرت مولانا محمد اعزاز علی امروہی
۲۰	نفحۃ الادب	مولانا وحید الزماں صاحب کیرانوی
۲۱	القاموس الوحید (دو جلد)	مولانا وحید الزماں صاحب کیرانوی
۲۲	القاموس الاصطلاحی	مولانا وحید الزماں صاحب کیرانوی
۲۳	قاموس الفقہ	حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

(۱)

یہ ابنائے دار العلوم کی تصنیفی وتالیفی خدمات کی ایک جھلک تھی، ان کتابوں میں بہت سی کتابیں عربی زبان میں ہیں، جب کہ کئی ایک اردو میں ہے۔ ان کتابوں کی اہمیت اور علمی مقام کا اندازہ ماضی قریب کے عظیم محقق علامہ عبد الفتاح ابوغدہ (۲) کے اس بیان سے لگایا جا سکتا ہے:

---

(۱) یہ فہرست تاریخ دار العلوم دیوبند، ج: اول سے جزوی ترمیم اضافہ کے ساتھ ماخوذ ہے

(۲) ابو الفتوح ابو زاہد عبد الفتاح بن محمد بن بشیر بن حسن ابوغدہ الخالدی الحلبی الحنفی کی ولادت شام کے مشہور علمی شہر حلب میں 17 رجب 1336ھ/ 9 مئی 1917ء کو ہوئی۔ آپ کا خاندان حلب کا معروف علمی خاندان ہے، ==

"علم وتقویٰ سے مالا مال، اس عظیم الشان ادارے کے علمائے عظام کی خدمات جلیلہ کا ذکر کرتے ہوئے میں ایک درخواست کرنا چاہتا ہوں؛ بلکہ اگر ذرا جرأت کروں، تو کہہ سکتا ہوں کہ وہ ہمارا ایک واجبی حق ہے، جس کا مطالبہ میں کرنا چاہتا ہوں، وہ یہ ہے کہ ان علمائے کرام کا فریضہ ہے کہ اپنے متفردانہ عقول کے نتائج فکر اور بیش بہا علمی فیوض وتحقیقات کو عربی زبان کا جامہ پہنا کر عالم اسلام

== جو صلاح وتقویٰ اور علم وفضل میں بہت ہی ممتاز سمجھا جاتا رہا ہے۔ 1368ھ مطابق 1948ء میں آپ جامع ازہر مصر سے امتیازی نمبرات سے کامیاب ہو کر عالمیت کی سند حاصل کی، پھر آپ نے ازہر ہی میں عربی زبان کی تدریس میں تخصص کیا۔ 1370ھ/1950ء میں ازہر سے فراغت کے بعد آپ اپنے وطن حلب واپس آ گئے اور یہیں تدریسی خدمات انجام دینے لگے، اپنی دینی تحریکی علمی کاموں اور حکومت وقت کی بے راہ روی اور غیر شرعی امور پر تنقید کی وجہ سے متعدد اصحاب علم و فن اور فکر ونظر کے ساتھ 1966ء میں گرفتار ہوئے، ایک سال بعد آپ کی رہائی ہوئی اور سعودی عربیہ تشریف لے آئے اور محمد بن سعود یونیورسیٹی ریاض میں تدریسی خدمات انجام دینے لگے۔

آپ اخوان المسلمین کے سرکردہ شخصیات اور قائدین میں تھے، شیخ سباعی کی وفات کے بعد آپ کو مرشد عام منتخب کیا گیا۔ آپ کا شمار عالم اسلام کے عظیم محققوں میں ہوتا ہے، حدیث، اصول حدیث، فقہ، اصول فقہ جیسے فنون میں کارنامے تاریخ کے سینے میں محفوظ ہیں، آپ کے قلم گہربار سے متعدد تحقیقی کتابیں نکلیں، جو علمی دنیا کے لیے قیمتی اضافہ اور سرمایہ ہیں، علامہ کو علماء دیوبند سے خاص قلبی تعلق تھا۔ آپ علامہ کشمیری، حضرت تھانوی وغیرہ کے بڑے معتقد تھے اور ان کے علمی کاموں کا تعارف عربوں میں کرایا، آپ نے علامہ کشمیری، علامہ عبد الحی لکھنوی وغیرہ کی کتابوں کو ایڈیٹ کر کے شائع کیا۔ (1) رسالۃ المستشرقین (2) صفحات من صبر العلماء علی شدائد العلم (3) کلمات فی کشف أباطیل وافتراءات، آپ کی تحقیقی کتابیں ہیں؛ جو علامہ البانی کے رد میں آپ نے لکھی تھیں؛ (4) الاسناد من الدین (5) من ادب الاسلام (6) الحلال والحرام (7) الرسول المعلم وأسالیبہ فی التعلیم (8) العلماء العذاب الذین أثروا العلم علی الزواج وغیرہ۔ آپ کی اہم تصنیفات ہیں، ان کتابوں کے علاوہ علامہ انور شاہ کشمیری کی شہرہ آفاق کتاب "التصریح بما تواتر فی نزول المسیح" کو اپنے تحقیق کے ساتھ شائع کیا، اسی طرح آپ نے علامہ عبد الحئ فرنگی محلی کی کتاب "الرفع والتکمیل فی الجرح والتعدیل" اقامۃ الحجۃ علی أن الاکثار من التعبد لیس ببدعۃ، اور علامہ ظفر احمد عثمانی کی 'قواعد فی علم الحدیث" وغیرہ کو اپنی عمدہ وبیش قیمت تحقیق کے ساتھ شائع فرمایا اور علمی دنیا کو بیش قیمت تحفہ دیا۔ یہ کتابیں ان کی علمی یادگار ہیں، جو ان کی محققانہ عظمت کی پر شاہد عدل ہیں۔ شعبان 1417ھ مطابق 1996ء کو آنکھ کی شدید تکلیف کے علاج کی غرض آپ حلب سے ریاض تشریف لائے، لیکن مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی، پھر پیٹ کی بیماری کے شکار ہوئے، اتوار کی صبح 9 رشوال المکرّم 1417ھ مطابق 19 / فروری 1997ء کو 80 رسال کی عمر میں بھرپوری علمی دنیا اور تحریکی زندگی گزارنے کے بعد اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ (دیکھئے: الشیخ عبد الفتاح ابوغدہ کما عرفتہ، ا۔ محمد علی الہاشمی، مع العلامہ عبد الفتاح ابوغدہ، یوسف قرضاوی)

کے دوسرے علماء کے لیے استفادے کا موقع فراہم کریں، یہ فریضہ ان حضرات پر؛ اس لیے عائد ہوتا ہے کہ جب کوئی شخص ہندوستان کے علمائے محققین کی کوئی تصنیف پڑھتا ہے؛ تو اس میں اس کو وہ نئی متفردانہ تحقیقات ملتی ہیں؛ جن کا مدار گہرے علم اور وسیع مطالعے کے علاوہ تقویٰ وصلاح اور روحانیت پر ہوتا ہے۔

چوں کہ ہندوستان کے یہ علماء وشیوخ کرام نیکی و صلاح روحانیت اور استغراق فی العلم جیسی شروط پر نہ صرف یہ کہ پورے اترتے ہیں؛ بلکہ سلف صالحین کے صحیح وارث اور ان کے نمونے ہیں؛ اس لیے ان کی کتابیں بہت سی نئی تحقیقات اور حسب حالات وقت کتنی ہی کارآمد چیزوں پر مشتمل ہوتی ہیں۔ ''و ذالك فضل اللّٰه يوتيه من يشاء'' ، بلکہ ان حضرات کی بعض کتابیں تو وہ ہیں، جن میں ایسی چیزیں ملتی ہیں، جو متقدمین علمائے اکابر، مفسرین، محدثین اور حکماء کے یہاں بھی دستیاب نہیں ہوتیں، لیکن افسوس اور قلق کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ان نادر تالیفات میں سے اکثر بلکہ سب کی سب اردو زبان میں لکھی گئی ہیں، جو گو ہندوستان کی عام اسلامی زبان سہی، لیکن عربی کو کثیر الاستعمال اور علوم اسلام کی خاص زبان ہونے کا جو شرف حاصل ہے، ظاہر ہے کہ وہ اردو کو حاصل نہیں ہے۔ لہٰذا یہ علوم اور گراں قدر تحقیقات جو ہمارے برادران اسلام علماء ہند کا خصوصی حصہ اور کارنامہ ہیں، اگر ان کو اردو ہی کے قالب میں محبوس رکھا گیا، تو ہم عربی بولنے والوں سے مخفی و پوشیدہ رہ کر ہماری محرومی کا باعث بنی رہیں گی۔ اس طرح نہ صرف یہ ہمارے ساتھ زبردست ناانصافی ہوگی؛ بلکہ علم و دین کے حق میں بھی ایک بڑا نقصان ہوگا۔ اس لیے فریضہ معرفت اور امانت علم کی ادائیگی کے لیے یہ بات اولین واجبات میں سے ہے کہ ان نفیس شاہکار اور عمدہ کتابوں کا عربی زبان میں ترجمہ کیا جائے، تاکہ ان سے وہ آنکھیں روشنی حاصل کریں؛ جو ایسی چیزوں کے لیے بیتاب، تشنہ اور مشتاق ہیں اور جیسا کہ میرا خیال ہے اس اہم ذمہ داری اور کٹھن فریضے کی ادائیگی کا کام اسی ادارہ عامرہ کے افراد کر سکتے ہیں؛ جو علمائے

کرام اور طلبائے نجباء کا گہوارہ و سرچشمہ ہے۔''(۱)

یہ ایک سرسری جائزہ تھا؛ جو ابنائے دارالعلوم کی تصنیفی کاوشوں کی طرف کسی قدر رہنمائی کرتی ہے۔ جیسا کہ ذکر کیا گیا کہ یہ صرف سو سالہ تاریخ کی مختصر ترین فہرست ہے۔ ان اکابر علماء کے علاوہ متعدد ایسے ادباء، مورخین اور صحافی دارالعلوم نے پیدا کیے ہیں؛ جن کے زور قلم کا اعتراف علمی دنیا نے کھل کر کیا۔ آج بھی دارالعلوم کے چشم صافی سے سیراب ہونے والے اپنے خون جگر سے دین حنیف کی آبیاری کرنے میں دن ورات مصروف ہیں، ان کا قلم دین کی حفاظت، ناموس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے دفاع میں شمشیر برہنہ ہے۔ فرزندان دارالعلوم مختلف علوم وفنون کے گلشن کی سیرابی کا سامان آج بھی کر رہے ہیں، ان کے قلم کی موسلا دھا بارش کوہ دمن پر برس رہی ہے، اور ان شاء اللہ کبھی ان کا قلم تعب وتھکن سے آشنا نہ ہوگا، علم کی نئی نئی وادیاں ان کے زیر نگیں آتی رہیں گی، یہ دیوانگان علم وفن، فکر ونظر کی نئی نئی راہیں کھولتے رہیں گے، کیوں کہ ان کا مشن ہے ''ہم پرورش لوح وقلم کرتے رہیں گے'' تا آں کہ رب ذوالجلام کائنات کی بساط لپیٹ دے۔

آیئے اب ہم فرزندان دارالعلوم دیوبند کی عربی زبان وادب کی خدمات پر کسی قدر تفصیل سے گفتگو کا آغاز کرتے ہیں۔ ہمارے مقالے کا یہ حصہ دو فصلوں پر مشتمل ہے۔ پہلی فصل میں ابنائے دارالعلوم کی نثر نگاری کا جائزہ پیش کیا جائے گا، جب کہ دوسری فصل فضلائے دارلعلوم کی شاعری کے لیے خاص ہے۔

ابنائے دارالعلوم کی عربی نثر نگاری:

ابنائے دارالعلوم کی عربی نثر نگاری کا بڑا حصہ متاخرین فضلاء کی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ ماضی قریب میں دارالعلوم سے فارغ ہونے والے طلباء وعلماء نے متقدمین کے مقابلے نثر نگاری پر زیادہ توجہ دی۔ قرآن وحدیث کی زبان کی ترویج واشاعت، ادبی ذوق کو پروان چڑھانے کی غرض سے ابنائے دیوبند نے متعدد عربی کتابیں لکھیں۔ عربی مجلّات اور اخبار جاری کیے، عصری اسلوب میں عربی مقالات ومضامین تحریر کیے، ان کے یہ مقالات برصغیر اور عرب دنیا کے ممتاز مجلّات میں شائع ہوئے۔ عرب علماء نے کھل کر ان کی نثر نگاری اور علمی اسلوب کی داد دی۔ ہاں اگر شاعری کی بات کی

---

(۱) تاریخ دارالعلوم، محبوب رضوی، ج ۱، باب ۱۰

جائے تو متقدمین اس میں بہت آگے ہیں۔موجودہ دور یا ماضی قریب سے تعلق رکھنے والے چند گنے چنے ہی ایسے افراد ہیں؛ جنہوں نے قافیہ وردیف کے میدان میں طبع آزمائی کی۔دارالعلوم دیوبند کا جو کچھ بھی شعری سرمایہ ہے وہ سب متقدمین کی رہین منت ہے۔شاید متقدمین کے یہاں انشاء پردازی اور نثر نگاری کو کوئی اہمیت حاصل نہیں تھی۔کلاسیکی نثر نگاری کی بات کی جائے تو متقدمین کے چند رسائل ،مختلف کتابوں پر ان کی تقاریظ ،ادب عربی کے چند مجموعے اور کتابوں پر مقدمے کے علاوہ کچھ زیادہ سرمایہ نظر نہیں آتا۔اسی طرح متقدمین فضلائے دارالعلوم نے ادب اور فنون لطیفہ کی طرف بہت کم توجہ دی۔ان کی قلمی کاوشوں کا محور صرف علوم اسلامی رہے،بطور خاص علم حدیث، اصول حدیث ،فقہ ،اصول فقہ،تفسیر ،اصول تفسیر،علم کلام اور فلسفہ رہا ہے۔لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ وہ علمی اور فنی نثر نگاری اور انشاء پردازی پر قادر نہیں تھے؛ گوکہ ان کی اس میدان میں کتابیں کم ہیں؛لیکن جتنا کچھ بھی ان کا نثری سرمایہ موجود ہے وہ اعلیٰ درجہ کی انشاء پردازی اور نثر کی نمائندہ تحریریں ہیں۔ڈاکٹر زبیر احمد فاروقی (۱) تحریر کرتے ہیں:

”ولكن هذا لايعني أنه كانت تنقصهم القدرة علىٰ الإنشاء والكتابة با لنثر العلمي والفني، فآثارهم من النثر وإن كانت قليلة تدل دلالة واضحة علىٰ قدرتهم الممتازة في هذا المجال أيضاً، وما هو السبب في عدم تواجد آثار كثيرة لهم في النثريا ترىٰ ؟ الواقع أن

---

(۱) عربی زبان وادب کے ممتاز اہل قلم،کالم نگار،جامعہ ملیہ اسلامیہ کے پروفیسر ڈاکٹر زبیر احمد فاروقی کی ولادت جون پور کے صبر حد نامی گاؤں میں 10 ستمبر 1943ء میں ہوئی۔آپ کا تعلق ایک علمی خانوادہ سے ہے۔ابتدائی تعلیم مدرسہ فاروقیہ میں حاصل کی۔ثانوی تعلیم مدرسۃ الاصلاح اعظم گڑھ میں مکمل کی۔1955ء کو دارالعلوم دیوبند تشریف لائے ،شیخ معراج الحق ،مولانا انظر شاہ کشمیری، شیخ نصیر احمد خان اور دیگر اساتذہ سے حدیث اور عربی زبان وادب کے علاوہ دیگر علوم وفنون کی کتابیں پڑھیں۔1961ء میں فارغ ہوئے۔کچھ دنوں مجلّہ دارالعلوم کے نائب ایڈیٹر رہے،بعد کو علی گڑھ مسلم یونیورسیٹی گئے،پھر دہلی تشریف لے آئے،پانچ سالوں تک مجلّہ ثقافۃ الہند کے ایڈیٹر رہے۔1976ء میں جامعہ ملیہ اسلامیہ میں عربی زبان وادب کے استاذ کے طور پر تقرری ہوئی۔1999ء میں انہیں عربی زبان وادب کی خدمات پر صدر جمہوریہ ایوارڈ سے سرفراز کیا گیا۔2008ء میں جامعہ سے ریٹائر ہونے کے بعد انڈونیشیا کی سوماترہ یونیورسیٹی میں بحیثیت مہمان پروفیسر کے عربی زبان ادب کی تدریس کی خدمت انجام دی۔آپ کی مشہور تصنیف مساهمة علماء ديو بند في الأدب العربي الى عام 1980ء ہے۔یہ کتاب اصل میں ان کی پی ایچ ڈی کا مقالہ ہے،جو انہوں ڈاکٹریٹ کی سند کے لیے پیش کیا تھا۔

السبب الرئيسي لهذا الأمر هو أن هؤلاء العلماء رأوا أن المواضيع الرئيسة لنثر العربى الأدبي أي القصة والرواية و التمثيلة لا تليق و شأنهم؛ ولذالك فإنهم ركزوا جل عنايتهم في النثر على المواضيع الدينية والعلمية فانتجوا فيها آثاراً يعترف بقيمتها جميع من لهم إلمام بهذه المواضيع في سائر أنحاء العالم الإسلامي ولم يعتنوا أي اعتناء بانتاج ما يعد من باب القصة و الرواية والمسرحية، ففي الوقت الذي كانوا يملكون فيه قدرة موفورة على الإنشاء كان المجال الأدبي أمامهم محدوداً للغاية. (۱)

دارالعلوم دیوبند کے فرزندوں کی نثر نگاری کو درج ذیل حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ تصنیف وتالیف

۲۔ مقدمہ اور تقریظ

۳۔ رسائل اور محاضرات

۴۔ علمی مقالات

۵۔ سوانح

تصنیفات وتالیفات:

فضلائے دارالعلوم کے سیال قلم نے عربی زبان وادب کی لائبریری میں سینکڑوں وقیع علمی کتابوں کا اضافہ کیا؛ جو عباسی، اموی ادوار کی نثر کی یادیں تازہ کردیتی ہیں، بسا اوقات تو یہ گمان یقین کا درجہ حاصل کرنے لگتا ہے کہ ابنائے دیوبند نے جاحظ، ابن المقفع، بدیع الزماں ہمدانی وغیرہ کا قلم چھین لیا ہے۔ان میں بعض ضخیم ہیں، جب کہ بعض بڑی مختصر ہیں۔بعض کسی علمی موضوع پر ہیں، تو بعض تاریخ وسوانح سے تعلق رکھتی ہیں۔یہاں چند اہم کتابوں کا تعارف پیش کیا جاتا ہے جو عربی نثر نگاری کی نمائندہ ہیں۔یہ وہ کتابیں ہیں؛ جو علمی اسلوب میں انشاء پردازی اور فنی نثر نگاری کی تمام تر خوبیاں اپنے اندر سموئے ہوئی ہیں۔

---

(۱) مساهمة دارالعلوم بديوبند في الأدب العربي، ڈاکٹر زبیر احمد فاروقی، ص: ۲۵_۲۶، ط: دارالفاروقي، دهلي، ۱۹۹۰

۱۔ الهدية السنية في ذكر المدرسة الإسلامية الديوبندية.

یہ مختصر سا رسالہ علامہ ذوالفقار علی دیوبندی(۱) کی کاوش قلم کا نتیجہ ہے۔اس رسالے میں قیام دار العلوم کی تاریخ ،تحریک دار العلوم کے اثرات ، بانیان دار العلوم کی سوانح وغیرہ ہے۔مؤلف نے امام نانوتوی کی مدح میں ایک خوبصورت قصیدہ بھی کہا ہے۔اپنے قصیدے میں حضرت نانوتوی اور پنڈت دیانند سرسوتی کے تاریخی مناظرے کی بڑے حسین انداز میں تصویر کشی کی ہے۔اخیر شعر میں امام نانوتوی کی وفات کا مرثیہ ہے۔اسی طرح انہوں نے اپنے اس قصیدے میں دار العلوم کے سب سے پہلے صدر المدرس کے علمی کمالات کا ذکر جمیل بھی کیا ہے۔

اگر ادبی نثر نگاری کے فنی اصولوں کو سامنے رکھ کر اس مختصر رسالہ کا تجزیہ کیا جائے ،تو کسی کے لیے بھی یہ ممکن نہیں کہ وہ اس رسالہ کے انشائی اور تمثیلی اسلوب ،جدید عربی نثر نگاری کی خصوصیات

---

(۱) بلند پایہ شاعر وادیب ،دار العلوم دیوبند کے بانیوں میں سے ایک امام حریت حضرت شیخ الہند کے والد ماجد مولانا ذوالفقار علی دیوبندی بن فتح علی کی پیدائش دیوبند سہارنپور میں ہوئی۔

آپ نے استاذ العلماء حضرت مولانا مملوک علی سے دہلی کالج میں عربی ودرسیات کی تعلیم حاصل کی ،فراغت کے بعد دہلی کالج میں ہی استاذ مقرر ہوئے ،چند سالوں بعد محکمہ تعلیم کے ڈپٹی انسپکٹر کے عہدہ پر فائز ہوئے۔ ملازمت سے سبکدوشی کے بعد دیوبند ہی میں مجسٹریٹ کے عہدہ پر فائز کئے گئے۔

مولانا دیوبندی عربی زبان کے ممتاز ادیب اور بلند قامت شاعر تھے۔عربی زبان وادب سے محبت ان کی زندگی کا سرمایہ تھا،اس زبان کی ترویج وترقی میں آپ کے کارنامے قابل قدر ہیں،عربی زبان پر آپ کو مکمل دسترس حاصل تھی، دیوان حماسہ کی شرح تسہیل الدرایہ ،دیوان متنبی کی شرح تسہیل البیان،سبعہ معلقہ کی شرح شرح التعلیقات علی السبع المعلقات، قصیدہ بانت سعاد کی شرح ارشاد اور قصیدہ بردہ کی شرح عطر الوردۃ وغیرہ آپ کی علمی وادبی یادگار ہیں۔ان شروحات میں آپ نے عربی کے مشکل الفاظ ومحاورات کا سلیس اور بامحاورہ ترجمہ اور دل نشیں تشریح کی ہے،جس کی وجہ سے عربی ادبیات ہیں مشکل سمجھی جانے والی یہ کتابیں طلبہ کے لیے آسان ہوگئیں۔

فن معانی وبیان میں آپ کی تذکرہ البلاغۃ اور ریاضی میں 'تسہیل الحساب' اس کی فن میں بڑی اہم کتابیں ہیں۔

1307ھ میں آپ کے ژرف نگار قلم سے اکابر دار العلو دیوبند کے اوصاف کمالات اور دیوبند کی تاریخ پر ایک مختصر؛لیکن جامع اور خوبصورت رسالہ ''الهدیۃ السنیۃ في ذکر المدرسۃ لإ سلامیۃ الدیوبندیۃ'' وجود میں آیا۔اسے کتاب کیوں کہیئے یہ تو ادب عربی کا شہ پارہ ہے۔

1322ھ مطابق 1904ء کو دیوبند میں وفات ہوئی اور مزار قاسمی حضرت نانوتوی کے پہلو میں مدفون ہوئے۔(دیکھئے: تاریخ دار العلوم دیوبند،نزہۃ الخواطر،عبدالحئ لکھنوی)

سے انکار کرے۔ یہ رسالہ اعلیٰ ادبی اسلوب میں تحریر کیا گیا ہے۔آپ بھی شیخ ذوالفقار علی کے جولانی قلم کا مزہ لیجئے،آپ حضرت حاجی محمد عابد حسین (۱) کے پیکر زیبا کی تصویر لوح قرطاس پر کچھ اس طرح اتارتے ہیں:

”ورأس الكرام وهامة الشرف عين الجود وأنف الأنف وقلب السيادة؛ وكبد السعادة وسلم السواد والمجد، وغارب الفضل والرفد، وصدر الصدارة ويمين الطهارة، وراحة الأراحة و مرفق السياحة، ومعدة العلم والحكمة، وعضد العضد ومعصم العصمة، وأنامل عقد العويصات، وأسنان مفاتيح الأزمات، وزند الامتنان، ويد الاحسان، قد أسند إلى المعالي بلا تعريس وتدريج و أوب إلىٰ المكارم بغير تعويق وتعريج ، ذالک الشیخ الماجد السید محمد عابد“ (۲)

جب کہ دارالعلوم کے مدرسین کے ذکر میں ان کا قلم اس انداز میں ادب پارے بکھیرتا ہے۔

”ولله در مدرسيه فهم الملائكة في صور البشر، مستنيرة

---

(۱) حضرت سید عابد حسین دیوبندی دارالعلوم دیوبند کے بانیوں میں سے ایک ہیں،آپ کی پیدائش مغلیہ دور حکومت میں 1834ء میں ہوئی،قرآن کریم اور ابتدائی تعلیم کا آغاز 7 رسال کی عمر میں دیوبند میں کیا،پھر اعلی تعلیم کی غرض سے دہلی تشریف لے گئے لیکن والد صاحب کی ناسازی طبیعت کی وجہ سے تعلیمی سلسلہ چھوڑ کر دیوبند واپس آنا پڑا۔والد صاحب کے انتقال کی وجہ سے تعلیم چھوڑنی پڑی،تصوف وسلوک اور راہ طریقت کی منزلیں شیخ المشائخ حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکی کی فیض صحبت میں طے کیں،حضرت شاہ میاں راج قادری سوندھوی سے بھی آپ کو اجازت وخلافت حاصل تھی۔
آپ بڑے بے نفس اور ریا وشہرت سے دور رہنے والے بزرگ تھے،آپ کی سادگی واخلاق کی پاکیزگی کی مثال دی جاتی تھی۔آپ دارالعلوم دیوبند کے پہلے مہتمم تھے،آپ تین بار دارالعلوم دیوبند کے مہتمم رہے۔سب سے پہلے 1866ء سے 1867ء دوسری بار 1849ء سے 1871 تک اور تیسری بار 1890ء سے 1892ء تک دارالعلوم دیوبند کے مسند اہتمام پر فائز رہے۔
حضرت حاجی صاحب کی وفات 1912ء میں دیوبند میں ہوئی اور مزار قاسمی میں آسودہ خواب ہوئے۔
(دیکھئے:علماء حق کے مجاہدانہ کارنامے،سید محمد میاں دیوبندی،تاریخ دارالعلوم دیوبند،سید محبوب رضوی،کاروان رفتہ اسیرادروی)

(۲) الهدية السنية في ذكر المدرسة الإسلامية الديوبندية ،مولانا ذوالفقارعلي ديوبندي،ص: ۳،ط: مجتبائی پریس، دهلی

الوجوه كالشمس والقمر، مسكي الأخلاق كالعود والعنبر، نجوم الهداية والرشاد، أبرار، اتقياء، أخيار،أصفياء، أركان الدين وعمد اليقين، أصحاب التحقيق لا أرباب التلفيق، قوم لا يشقى بهم جليسهم، ولا يتوحش أنيسهم، هم للّٰه تعالىٰ وفود وجنود، سيماهم في أثرالسجود، أولائک حزب اللّٰه، ألا إن حزب اللّٰه هم المفلحون"(۱)

۲۔نفحۃ العرب:

شیخ الادب مولانا اعزاز علی (۲) کی یہ تالیف ادب عربی کی ممتاز کتابوں میں ہے۔آپ اپنے وقت کے ممتاز ادباء میں تھے،حتیٰ کہ بعض علماء نے انہیں اپنے وقت کا سب سے بڑا ادیب شمار کیا ہے۔کتاب کے مطالعہ سے صاحب تصنیف کے ادبی ذوق اور ادبیت کے معیار کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اس کتاب میں انوکھے اور خوبصورت اخلاقی کہاوتیں ہیں،امثال وحکم ہیں، پندو نصیحت کی باتیں ہیں۔اس کتاب نے علمی حلقوں میں اس قدر مقبولیت حاصل کی کہ مختلف مدارس

---

(۱) الهدية السنية ص:۱۱

(۲) ادیب وفقیہ شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی امروہوی کی پیدائش 1300ھ مطابق 1882ء کو شہر بدایوں میں ہوئی۔آپ شیخ الہند کے خاص تلامذہ میں تھے۔ بڑے ملنسار، خاکساری وتواضع کی تصویر ایک باکمال استاذ تھے۔آپ کا وطن امروہہ ضلع مرادآباد ہے۔آپ نے ابتدائی تعلیم شاہ جہاں پور میں حاصل کی، جہاں آپ کے والد جناب مزاج علی ملازمت کی غرض سے مقیم تھے۔مدرسہ عین العلوم شاہ جہاں پور میں مفتی کفایت اللہ دہلوی سے شرح وقایہ اور قاری شبیر احمد سے دیگر متوسطات کی کتابیں پڑھیں پھر دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے۔اور شیخ الہند کے درس میں شریک ہوئے۔ دورہ حدیث کی تکمیل شیخ الہند سے کی،مفتی عزیز الرحمٰن سے فتویٰ نویسی کی مشق کی 1321ھ مطابق 1903ء میں فارغ ہوئے۔شیخ الہند کے حکم پر مدرسہ نعمانیہ بھاگلپور بہار میں کئی سال تدریسی خدمات انجام دیں،پھر شاہ جہاں پور واپس آئے اور افضل المدارس کی بنیاد رکھی، یہاں تین سال تک تدریسی خدمات انجام دی۔ 1330ھ مطابق 1912ء دارالعلوم دیوبند کے مدرس مقرر ہوئے،مفتی عزیز الرحمٰن صاحب کی وفات کے بعد آپ دارالعلوم کے صدر مفتی کے عہدے پر فائز ہوئے۔

تقریباً نصف صدی تک دارالعلوم دیوبند میں تدریسی ،انتظامی ،فتویٰ نویسی کی خدمات انجام دیتے رہے۔ 1374ھ مطابق 1954ء میں جاں آفریں کے حوالہ کردی اور مقبرہ قاسمی میں آسودہ خواب ہوئے۔

کنز الدقائق،نورالایضاح،دیوان متنبی،دیوان حماسہ،پر آپ نے مفید اور بیش قیمت حواشی تحریر کیے،جوطلبہ اور اساتذہ کے لیے کسی علمی خزانہ سے کم نہیں ہیں۔ادب میں آپ کی کتاب نفحۃ العرب' دارالعلوم دیوبند اور برصغیر کے اکثر مدارس میں داخل نصاب ہے۔(دیکھئے: تذکرۃ الاعزاز۔ازانظر شاہ کشمیری)

اور یونیورسٹیوں میں داخل نصاب ہے۔اس کتاب کو اس مقصد کے پیش نظر لکھا گیا کہ طلبہ کو ایسی ادبی کتاب فراہم کی جائے جو غیر اخلاقی کہانیوں سے پاک وصاف ہو اور ان میں ذوق ادبی کے ساتھ ساتھ اسلامی شعور بھی بیدار کرے۔

مؤلف نے کتاب میں متعدد ایسے اسباق جمع کر دیئے ہیں؛ جو اسلامی اقدار و اخلاق کو مہمیز کرتے ہیں۔ یہ کہانیاں، مضامین اور کہاوتیں ابن عبدربہ (۱) کی ''العقد الفرید'' عبدالحیٔ بن عماد (۲) کی ''شذرات الذهب''، ابن خلکان (۳) کی تاریخ، ابوالفرج الاصفہانی

(۱) ابوعمرو بن احمد بن محمد بن عبدربہ کی پیدائش قرطبہ میں 10 رمضان المبارک 246ھ میں ہوئی۔ قرطبہ ہی میں بچپن گزرا اور یہیں مختلف علوم وفنون کے اساتذہ سے کسب فیض کیا۔ شعروسخن میں ابن عبدربہ اپنی نظیر آپ تھے۔ ابتداء غزلیہ شاعری کی، لیکن غزل سے طبیعت اکتا گئی، تو وعظ ونصیحت اور زہد وتقویٰ کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا۔ ان اشعار کے مجموعہ کا نام 'الممحصات' رکھا، وہ امراء اور والیان سلطنت کی مدح میں شعر کہتے، یہی ان کی کمائی کا ذریعہ تھا، لیکن ان کا سب سے بڑا کارنامہ ان کی تصنیف ''العقد الفرید'' ہے۔ یہ کتاب ایک انسائیکلوپیڈیا ہے، جس میں اس دور کے اسلامی ثقافت اور معاشرت وتمدن کا بڑی خوبصورتی سے احاطہ کرلیا گیا ہے۔ یہ کتاب اس دور کے اسلامی رسم ورواج، طور طریقے اسلامی شہروں کی ثقافت، رہن سہن اور کلچر سے مکمل واقفیت فراہم کرتی ہے۔ 18 رجمادی الاول 328ھ میں فالج کی مرض میں وفات پائی اور قرطبہ ہی میں مدفون ہوئے۔ أمثال العرب، سحر البیان، أبناء النور، طبائع النساء، وغیرہ ان کی اہم تصنیفات ہیں۔ (دیکھئے: نفح الطیب من غصن الأندلس الرطیب، جلد 1، از أبو العباس أحمد بن محمد، تاریخ علماء الأندلس، از ابن الفرضي ابوالولید عبداللہ بن محمد)

(۲) حنبلی فقیہ، مؤرخ، ادیب عبدالحیٔ بن احمد، ابن العماد العکری کی پیدائش 1623ء/1032ھ کو صالحیہ دمشق میں ہوئی۔ دمشق کے شیوخ سے کسب فیض کے بعد قاہرہ گئے اور ایک لمبی مدت قاہرہ میں گزاری۔ قاہرہ میں آپ نے شیخ سلطان مزاحی، شیخ شمس الدین بابلی، شیخ شہاب الدین قلبونی وغیرہ سے مختلف علوم وفنون کی کتابیں پڑھیں، پھر دمشق واپس آئے اور اپنی مسند درس بچھائی، ہزاروں طالبان علم نے ان سے استفادہ کیا۔ ان کے شاگردوں میں علامہ محمد امین بن فضل اللہ المحبی، شیخ عثمان بن احمد نجدی، شیخ مصطفیٰ حموی اور شیخ عبد القادر بصری جیسے معروف علماء ہیں۔ 1679ء میں حج کے لیے تشریف لے گئے اور مکہ مکرمہ میں وفات پائی۔ شذرات الذهب فی اخبار من ذهب (8 جلدیں) شرح متن المنتھیٰ فی فقہ الحنابلہ، تفسیر ابن عماد الحنبلی وغیرہ ان کی تصنیفات ہیں۔ (دیکھئے: الموسوعة العربية ترجمة ابن عماد حنبلي، از محمود ارناؤوط، الأعلام للزركلي: ۲۹۰/۳)

(۳) مؤرخ، ادیب، قاضی القضاۃ شمس الدین بن خلکان کا پورا نام احمد بن محمد بن ابراہیم بن ابوبکر بن خلکان ہے۔ آپ کی ولادت 22 دسمبر 1211ء میں ہوئی۔ گو کہ آپ کی ولادت اربیل میں ہوئی، لیکن پوری زندگی آپ نے دمشق میں گزاری۔ آپ دمشق کے بیس سالوں تک قاضی رہے، عہدہ قضا سے معزولی کے بعد دمشق کے مدرسوں میں تدریسی خدمات انجام دی۔ 661ھ/1282ء میں وفات پائی۔ دمشق کے جبل قاسیون میں مدفون ہوئے۔ آپ کی سب سے مشہور ==

(۱) کی ''الأغاني''، ابومحمد قاسم بن علی الحریر (۲) کی ''درة الغواص'' اور محمد بن شاکر (۳) کی ''فوات الوفیات'' وغیرہ جیسی مشہور ادبی کتابوں سے ماخوذ ہیں۔

۳۔ نفحۃ العنبر فی حیات الشیخ انور:

یہ کتاب کیا ہے، علامہ محمد یوسف بنوری کے زرف نگار قلم کی بکھیری موتیاں ہیں۔ علامہ

== کتاب ''وفیات الأعیان وأنباء أبناء الزمان'' ہے۔ یہ تراجم کی سب سے مشہور اور مستند بہترین کتابوں میں ہے۔ (دیکھئے: البدایۃ والنہایۃ: 17/588، از ابن کثیر، شذرات الذہب: 7/648)

(۱) ادیب، مؤرخ اور علم انساب کے ماہر ابوالفرج علی بن حسین بن محمد بن احمد کی ولادت 248ھ/ 897ء میں ہوئی۔ اصفہانی ایران کے رہنے والے ابولفرج شیعہ مذہب سے تعلق رکھتے تھے۔ انہوں نے خلفاء بنوامیہ کی ہجو بھی کی۔ ابوالفرج اصفہانی اپنے وقت کے بڑے ادبا میں تھے۔ وہ صف اوّل کے مؤرخ اور علم انساب کے ماہر تھے۔ ان کی سب سے مشہور کتاب ''کتاب الاغانی'' ہے۔ یہ کتاب 21/ جلدوں میں ہے۔ ان کی مقاتل الطالبین، زبان و ادب کا بیش بہا خزانہ ہے۔ ان دو کتابوں کے علاوہ أخبار القیان، أیام العرب، الإماء الشواعر، أدب الغرباء، الأخبار والنوادر وغیرہ ان کی اہم تصنیفات ہیں۔ علامہ ابوالفرج اصفہانی کی وفات 14/ذی الحجہ 256 / 20/نومبر 967ء کو بغداد میں ہوئی۔ (الفہرست لابن ندیم، ص 115)

(۲) تاریخ ادب عربی کے ممتاز ترین ادیبوں میں سے ایک، مقامات حریری جیسی مشہور ترین کتاب کے مصنف ابومحمد قاسم بن علی حریری بصری کی پیدائش 446ھ / 1054ء میں ہوئی۔ حریری ابھی اپنی کتاب مقامات کی تصنیف سے فارغ بھی نہیں ہوئے تھے، طلباء کا ہجوم ان کے گرد جمع ہوگیا اور اس کتاب کی نقلیں لینے لگے، کہا جاتا ہے کہ چند مہینوں ہی میں سات سو سے زائد نسخے پوری دنیا میں پھیل گئے۔ اس کتاب کو اتنی شہرت ملی کہ اندلس کے علما کی ایک جماعت خود حریری سے ان مقامات کو پڑھنے بصرہ پہنچی۔ حریری کے مقامات کی ادبی اہمیت اور قبول عام کا اندازہ اس سے لگایئے کہ بقول حاجی خلیفہ صاحب کشف الظنون پانچ سو سے زائد علمانے اس کی شرح لکھی۔ درجنوں اردو شروحات اس کے علاوہ ہیں۔ 6/رجب 516ھ/11 ستمبر 1122ء کو بصرہ میں آپ کی وفات ہوئی۔ (دیکھئے: سیر اعلام النبلاء: 19/460)

(۳) مؤرخ، کاتب محمد بن شاکر بن احمد بن عبدالرحمٰن الکتبی کی ولادت کی صحیح تاریخ معلوم نہیں ہوسکی، البتہ بعض لوگوں نے 686ھ/ 1287ء یا اس کے بعد ابن شاکر کی تاریخ پیدائش نقل کی ہے۔ آپ دمشق میں پیدا ہوئے ابن شحنہ، امام مزنی وغیرہ سے شرف تلمذ حاصل کیا، لیکن علم و فن میں کمال ذاتی مطالعہ سے حاصل کیا۔ ابن شاکر انتہائی غریب خاندان سے تعلق رکھتے ہیں، بعد کو آپ نے کتابت کا پیشہ اختیار کیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ پر مال و زر کے دروازے کھول دیے۔ ابن شاکر کا خط اتنا عمدہ اور نفیس ہوتا تھا کہ اس زمانہ کے مصنفین اور اہل علم اپنی کتابوں کی کتابت کی غرض سے قطار میں کھڑے رہتے تھے۔ کتابوں کی کتابت نے ان پر نہ صرف دولت کے دروزے کھولے؛ بلکہ علم کی بارش بھی برسا دی۔ فوات الوفیات، عیون التواریخ (6 جلدیں) روضۃ الأزھار في حدیقۃ الأشعار، وغیرہ آپ کی اہم تصنیفات ہیں۔ رمضان 764ھ اور ابن کثیر کی روایت کے مطابق 11/رمضان المبارک بروز شنبہ 764ھ کو آپ کی وفات ہوئی۔ (دیکھئے: تاریخ الأدب العربي: 3/789-788، عمر فروخ)

بنوری نے اپنے استاذ علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری کی علمی زندگی کی شرگزشت کوادب عربی کا گلدستہ بنا کر گلشن علم میں سجایا ہے۔ یہ کتاب علامہ بنوری کی انشاء پردازی، ان کی فنی مہارت، اسلوب و بیان، طلاقت لسانی، الفاظ وتعبیر پر گرفت کی بہترین مثال ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان کے سامنے خوبصورت اورانوکھے الفاظ کا سمندر بہہ رہا ہواور وہ حسب ضرورت اس سے پانی لے کراپنی کتابی گلشن کی آبیاری کرر ہے ہیں۔ کتاب اس انوکھے اسلوب میں لکھی گئی ہے کہ کتاب کے مطالعہ کے بعد ایک بڑے عرب عالم نے یہ اعتراف کیا:

"قرأت کتابک فسجدت لبیانک"

"میں نے آپ کی کتاب پڑھی اورآپ کے طرز نگارش کے سامنے سرنگوں ہوگیا" (۱)

اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ فنی طور پر کسی بھی طرح عباسی دور کے نثر نگاروں کے نثر سے کم نہیں ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جاحظ (۲) کا قلم بنوری کے ہاتھ میں گردش کرر ہا ہے۔ علامہ بنوری کو عربی زبان وادب پر مکمل قدرت حاصل تھی اوران کی طلاقت لسانی اس قدر مسحورکن تھی کہ مصر، حجاز، شام کے عرب علماء بھی ان کی سلاست پر ششدر اور حیران رہ جایا کرتے تھے، جبھی تو ایک عرب عالم نے شکوہ کیا:

---

(۱) مجلّہ بینات، کراچی، خصوصی شمارہ جنوری فروری ۱۹۷۸ص:۲۰۶

(۲) زبان وادب کے امام ابوعثمان عمرو بن بحر بن محبوب بن فزارہ اللیثی البصری کی ولادت 775ء میں تیسرے عباسی خلیفہ مہدی کے دور میں ہوئی۔ آپ کی تاریخ پیدائش بعض مؤرخین نے 150ھ بعض نے 159ھ اور بعض 163ھ بیان کی ہے۔ جاحظ کا تعلق انتہائی غریب خاندان سے تھا، شکل وصورت بھی کوئی خاص نہیں تھی، آنکھ میں بھینگا پن تھا، اسی مناسبت سے انہیں لوگ جاحظ کہتے تھے اوراسی نسبت سے وہ مشہور ہوگئے۔ جاحظ عباسی دور کے سب سے ممتاز ادیب بلکہ ائمہ فن میں تھے، انہوں نے 90 رسال سے زائد کی عمر پائی اور عباسی خلیفہ مہدی باللہ کے دور میں 225ھ میں وفات پائی۔ جاحظ نے یوں تو درجنوں کتابیں تصنیف کیں، لیکن اس کی شہرہ آفاق کتاب "البیان والتبیین"، "کتاب الحیوان اورالبخلاء ہے۔ اس کے علاوہ "کتاب الزرع والنخل"، "کتاب الفرق بین النبی والمتنبی"، "کتاب المعرفة"، "کتاب جوابات کتاب المعرفة"، "کتاب الرد علی أصحاب الإلہام"، "کتاب نظم القرآن"، "کتاب المسائل فی القرآن" وغیرہ اپنے موضوع پر بڑی قیمتی اوراہم ہے۔ (دیکھئے: تاریخ النقد العربی عند العرب، از ڈاکٹر عبدالعزیز عتیق، ص 334، فہرست ابن ندیم، از ابن ندیم بغدادی، ص 210)

"یا شیخ لست هندیاً؛ بل أنت عربي تخفیٰ نحلک العربي لمصلحة"

''شیخ آپ ہندوستانی نہیں ہیں،آپ تو عربی ہیں ،لیکن شاید آپ کسی مصلحت کی وجہ سے اپنی عربی شناخت چھپارہے ہیں''(۱)

علامہ بنوری کی نثر کے یہ نمونے دیکھئے اور عباسی دور کی نثر کا مزہ لیجئے:

"أما: بعد فهٰذه نفثات صدر وقطرات قلم ، بل عبرات عین و حسرات ألم، نهدیها إلیٰ علماء الأمة الحنفیة ولا سیما إلیٰ فضلاء الممالک الإسلامیة وأماثل البلاد العربیة لتصدع لهم بکلمات من کتاب حیاة رجل عظیم ضفت بأمثاله القرون وجادت بمثاله بعد دهور متطاولة.

کان برقا تألق في ساهرة الهند فأضاء ت منه أقطارها،وانبعث شعاعه إلی أکناف الدنیا فاستنارت منه أنجادها وأغوارها. فاشرئبت إلیه الأعناق واقنعت الرؤس وطمحت إلیه الأعین؛ فانطوٰی علی عجل وغادرهم سامدین حیاریٰ لا دراک لهم ولا حراک، هو الشیخ الإمام نسیج وحده نابغة دهره، إمام العصر إبن دقیق الأمة الحاضرة في دقة النظر ، إبن تیمیة عصره في الاستبحار والتغلغل في العلوم ، و عسقلاني الحدیث في الحفظ والإتقان، جرجاني البلاغة و سیبویه العربیة سیدنا ومولانا الشاه محمد أنور الکشمیري ثم الدیوبندي، طیب الله ثراه وجعل الجنة مثواه"(۲)

عنبر کی عطر بیزی اور خوشبو کے جھونکے سے اپنے تسکین ذہن ودل کا سامان کیجئے:

"کان للشیخ رحمه الله مبتکرات طبیعیة في الدرس ما یحار له العقول وتأخذ بمجامع القلوب والعقول، ولابدع فإنه کان محققاً ومتقنا في العلوم والمعارف کافة، فکان رحمه الله إذا أخذ في

(۱) مجلّہ بینات،کراچی خصوصی شمارہ جنوری فروری ۱۹۷۸ءص:۲۰۶

(۲) نفحة العنبر في حیاة إمام العصر الشیخ أنور ،علامہ یوسف بنوری،ص:ھـ، و،ط:المجلس العلمي کراچی،۱۹۶۹ء.

الإلـقـاء يـواصـل الكلام، فلا يتلعثم فيه ولا يتلجلج من غير أن يلحقه فتـور أو إحـجـام، ولـم يكن يفتقر إلىٰ استدراک، عثرة فـي اللفظ أو تـكـرار فـي الـنـطـق، ولا يتـخـلـله سكوت ولا حصر ولا بحر، فكان يـحـدر الـمسائل الدقيقة حدراً، ويسرد الـمباحث الأنيفة سرداً، تراه بـحـراً يـمـوج بـعـبابـه حتـىٰ تـعجز مهرة الكتاب عن ضبط كلامه و استيـعـابـه، يـنتقل حدسه من مسألة إلىٰ مسألة و من علم إلىٰ علم، و ينشـأ بينهـمـا تـنـاسبـاً ذقيق اللحام ويفرغه في بديع أسلوبه بحسن سبک و انسجام "(۱)

بنوری کا قلم جب اپنے استاذ اور مربی کی وفات حسرت آیات کا نقشہ کھینچتا ہے تو غم جاناں کو غم دوراں بنا دیتا ہے، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ دنیا بنجر بن گئی ہے، جہاں ہر طرف سناٹا ہے۔ نہ سانس کی آہٹ ہے، نہ زندگی کی رمق، اگر کچھ ہے تو صرف اشک بار آنکھیں، سسکیاں، ہچکیاں، نالہ، انہی الفاظ ہی کیوں کہیے یہ خون کے آنسو ہیں، جو قرطاس پر ٹپک پڑے ہیں:

"فيا حسرتي ويا أسفي رفعت عن أيدينا تلک الأمانة الإلٰهية وارتحل عنا الإمام الجليل الحائز لتلک المناقب الجليلة التي تأخذ بـمـجـامع القلوب، فطبق المفصل في كلّ ما حاول، و أراد و أصاب الـمـحـز في جميع ما يحاول ويراد، يتراء أي اليوم هذه الأثر أعز من الأبـلـق العقوق وأغرب من بيض الأنوق، فموت مثل هٰذا الإمام في مثـل هـذ العصر المجدب الذي لا يرجىٰ أن تحقق رأيات العلم على أمثاله داهية كبرىٰ و أمر جلل، لم تستغن الأمة عن نظرائه في العصور الـمـخـصبة الـرائـقة والأيـام الـمخضبة المؤنقة، فكيف في الأعصر الـمـمـحـلـة التـي لا مـطـمع بها لدفعة من غادية أوسارية ورشحة من صـبـب مدرار، فيا للأسف! خطب مفظع غشي الأمةالمحمديه، ورزء فادح جليل ما له من زوال، وإنفتاق في قصر العلم الشامخ الواسع ما يـخـال لـه ارتـقـاق و انـصـداع مـا له انشعاب، فلا جرم تصدعت به

---

(۱) نفحة العنبر، ص: ۹٦، ۹۷ ط: المجلس العلمي ڈابھیل

قلوب، وانشقت به أكباد، فأي ململة مفظعة تكون أدهىٰ منها، و أي رزية مدقعة كارثة تكون أكبر منها؛ لقد عظمت تلك الرزية الفاجعة وجلت"(۱)

نفحات:

یہ کتاب مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی شفیع صاحب کی نثر ونظم کا مجموعہ ہے۔اس کتاب میں جہاں متعدد قصائد، مرثیے وغیرہ ہیں؛ وہیں ایک طویل مقالہ عربی زبان کی اہمیت پر ہے۔اس کا اسلوب نہایت ہی دلکش اور جدید نثر نگاری کا نمائندہ ہے۔حضرت مفتی صاحب نے اپنے اس طویل مقالہ میں عربی زبان کی فضیلت سات طریقوں سے ثابت کی ہے۔متعدد آیات قرآنی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث، علماء و دانشوروں کے اقوال سے یہ ثابت کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے کہ عربی زبان دنیا کی تمام زبانوں سے بہتر اور افضل ہے؛ کیوں کہ یہی زبان قرآن اور حدیث کے علمی خزانے کے دروازے کھولتی ہے۔اس زبان کے بغیر اسلامی علوم میں مہارت ناممکن ہے۔انسان جب عربی زبان بولتا ہے تو گویا وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرشتوں اور اہل جنت کے مشابہ ہوتا ہے؛ انہوں نے دعویٰ کیا ہے کہ دنیا کی سب سے پہلی زبان عربی ہے۔

عربوں نے فصیح عربی کے ساتھ جو کھلواڑ کیا ہے،اس مبارک زبان کا تیہ پانچا کر کے، جو بگاڑ پیدا کی ہے،اس نے عربی زبان کی شکل وصورت ہی بدل کر رکھ دی ہے۔مبکراً اور بکرۃ باچے، قال، گال، الجنة الكنة، اجتمع، امكتمع اور نہ جانے کیا کیا گل افشانیاں کی گئیں ہیں؛ جسے ذوق سلیم قبول کرنے سے ابا کرتا ہے۔ان حالات سے برہمی کا اظہار کرتے ہوئے مفتی صاحب نے اس مقالے کے دوسرے حصے میں عربی زبان میں ''عامیہ'' کے استعمال کے نقصانات کا تفصیلی جائزہ پیش کیا ہے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ عرب کی عام بول چال کی زبان ''عامیہ'' فصیح عربی کی روح کو متاثر کر رہی ہے اور یہ عربی زبان ہی کا نہیں، بلکہ اسلام کا بھی نقصان ہے۔انہوں نے مقالہ کے اخیر میں اہل عرب سے اپیل کی ہے کہ وہ ''عامیہ'' زبان کا استعمال ترک کریں؛ کیوں کہ اس سے مستشرقین اور مغرب کو قرآن کریم کی زبان پر انگشت نمائی کا موقع ملتا ہے۔

---

(۱) نفحة العنبر، ص: ۹۶، ۹۷، ط: المجلس العلمي ڈابھیل

حضرت مفتی صاحب کا یہ مقالہ عصری اسلوب میں لکھا گیا اعلیٰ عربی نثر کا نمونہ ہے۔ ملاحظہ ہو مفتی صاحب کی دلکش تحریر:

"ومن الدواهي الحديثة أن العربية انقسمت في عصرنا هذا إلىٰ لغتين: لغة عربية فصيحة ، ولغة عربية عامية، فإنک كلما زرت في أسواق البلاد العربية أوطفت في سككها و أزقاتها رأيت الناس يتكلمون بعربية لا يكاد يستطيع الرجل الغريب أن يسميها عربية إلا بالتحكم، وهذه العربية إلا دعائية رائجة في العوام، بل سرىٰ هذا السم في الخواص وعلمائهم وأصحاب الدراسات وأصحاب الإذاعات، والمسئولون بأجمعهم يتكلمون بها و حرفوا العربية الفصيحة بوضع حروف أعجمية مقام الحروف العربية المستعذبة بألفاظ أجنبية مستنكرة، تراهم يحرفون القاف بالكاف[گ] الفارسية، وأهل مصر يبدلون الجيم بها ، ومنهم من يبدل الغين بها، وآخرون يبدلون القاف بالهمزة فيقولون للقريب "أريب" ويبدولون الثاء المثلثة (ث) بالتاء المثناة (ت) وأهل الشام يبدلون الجيم بالزاء الفارسية، يقولون الجنة "زنة" وكذا يمسخون الكلمات بتحرک السكنات وتسكين المتحركات فيقولون "منگال (Migal) مكا" من قال و "اِنت هندي" بد ل قولهم "أنت هندي" و يقولون للمقراض "مگس" .... وغيره ذالک مع ما ينكره العربي الصميم ويمجه الذوق السليم "(١)

مقالے کے اختتام پر آپ نے اہل عرب سے عامیہ کے استعمال سے اجتناب کی اپیل بڑے ہی دلکش اسلوب میں کی ہے:

"فالملتمس من ساداتنا أهل العروبة والعربية أنكم الأساتذة في هٰذه اللغة؛ ومنكم من تعلم فاقدروا قدر هٰذه النعمة الجسيمة. ونظفوها من دسائس أعداء الإسلام المستشرقين ، وجنبوها من

---

(١) نفحات، مفتی شفیع دیوبندی، ص: ١٦-١٧، ط: ادارہ المعارف، کراچی

اللغة العامية التي هي ذريعة لتحريف اللغة العربية الفصيحة وحرمان الأمة العربية من لغة القرآن وأحاديث الرسول صلى الله عليه وسلم وفهم معانيها.

وما كان لمثلي أن يتكلم بهذه الكلمة ولكن لما رأيت ضرر اللغة العامية أشد وأعظم ولا يزال يزداد و يشتد ورأيت عامة العرب لايكترثون لها؛ ألقي في روعي أن ألقي إليهم هٰذه الكلمات نصحاً لهم و للإسلام والمسلمين "(۱)

علمائے دارالعلوم کے نثری سرمایہ میں مقدموں اور تقریظوں کو بھی بڑی اہمیت حاصل ہے۔ متقدمین علماء دیوبند نے اپنی اور اپنے دوستوں کی کتابوں پر جو مقدمے اور تقریظات تحریر کئے ہیں، ان کی ادبی اہمیت سے کسی بھی ادب سناش کو انکار نہیں ہوسکتا۔ خالص ادبی کلاسیکی اسلوب میں عربی نثر کا ایک عظیم سرمایہ دارالعلوم کے فضلاء نے چھوڑا ہے۔ اگر ان تمام کا اختصار سے بھی جائزہ لیا جائے، تو اس کے لیے سینکڑوں صفحات چاہئے۔ صفحات کی تنگ دامنی اجازت نہیں دیتی کہ ان میں سے ہر ایک کا نمونہ پیش کیا جائے یا اس کا فنی حیثیت سے تنقیدی جائزہ لیا جائے، لیکن مناسب خیال ہوتا ہے کہ جن علماء دیوبند کے گہر بار قلم نے تقریظوں اور مقدموں کی شکل میں ادبی شہ پارے صفحہ قرطاس پر بکھیرے ہیں، ان کے اسماء یہاں ذکر کردیئے جائیں۔

دارالعلوم دیوبند کے بانی امام محمد قاسم نانوتویؒ (۲)، علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ، علامہ حبیب

(۱) نفحات، مفتی شفیع دیوبندی، ص: ۲۴-۲۵، ط: ادارہ المعارف، کراچی

(۲) کہکشان علم میں نہ معلوم کتنے ماہ وقمر اور انجم روز ہی کروٹیں لیتے ہیں، کتنے ہی شمس وقمر طلوع ہوتے ہیں اور اپنی ضیا پاس کرنوں سے جہل کی تاریکی کا پردہ چاک کرنے کے بعد ہمیشہ کے لیے روپوش ہوجاتے ہیں۔ اس دھرتی پر عبقری شخصیتوں کی کمی نہیں، صحابہ کی پرنور جماعت کے بعد بھی علم کا آفتاب نصف النہار پر رہا، زمانہ نے ہزاروں؛ بلکہ لاکھوں علم کے نیر تاباں کو افق پر چمکتے ہوئے کھلی آنکھوں سے دیکھا علم کی بستی بجتی رہیں اور اجڑتی رہیں۔ دہلی کا میکدہ علم جب ویران ہوا، تو حکیم رب کی حکمت نے ایک غیر معروف بستی نانوتہ سے ایک نا معلوم، بے نفس، سادگی اور فروتنی کے پیکر، علم وعمل کے پہاڑ، زمین پر اللہ کی حجت یا یعنی حجۃ الاسلام امام محمد قاسم کو اٹھایا اور دیوبند میں علم کا نیا گلشن آراستہ کرنے اور اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارتوں کی تکمیل کے لیے دارالعلوم کی بنیاد رکھوائی۔ ایک میکدہ اجڑا تو دوسرے میکدہ نے تشنگان علوم محمدی کو سنبھالا اور سہارا دیا، اسی سہارے کا نام داعی الی اللہ، متکلم اسلام، مبلغ دین حنیف، محدث، مفسر، فقیہ، مناظر، درویش باصفا، اسرار شریعت کے بحر ناپید کنار، حجۃ الاسلام محمد قاسم نانوتوی ہے۔ قاسم العلوم والخیرات امام محمد قاسم بن اسد علی ==

الرحمٰن اعظمی، مفتی محمد شفیع، مفتیٔ اعظم پاکستان، علامہ یوسف بنوری، علامہ بدر الدین میرٹھی، شیخ الادب مولانا اعزاز علی دیوبندی، مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی(۱)، مولانا ادریس کاندھلوی وغیرہم کے

== صدیقی نانوتوی کی ولادت 1248ھ مطابق 1833ء میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم اپنے وطن نانوتہ میں حاصل کی، دیوبند کے مکتب میں مولانا مہتاب علی سے کچھ کتابیں پڑھیں، پھر 1843ء کے آخیر میں دہلی تشریف لے گئے، تمام تر علوم استاذ الکل مولانا مملوک علی نانوتوی سے حاصل کیے، حدیث حضرت مولانا عبد الغنی مجددی سے پڑھی اور روایت کی اجازت حاصل کی۔ حضرت امداد اللہ مہاجر مکی کے دست حق پر بیعت کی اجازت وخلافت سے سرفراز ہوئے، خود حضرت مہاجر مکی کا آپ کے بارے میں ایک ارشاد آپ کی عظمت پر شاہد عدل ہے ''مولانا قاسم کی نظیر اسلام کے شاندار ماضی ہی میں مل سکتی ہے'' نیز ضیاء القلوب میں لکھتے ہیں: ''انقلاب کا رنگ بھی قابل دید ہے، کہ ان دونوں صاحبوں (مولانا قاسم نانوتوی اور مولانا رشید احمد گنگوہی) نے مجھ سے بیعت کی، حالاں کہ مجھے ان سے مرید ہونا چاہئے تھا''، مرشد کا یہ ارشاد اپنے مرید کے بارے میں ان کے علمی وعملی کمالات کا پاکیزہ اعتراف ہے۔ آپ کا سب سے عظیم کارنامہ دار العلوم دیوبند کا قیام اور مدارس کی تحریک ہے۔ آپ نے اپنے رفقاء کے ساتھ 30رمئی 1866ء میں دار العلوم دیوبند کی بنیاد رکھی۔ یہی دار العلوم دیوبند ہے؛ جس نے آزادی کی تحریک برپا کی۔ برصغیر کا ہر مسلمان امام نانوتوی کا احسان مند ہے۔ صرف 47رسال کی عمر میں علم وعمل کا یہ آفتاب اور مجاہد آزادی 15راپریل 1880ء کو ہمیشہ کے لیے غروب ہوگیا۔ اور مقبرہ قاسمی میں آسودہ خواب ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے: سوانح قاسمی، مولانا مناظر احسن گیلانی، حجۃ الاسلا مولانا محمد قاسم نانوتوی حیات اور کارنامے، ازاسیر ادروی)

(۱) عثمانی خاندان گل سرسبد، ادیب، شاعر، مؤرخ، بے مثال منتظم، دار العلوم دیوبند کے مایہ ناز اور سرمایہ افتخار نائب مہتمم حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمان بن حضرت مولانا فضل الرحمٰن عثمانی کو اللہ تعالیٰ نے رجال سازی کا بہترین ملکہ عطا فرمایا تھا، آپ کی مکمل تعلیم دار العلوم دیوبند میں ہوئی، ابتدا سے انتہا تک تمام علوم وفنون دار العلوم دیوبند ہی میں حاصل کیے۔ آپ متبحر عالم دین اور عربی زبان کے بلند قامت ادیب وشاعر تھے۔ دار العلوم کی ترقی میں آپ کا کردار ناقابل فراموش ہے۔ 1300ھ مطابق 1883ء میں آپ دار العلوم سے فارغ ہوئے، 1325ھ مطابق 1907ء کو شوریٰ نے باصرار آپ کو دار العلوم دیوبند کا نائب مہتمم بنایا اور آپ کے حسن انتظام اور تدبر سے دار العلوم کا ترقیاتی سفر اپنے عروج کی طرف خرام گامی سے پا بہ رکاب ہوا، مولانا عثمانی کو دار العلوم دیوبند سے اس قدر محبت اور اس کے انتظام سے اتنا شغف تھا؛ کہ چند قدم کے فاصلہ پر گھر ہونے کے باوجود آپ کا قیام دار الاہتمام ہی میں ہوا کرتا تھا، 1344ھ مطابق 1925ء حضرت مولانا حافظ احمد صاحب اپنی پیرانہ سالی کی وجہ سے حیدرآباد کے مفتی اعظم کے عہدے سے سبک دوش ہوئے، تو آپ ریاست حیدرآباد کے مفتی اعظم مقرر ہوئے، آپ کے دل میں کتابوں کی محبت اور مطالعہ کا شوق ودیعت کر دیا گیا تھا، آپ کی معلومات بہت ہی وسیع تھی، آپ کے شعری مجموعے، قصیدہ لامیہ المعجزات، جس میں آپ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سو معجزات کو نظم کیا ہے، اس کے علاوہ ''اشاعت اسلام'' بڑی اہم کتاب ہے۔ یہ کتاب پانچ سو صفحات پر مشتمل ہے، آپ نے ان واقعات کو خوبصورتی سے جمع کیا ہے، جو اسلام کی ترقی اور اشاعت کا ذریعہ بنے، دوسری اہم کتاب ''تعلیمات اسلام'' اور سیرت ==

مقدمے اور تقریظیں ادبی اہمیت کے حامل ہی نہیں؛ بلکہ کلاسیکی نثر نگاری کی نمائندہ تحریریں ہیں۔

بعض فضلائے دار العلوم نے بلند پایہ خطوط نگاری کے ذریعہ بھی عربی نثر کو مالا مال کیا ہے۔ بعض محاضرات بھی ہیں؛ جنہیں عربی نثر نگاری کا عمدہ نمونہ کہا جا سکتا ہے۔ علامہ انور شاہ کشمیری، شیخ الاسلام مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی اور علامہ یوسف بنوری کی خطوط نگاری ہمیں جاہلی طرز نگارش کی یاد دلاتیں ہیں۔

علامہ حبیب الرحمٰن عثمانی کو عربی زبان و ادب پر کامل دسترس حاصل تھی۔ ان کا طرز نگارش جدید اور منفرد تھا۔ زبان میں سلاست، الفاظ کے نشست و برخواست کی درستگی، غریب اور عامیانہ الفاظ سے اجتناب ان کی نثر کا امتیاز ہے۔ عام فضلائے دیوبند کے برخلاف آپ کا اسلوب بڑا سہل، سادہ لیکن فصیح و بلیغ تھا۔ پر افسوس کہ انہوں نے عربی نثر پر خاص توجہ نہیں دی۔ ہمیں جو کچھ بھی ان کی نثری نمونے ملتے ہیں، وہ بس ایک استقبالیہ کی شکل میں ہے، جو انہوں نے علامہ رشید رضا مصری (۱) کے دار العلوم آمد کے موقع سے برجستہ پڑھا تھا۔ یہ خطبہ استقبالیہ بڑا دل آویز، دلکش، دلنشیں پیرایہ

== ''رحمۃ للعالمین'' ہے۔ آپ کا ''دیوان معین اللبیب فی جمع قصائد الحبیب'' ہے۔
4/رجب 1348ھ مطابق 7/نومبر 1929ء کی شب اس دار فانی سے رحلت فرمائی۔ (دیکھئے: تاریخ دار العلوم :2/233، از محبوب رضوی)

(۱) ادیب، مفسر اور دنیا کے نامور صحافی علامہ محمد رشید بن علی رضا کی پیدائش لبنان کے ساحلی شہر ''قلمون'' میں 27/جمادی الاولیٰ 1282ھ/23/ستمبر 1835ء کو ہوئی۔ آپ کے والد شیخ علی رضا قلمون کے ایک مسجد میں امام تھے۔ آپ نے وہیں حفظ قرآن اور قرأت کی تعلیم حاصل کی، پھر آپ طرابلس آئے اور مدرسہ رشیدیہ میں داخلہ لیا، یہاں ابتدائی تعلیم حاصل کی، بعد ازیں طرابلس ہی کے مدرسہ وطنیہ اسلامیہ میں داخلہ لیا اور عربی زبان، فلسفہ، طبعیات وغیرہ علوم و فنون حاصل کئے، شیخ رشید رضا مصری کی آئیڈیل شخصیت شیخ جسر تھے، آپ ان کے حلقہ درس میں شریک ہوئے، 1857ء میں رسمی تعلیم سے فراغت کے بعد درس و تدریس میں مشغول ہوئے۔ ساتھ انہیں ایام میں آپ علم حدیث علامہ محمود نشابہ سے پڑھا کرتے تھے۔ طرابلس کے ممتاز علما شیخ عبد الغنی رافعی، محمد قاوجی، محمد حسینی وغیرہ سے بھی آپ نے کسب فیض کیا۔

علامہ رشید رضا مصری کا شمار دنیا کے نامور مفکر اور داعیوں میں ہوتا ہے، آپ نے اپنی فکر و نظر کی اشاعت اور دعوت دین کے تبلیغ کی غرض سے مشہور مجلہ ''المنار'' کی بنیاد رکھی، جس کا پہلا شمارہ 22/شوال 1315ھ مطابق مارچ 1898ء میں شائع ہوا۔ آپ نے یہ مجلہ اپنے استاذ شیخ محمد عبدہ کی ادارات میں شائع ہونے والے مجلہ ''العروۃ الوثقی'' سے متاثر ہو کر نکالا تھا، اس مجلہ نے صحافتی اور علمی دنیا میں بے پناہ مقبولیت حاصل کی، حتیٰ کہ ایک دور آیا کہ علامہ رشید رضا مصری کی شناخت ہی ''المنار'' سے ہونے لگی، اس مجلہ کے زیادہ تر صفحات آپ ہی کے قلم گوہر بار سے ہوا کرتے تھے، آپ اپنی تحریروں ==

بیان اور کلاسیکی اسلوب میں لکھا گیا ہے۔ اس خطبہ استقبالیہ میں علامہ عثمانی نے دارالعلوم دیوبند کے پس منظر، اس کے مقاصد، علمائے دیوبند اور علمائے مصر کی فکری ہم آہنگی کا تذکرہ انتہائی خوبصورت اور دلکش اسلوب میں کیا ہے۔ آپ بھی سنئے اور اس مجلس میں حاضری درج کیجئے:

"إذا كان الضيف كريماً عظيم الشان رفيع القدر والمكان، و أن المولى حينما أكرمنا بالزيارة في أوائل دارنا وقعر بيتنا وشرّفنا بالقدوم أداءً لفريضة الأخلاق الإسلامية وإحياءً لما مضىٰ عليه السلف الصالح من رفع التكلفات، كان حقاً علينا أن نحتفل به احتفالاً رائعاً يليق بشأن ذلك السميدع البارع"(۱)

اس موقع پر علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے جو خطبہ پیش کیا تھا، وہ عربی ادب کا شاہکار ہے۔ خود علامہ رشید رضا مصری علامہ کشمیری کی طلاقت لسانی اور وفور علم پر عش عش کر اٹھے تھے، جس کی تفصیل آگے آیا چاہتی ہے۔

خطوط نگاری کی بات کی جائے؛ تو علامہ یوسف بنوری کے دو خطوں کے علاوہ فضلائے دارالعلوم کے دیگر عربی خطوط تک رسائی حاصل نہ ہو سکی۔ بہت ممکن ہے کہ اس کے علاوہ بھی دیگر خطوط موجود ہوں، لیکن مطبوعہ شکل میں منظر عام پر نہ آئے ہوں۔ اتنا تو یقینی ہے کہ علامہ انور شاہ کشمیری اور بعض دیگر ابنائے دارالعلوم اپنے دوستوں، شاگردوں اور اساتذہ کو خطوط عربی ہی میں لکھا

== کے علاوہ اس وقت کے مشہور مفکرین اور اہل علم کے مقالات اس میں شائع کیا کرتے تھے۔ علامہ رشید رضا کا مشن اللہ کے بندوں کی ہدایت اور ان کا رشتہ اللہ سے جوڑنا تھا، آپ مسلکی اختلافات کو ختم کرنے کے پرزور داعی تھے، آپ کے قلم گوہر بار سے متعدد تصنیفات وجود میں آئیں، مجلّہ "المنار" کے علاوہ آپ کی سب سے اہم علمی یادگار "تفسیر المنار" ہے؛ جس کا آغاز آپ کے شیخ محمد عبدہ نے کیا تھا، شروع سے سورہ نساء کی 125 رآیت تک کی تفسیر شیخ محمد عبدہ کی ہے، اس کے بعد سورہ یوسف تک علامہ رشید رضا نے تفسیر لکھی تھی کہ وقت موعود آپڑا، افسوس کہ یہ تفسیر مکمل نہ ہو سکی۔ علم و قلم اس کے شہوار کی وفات 23 جمادی الاولیٰ 1354ھ/22/ اگست 1935ء کو ہوئی۔ اور مصر میں مدفون ہوئے۔

آپ کی مشہور تصنیفات میں، تاریخ الإسلام، الشیخ محمد عبدہ، الوحي المحمدي، یسر الإسلام وأصول التشریع العام، الخلافة، الوھابیون والحجاز، ذکر المولد النبي، شبہات النصاریٰ وحجج الإسلام، السنة والشیعة، حقیقة الربا، مناسک الحج وغیرہ طلبا اور علما کے لیے بیش بہا علمی خزانہ ہیں۔ (دیکھئے: رشید رضا الامام المجاہد: ابراہیم العدوی، اعلام واصحاب اقلام، انور الجندی)

(۱) مساهمة دار العلوم بديوبند في الأدب العربي، ص: ۵۷

کرتے تھے، لیکن عام طور پر خطوں میں راز و نیاز کی باتیں ہوا کرتی ہیں، اس لیے انہوں نے اس کی اشاعت کے ذریعہ سے راز ہائے سربستہ کو عام کرنے سے اجتناب کیا ہو، لیکن جو دو خطوط علامہ یوسف بنوری کے مل سکے ہیں، وہ ادبی خطوط نگاری کا بہترین نمونہ ہیں۔ ایک خط علامہ یوسف بنوری کا اپنے بہت ہی قریبی دوست مولانا عبدالحق نافع (۱) کے نام ہے، جس میں واضح طور پر قدیم اسلوب کی پیروی نظر آتی ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہمدانی کا قلم عبارت آرائی کر رہا ہے۔ اس خط میں ایک دوست کی جانب سے ہدیہ کے حصول پر لکھتے ہیں:

''هذا وقد وصل إلىّ الروض الأنف في السادس عشر من شهر رمضان أرسله السمي المحترم لما استعرناه وقد أردت عند وصوله إلى أن أرسله إليكم من فوره ولكن لم ألاق من المعارف من يذهب نحوكم؛ فلذا وقع التسريف في الترسيل وحال بين عزمي عوائق التعجيل؛ وأردت هذا إيثاراً مني علمكم على علمي و لولا ذالک لما فعلت، فإنه علق مرغوب ولا يتطيب النفس بإخراج المطلوب'' (۲)

اپنے دوست مولانا عبدالحق نافع ہی کو اپنے دوسرے خط میں علامہ شبیر احمد عثمانی (۳) کی

---

(۱) آپ کے حالات جستجو کے باوجود نہ مل سکے۔

(۲) مجلہ البینات خصوصی شمارہ، کراچی، جنوری، فروری ۱۹۷۸ء ص: ۲۰۸

(۳) زبان و قلم کے بادشاہ، شاعر، انشاء پرداز، فقیہ، محدث، مفسر علامہ شبیر احمد عثمان بن مولانا فضل الرحمٰن عثمانی کی پیدائش 10 محرم الحرام 1305ھ مطابق 15 اگست 1887ء کو بجنور میں ہوئی، سات سال کی عمر میں قرآن مجید شروع کیا اردو و فارسی کی کتابیں مولانا محمد یاسین صاحب سے پڑھیں۔ 10 ربیع الثانی 1319ھ مطابق 24 نومبر 1901ء کو دار العلوم میں داخلہ لیا، 1325ھ مطابق 1907ء کو دار العلوم دیوبند سے فارغ ہوئے، آپ کا شمار حضرت شیخ الہند کے ممتاز تلامذہ میں ہوتا ہے۔ حضرت شیخ الہند سے بیعت کی اور اجازت حاصل ہوئی، فراغت کے بعد مدرسہ عالیہ فتح پور دہلی کے صدر مدرس ہوئے، 1328ھ مطابق 1910ء کو آپ کو دار العلوم بلا لیا گیا، یہاں عرصہ دراز تک علیا کی کتابیں پڑھائیں، آپ کے درس کا شہرہ تھا، مسلم شریف کا درس تو بے پناہ مقبول و مشہور تھا، حضرت نانا توی کے علوم پر آپ کو دسترس حاصل تھی، انتظامیہ سے اختلاف کی وجہ سے علامہ انور شاہ کشمیری اور مفتی عزیز الرحمٰن دیوبندی کے ساتھ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل سورت گجرات تشریف لے گئے، علامہ کشمیری کی وفات کے بعد 1932ء میں شیخ الحدیث مقرر ہوئے، 1354ھ مطابق 1935ء میں حضرت تھانوی اور دیگر اکابر کے اصرار پر دار العلوم تشریف لے آئے اور 1362ھ/ مطابق 1944ء تک صدر مہتمم کے طور پر خدمت انجام دیتے رہے۔ علامہ عثانی کا شمار علم و فضل، فکر و نظر، تدبر و فراست اور اصابت رائے ==

وفات پر اپنے اشک ہائے غم اس طرح بہاتے ہیں:

”لا ریب إن وفاته خطب جليل ورزية عظيمة أصيب بها العلم و أهل الإسلام خصوصاً الدولة الجديدة الإسلامية الشرقية، و قد تأثرتم بهٰذا النبأ المؤلم كما تأثرت. (۱)

ابنائے دار العلوم کی عربی زبان وادب میں نثری خدمات کا اہم سرمایہ مقالات ومضامین کی شکل میں موجود ہے۔ یوں تو دار العلوم سے فیضیاب ہونے والے علماء اور طلباء نے جو مقالات تحریر کئے ہیں، اس کا شمار ممکن نہیں ہے۔ نہ کسی کے لیے ان تمام مقالات تک رسائی حاصل کرنا اور اس کا فنی اور تنقیدی تحلیل وتجزیہ کرنا ممکن ہے۔ یہ مقالات ومضامین ہزاروں ہزار صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں؛ جس میں سے متعدد ممتاز عربی رسائل وجرائد میں عزت واحترام کے ساتھ شائع کئے گئے، جب کہ درجنوں مقالات خود عالم عربی سے شائع ہونے والے باوقار جرائد ورسائل کے صفحات کی زینت بنے۔ نہ صرف یہ کہ علمائے دیوبند نے عربی زبان میں مقالات لکھے؛ بلکہ متعدد عربی رسائل وجرائد بھی جاری کئے۔ فضلائے دیوبند کی عربی صحافتی خدمات کا دائرہ بھی بڑا وسیع ہے۔ عربی صحافت کا مؤرخ اسے فراموش نہیں کرسکتا، لیکن عربی صحافت کا ذوق اس دار کے متقدمین علماء کے یہاں نہیں پایا جاتا ہے۔ ممکن ہے کہ متقدمین نے عربی صحافت میں کچھ ہاتھ آزمائے ہوں اور ہوسکتا ہے حوادث زمانہ نے

== کے اعتبار سے دنیا کے چند مخصوص علماء میں ہوتا ہے۔

آپ زبان وقلم دونوں کے شہسوار تھے، اردو عربی دونوں زبانوں کی بادشاہت آپ کے حصہ میں آئی تھی۔ آپ بلند پایہ ادیب، سحر انگیز خطیب، نکتہ آفریں مصنف تھے، آپ اپنی تحریر وخطابت میں یکتائے روزگار تھے، علم الکلام، العقل والنقل، اعجاز القرآن، حجاب شرعی، الشهاب رجم الخاطب المرتاب وغیرہ آپ کی معرکۃ الآراء تصنیف ہے۔ حضرت شیخ الہند ترجمہ قرآن پاک کا حاشیہ جو تفسیر عثمانی کے نام سے مشہور ہے، بڑی قیمتی چیز ہے، آپ ہی کی کاوش کا ثمرہ ہے۔ آپ کی شاہکار کتاب ”فتح الملہم“، مسلم شریف کی پہلی حنفی شرح ہے۔

علامہ عثمانی ابتداء جمعیۃ العلماء کے ہم خیال تھے، لیکن متحدہ قومیت کے مسئلہ پر جمعیۃ العلماء کے نقطہ نظر سے اختلاف ہوا اور آپ مسلم لیگ میں شامل ہوگئے، آپ کا شمار بانیان پاکستان میں ہوتا ہے۔ رمضان المبارک 1366ھ مطابق 1947ء میں دستور پاکستان کے اجلاس میں شرکت کے لیے پاکستان تشریف لے گئے اور وہیں کے ہوکر رہ گئے۔

21 صفر 1369ھ مطابق 13 دسمبر 1949ء کو بہاول پور میں رفیق اعلیٰ سے جاملے اور کراچی میں آخری آرام گاہ بنی۔ (دیکھئے: تاریخ دار العلوم، از محبوب رضوی: 2/177)

(۱) مجلہ البینات خصوصی شمارہ، کراچی، جنوری فروری ۱۹۷۸ء ص: ۲۰۹

ان کے نشانات مٹا دیئے ہوں۔ اس کے فرزندوں کی عربی صحافت کا جو کچھ بھی سرمایہ ہے، اس کا آغاز ۱۳۷۴ھ مطابق فروری ۱۹۶۵ء سے ہوتا ہے۔ دارالعلوم دیوبند کے مایہ ناز فرزند، متعدد لغات کے مصنف، صاحب طرز ادیب مولانا وحید الزماں کیرانوی (۱) نے سہ ماہی ''دعوۃ الحق'' سے عربی صحافت کا آغاز کیا۔ ۱۹۶۵ء سے برابر یہ رسالہ ۱۹۷۲ء تک شائع ہوتا رہا۔ پھر اس کی جگہ پندرہ روزہ ''الداعی'' نے لے لی جو آج بھی پوری صحافتی اور ادبی امتیاز کے ساتھ شائع ہو رہا ہے۔

---

(۱) برصغیر کے ممتاز ادیب اور لغوی مولانا وحید الزماں کیرانوی مظفر نگر ضلع کے کیرانہ میں 17 رفروری 1930ء مطابق 1349ھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اور حفظ کی تکمیل اپنے وطن کیرانہ اور جھنجھانہ میں کی۔ حیدرآباد تشریف لے گئے اور وہاں علامہ مامون دمشقی سے عربی زبان و ادب کی تعلیم حاصل کی۔ 1367ھ مطابق 1948ء میں دارالعلوم میں داخلہ لیا، 1371ھ مطابق 1952ء میں دارالعلوم سے سند فراغت حاصل کی۔ آپ نے حدیث اور دیگر علوم وفنون کی کتابیں مولانا حسین احمد مدنی، علامہ ابراہیم بلیاوی اور مولانا اعجاز علی امروہوی وغیرہ سے پڑھی۔ مولانا وحید الزماں کیرانوی نے دارالعلوم دیوبند کی نشأۃ ثانیہ میں اہم کردار ادا کیا۔ ان کے دم سے دارالعلوم میں عربی بول چال اور عربی نثر کی بہار دوبارہ آئی۔ وہ ایک مایہ ناز استاذ اور مربی تھے، طلبہ ان سے بے پناہ محبت کرتے تھے اور وہ دن ورات طلبہ کی فکر میں گھلتے تھے۔ دارالعلوم دیوبند کے تاریخی صد سالہ اجلاس کی زیادہ تر تیاریاں آپ ہی کے دم سے بحسن خوبی انجام پائیں۔ کہا جاتا ہے کہ آپ مشینی انداز سے کام کرتے تھے۔ 1959ء میں عربی زبان کے شوقین طلبہ کے لیے دارالفکر کے نام سے ادارہ قائم کیا، اسی ادارہ سے عربی مجلہ ''القاسم'' کے نام سے ایک رسالہ جاری کیا۔ 1963ء میں وہ دارالعلوم کے استاذ ہوئے، 1965ء میں جب دارالعلوم نے اپنا عربی ترجمان ''دعوۃ الحق'' جاری کیا، تو آپ اس کے پہلے مدیر تھے۔ جون 1976ء میں پندرہ روزہ ''الداعی'' آپ ہی نے نکالنا شروع کیا تھا، جو آج بھی جاری ہے۔ آپ نے دارالعلوم میں تیس سالوں تک تدریسی خدمات انجام دی، آپ ہی نے دارالعلوم میں ''النادی العربی'' کی داغ بیل ڈالی، جمعیت العلماء ہند نے اپنا عربی اخبار ''الکفاح'' جاری کیا، تو آپ اس کے مدیر بنائے گئے۔ آپ نے دیوبند میں فضلاء دارالعلوم اور اکابر کی تصنیفات کو شائع کرنے کی غرض سے دارالمؤلفین کی بنیاد رکھی جہاں سے درجنوں کتابیں شائع ہوئیں۔ آپ 1983 سے 1985ء تک دارالعلوم دیوبند کے ناظم تعلیمات اور 1985ء سے 1987ء تک آپ دارالعلوم دیوبند کے معاون مہتمم رہے۔ 1990ء میں دارالعلوم سے سبکدوش ہوئے۔ 14 ذی قعدہ 1415ھ/1995ء کو دیوبند میں اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ مزار قاسمی میں مدفون ہوئے۔ آپ نے متعدد کتابیں لکھیں، جن میں ان کی لغتوں ''القاموس الجدید'' (عربی اردو، اردو عربی) القاموس الاصطلاحی، القاموس الوحید، کو بڑا قبول عام حاصل ہوا۔ القرائۃ الواضحۃ (تین حصے) نفحۃ الأدب، درس نظامی کے زیادہ تر مدرسوں کے نصاب کا حصہ ہیں۔ اس کے علاوہ جواہر المعارف (تین جلدیں) تقسیم الہند والمسلمون فی الجمھوریۃ الہندیۃ، جو دراصل احمد کاظمی کی کتاب ''تقسیم ہند اور مسلمان'' کا عربی ترجمہ ہے۔ آخرت کا سفر، شرعی نماز، اچھا خاوند، اچھی بیوی، وغیرہ آپ کی اہم تصنیفات ہیں۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے: وہ کوہ کن کی بات، از مولانا نور عالم خلیل امینی)

ہمارے لیے یہ موقع نہیں کہ ہم یہاں پر ان تمام مقالات ومضامین کا فنی اور تنقیدی جائزہ پیش کریں؛ جو مجلّہ دعوۃ الحق میں شائع ہوئے۔اس لیے یہاں چند اہم مقالات کی فہرست پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

المسلمون في الماضي والحاضر مجله دعوة الحق، ج:۷،ش: ۱

الإسلام غرض إيجابي مجله دعوة الحق، ج:۷،ش: ۱

حاجة الإنسان إلىٰ الدين مجله دعوة الحق، ج:۷،ش: ۱

إشراقة الإسلام في الهند مجله دعوة الحق، ج:۵،ش: ۳

ماذا ينشر الإسلام بالوحدة مجله دعوة الحق، ج:۶،ش: ۲

القرآن والاكتشافات الطبعية فى العصر الحديث مجله دعوة الحق، ج:۶،ش: ۲

الإسلام والشيوعية مجله دعوة الحق، ج:۸،ش: ۲

قضية المعارضين للدين في الميزان مجله دعوة الحق، ج:۸،ش: ۲

العالم الغرب في حاجة إلىٰ الإسلام مجله دعوة الحق، ج:۸،ش: ۲

النقائض الشعرية ومقوماتها في الجاهلية مجله دعوة الحق، ج:۵،ش: ۳

المناقضات بين الشعراء المسلمين والمشركين. مجله دعوة الحق، ج:۶،ش: ۱

اللغة العربية ومكانتها في العالم مجله دعوة الحق، ج:۷،ش: ۱

الشعر وعلا قته با لحياة مجله دعوة الحق، ج:۷،ش: ۱

ان مقالات کے علاوہ دسیوں تنقیدی مضامین شائع ہوئے، جن میں متقدمین اور متأخرین علماء کی ادبی کتابوں کا تنقیدی مطالعہ پیش کیا گیا۔مجلّہ کا اسلوب ادبی کلاسیکی ہے۔بطور مثال مجلّہ کے مدیر اعلیٰ مولانا وحید الزماں کیرانوی کی اسلوب نگارش کا یہ نمونہ ملاحظہ کیجئے، جس سے مجلّہ کے ادبی اسلوب کا یک گونہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے:

”حاجة الإنسان إلىٰ العلم كحاجته إلىٰ الروح فإن الجسم لا تجرى الحياة فيه مجرىٰ الماء في العود الأخضر إلا بالروح، و الروح لا تستمد حياتها وقوتها إلا با لعلم، والعلم للعقل كا لنور للعين، لايستغنى عنه الإنسان بحال، وقيمة المرء إنما تكون علىٰ قدرحظه من العلم كما أن منزلة الأمم إنما ترتفع علىٰ قدرنصيبها من

العلم ، فهو الذي يرقىٰ بالحياة يجعلها جديرة بأن ينعم بها الإنسان ويسعد، وبه يتسع العمران وتزدهر المدنية والحضارة.‘‘(۱)

مجلّہ الداعی:

دعوۃ الحق کی اشاعت بند ہونے کے بعد ۱۱ر رجب ۱۳۹۶ھ (۱۰ جولائی ۱۹۷۶ء) کو الداعی کا پہلا شمارہ منظر عام پر آیا۔ تب سے لگاتار یہ مجلّہ شائع ہو رہا ہے۔ یہ دارالعلوم کا ترجمان بھی ہے اور اس کی فکر کا پرچارک بھی۔ ملک ہی نہیں عالم عربی کے مجلّات میں بھی الداعی کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔ قارئین اس کے منتظر ہوتے ہیں، اس کے مضامین پوری دنیا میں عزت کی نگاہ سے دیکھے اور پڑھے جاتے ہیں۔ اس مجلّہ کے پہلے مدیر بھی مولانا وحید الزماں کیرانوی ہی تھے۔ ان دنوں ’’الداعی‘‘ ہندوستان کے ممتاز ادیب، دسیوں اردو عربی کتابوں کے مصنف مولانا نور عالم خلیل الامینی مظفر پوری(۲) کی ادارات میں عربی زبان و ادب کی خدمت انجام

---

(۱) مجلہ دعوۃ الحق، دیوبند، مدیر مولانا وحید الزماں کیرانوی، ج: ۱، ش: ۱، ص: ۱

(۲) ہندوستان کے معروف ادیب اور نستعلیق شخصیت کے مالک مولانا نور عالم خلیل امینی کی پیدائش 11؍ربیع الاول 1372ھ/ 18؍دسمبر 1952ء کو ہوئی۔ آپ کا وطنی تعلق بہار کے مظفر پور ضلع سے تھا، مولانا نور عالم خلیل امینی مایہ ناز نقاد، سوانح نگار، تذکرہ نویس اور عربی اردو کے ممتاز مصنف تھے۔ آپ چالیس سالوں تک عربی ادب کے استاذ اور ’’الداعی‘‘ کے ایڈیٹر رہے، آپ عربی، اردو دونوں زبان پر یکساں قدرت رکھتے تھے، آپ نے مدرسہ نور الہدیٰ پوکھریرا سیتامڑھی، مدرسہ امدادیہ دربھنگہ، دارالعلوم مئو، وغیرہ میں تعلیم حاصل کی۔ 16 شوال 1387ھ/ 20 دسمبر 1968ء کو دارالعلوم دیو بند میں داخلہ لیا۔ لیکن کچھ دنوں کے بعد دیوبند سے رخت سفر باندھا اور مدرسہ امینیہ دہلی پہونچے 1970ء میں یہیں سے سند فضیلت حاصل کی۔ آپ کے اساتذہ میں مولانا وحید الزماں کیرانوی، ومولانا محمد میاں دیوبندی، شیخ نصیر احمد خان، وغیرہ ہیں۔ فراغت کے بعد 1972 سے 1982 تک دارالعلوم ندوۃ العلماء کے استاذ رہے، قیام ندوہ کے دوران شیخ ابوالحسن علی حسنی ندوی اور شیخ محمد ثانی حسنی ندوی سے استفادہ کیا علی میاں کی صحبت نے ان کی عربی زبان دانی کو جلا بخشی، 1982ء میں مولانا وحید الزماں کیرانوی نے انہیں دارالعلوم بلالیا، دارالعلوم میں آپ نے ادب عربی کے استاذ کی حیثیت سے خدمت کا آغاز کیا، نیز ’’الداعی‘‘ کے ادارات بھی آپ کے ذمہ آگئی۔ عربی زبان وادب کی خدمات کے لیے انہیں صدر جمہوریہ ایوارڈ سے سرفراز کیا گیا۔ 20؍رمضان المبارک 1442ھ/ 3؍مئی 2021ء کو دیو بند میں اپنی رہائش گاہ پر آخری سانس لی۔ مولانا ارشد مدنی نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور مزار قاسمی میں آسودہ خواب ہوئے۔ عربی اور اردو زبان میں آپ نے تقریباً 60؍کتابیں تصنیف کیں۔ جن میں 11؍عربی اور 11 اردو مستقل تصنیفات ہیں، جب کہ 35؍کتابیں وہ ہیں؛ جن کا آپ نے عربی میں ترجمہ کیا۔ آپ نے حضرت تھانوی، حضرت مدنی علی میاں ندوی اور ==

دے رہا ہے(۱)۔ الداعی کے لکھنے والوں میں ملک اور دنیا کے ممتاز ادباء اور اہل قلم شامل ہیں۔ ''الداعی'' خبروں کی اشاعت اور خاص خاص مواقع پر خصوصی اشاعت کا بھی اہتمام کرتا رہا ہے۔ ''الداعی'' کا اسلوب ادبی، کلاسیکی ہے، اس کا امتیاز سہل نگاری ہے۔''الداعی'' کے اسلوب نگارش کا ایک نمونہ پیش کردینا مناسب خیال ہوتا ہے۔ چنانچہ ''الداعی'' کے سابق مدیر مولانا بدر الحسن قاسمی (۲) کے جولانئ قلم کا یہ انداز دیکھئے:

== مولانا منظور نعمانی کی اردو کتابوں کا عربی میں ترجمہ کیا۔ وہ کوہ کن کی بات، فلسطین کسی صلاح الدین کے انتظار میں، پس مرگ زندہ، رفتگان نارفتہ، کیا اسلام پسپا ہورہا ہے، حرف شیریں، عالم اسلام کے خلاف حالیہ جنگ، صحابہ رسول اسلام کی نظر میں وغیرہ آپ کی اردو تصنیفات ہیں۔ مفتاح العربیۃ، فلسطین في انتظار صلاح الدین، المسلمون في الھند، الصحابۃ ومکانتھم في الاسلام، الدعوۃ الاسلامیۃ، متیٰ تکون کتابات مؤثرۃ، تعلموا العربیۃ فإنھا دینکم، العالم الھندی الفرید الشیخ المقری محمد طیب، من وحی الخاطر وغیرہ آپ کی عربی تصنیفات ہیں۔ (دیکھئے: من وحی الخاطر)

(۱) اب مولانا نور عالم خلیل امینی بھی ملک عدم سدھار گئے، آج کل ''الداعی'' کے مدیر مولانا عارف جمیل قاسمی مدنی ہیں۔

(۲) ادیب وصحافی مولانا بدر الحسن قاسمی بن نظیر الحق دربھنگہ بہار کی ایک علمی بستی ریوڑھا میں 1374ھ مطابق 1954ء میں پیدا ہوئے۔

مولانا قاسمی نے ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں حاصل کی، بعد کو جامعہ رحمانی مونگیر تشریف لائے اور متوسطات کی تعلیم مکمل کی، پھر دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے۔1293ھ مطابق 1977ء میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی، تخصص فی الفقہ والافتاء میں داخلہ لیا، 1397ھ مطابق 1976ء میں مجلّہ ''الداعی'' کے مدیر مقرر ہوئے۔ اگلے سال 1398ھ مطابق 1977ء میں دارالعلوم دیوبند میں فقہ اور ادب عربی کے استاذ ہوئے۔

آپ نے متعدد بین الاقوامی اور قومی فقہی وعلمی سیمیناروں میں شرکت کی، آپ کے مقالات مضامین دنیا کے بڑے مجلّات وجرائد میں شائع ہوتے ہیں، پوری دنیا میں آپ کی تحریر شوق سے پڑھی جاتی ہے، آپ کا قلم اردو اور عربی دونوں زبانوں میں یکساں جوہر دکھلاتا ہے، آپ کی اب تک درجنوں کتابیں منصۂ شہود پر آچکی ہیں۔

مدۃ انتظار زوجہ المفقود، الاجارۃ الموصوفۃ في الذمۃ للخدمات الغیر المعینۃ، وجہ جدید للسلفیۃ (یہ کتاب الدیوبندیہ کے جواب میں لکھی گئی ہے) من أحکام أحوال الشخصیۃ للأ قلیات المسلمۃ وغیرہ آپ کی اہم علمی شاہکار ہیں، ان کے علاوہ سینکڑوں قیمتی علمی مقالات آپ نے تحریر کیے ہیں، آج بھی یہ سلسلہ جاری ہے، اللہ تعالیٰ حضرت قاسمی کی عمر میں برکت عطا فرمائے آمین۔

مولانا قاسمی 1402ھ مطابق 1981ء میں دارالعلوم دیوبند سے مستعفی ہوکر کویت تشریف لے گئے، اور ابھی بھی وہیں ادارہ شؤون الاسلامیۃ وزارات اوقاف سے وابستہ ہوکر علم دین وزبان وادب کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔

آپ فقہ اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے نائب صدر، المعہد العالی للتدریب فی القضاء والافتاء کے صدر ہیں، جامعہ امام محمد مسعود ریاض کے رکن ہیں۔

"وأصبحت البلاد الإسلامية تتدفق بالنظريات الوافدة و الأفكار المستوردة، وهي تزور الأمة في طبيعتها وعقيدتها و روحها، و أخذ المثقفون يؤمنون بالمبادي الشيوعية و الإشتراكية، حتٰى أن المناضلين الذين يكافحون لا سترداد حقوقهم يؤمن كثير منهم بالمبادي الشيوعية، رغم ما يكابدون من المشاق ، ويقاسون المرائر وتصيب بهم الخسائر الفادحة في الأموال والأنفاس، ولا هدف لهم من هٰذه التضحيات غير إقامة دولة علمانية لا صلة لها بالدين . (۱)

الکفاح:

جمعیۃ العلماء ہند کے عربی آرگن کا اجرا بھی مولانا وحید الزماں کیرانوی اوران کے تربیت یافتگان کی کاوش کا ثمرہ ہے۔ ۱۵؍روزہ ''الکفاح'' جمعیۃ علماء ہند کا ترجمان تھا۔ ۱۹۷۴ء میں پہلا شمارہ منظر عام پر آیا۔ اس کے بھی پہلے مدیر مولانا وحید الزماں کیرانوی ہی تھے۔ ''الکفاح'' کے لکھنے والوں میں زیادہ تر وہی لوگ تھے، جو''الداعی'' اور''دعوۃ الحق'' کے قلم کار تھے۔ مولانا بدر الحسن قاسمی، مولانا ابوبکر غازی پوری (۲)، نور عالم خلیل الامینی جیسے دسیوں ابنائے دار العلوم کے نگارشات مجلّہ کی زینت ہوا کرتے تھے۔ اس کا اسلوب بھی ''الداعی'' کے اسلوب ہی جیسا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ''الکفاح'' نے سیاسی مضامین کو بھی پوری اہمیت کے ساتھ جگہ دی۔ ہندوستانی اور بیرونی سیاست پر

---

(۱) الداعي، ج: ۲، ش: ٤، ص: ۳

(۲) حنفیت کے ترجمان مولانا ابوبکر غازی پوری بن مولی بخش انصاری 17 رشوال 1364ھ/15 رمارچ 1945ء کو غازی پور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ دینیہ غازی پور، متوسطات کی تعلیم احیاء العلوم مبارکپور اور مفتاح العلوم مؤ میں حاصل کی۔ دورحدیث کی تکمیل دار العلوم دیوبند سے کی، یہیں تکمیل ادب مولانا کیرانوی کی نگرانی میں کیا۔ مولانا فخر الدین مرادآبادی اور دیگر اساتذہ سے حدیث پڑھی، مدرسہ تعلیم الدین ڈابھیل، مظہر العلوم بنارس، سبیل السلام حیدرآباد میں تدریسی خدمات انجام دئے۔ بعد کو تدریسی زندگی سے کنارہ کشی اختیار کی اور اپنے وطن مکتبہ اثریہ کے نام سے ایک بڑا مکتبہ قائم کیا اور تصنیف وتالیف میں خود کو مشغول کرلیا۔ 15 رربیع الاول 1433ھ/8رفروری 2012ء میں دہلی میں انتقال ہوا۔ جنازہ غازی پور لایا گیا اور اپنے آبائی قبرستان میں محوخواب ہیں۔ مولانا غازیپوری نے متعدد کتابیں لکھیں، مسائل غیر مقلدین، غیر مقلدین کی ڈائری، آئینہ غیر ملقدیت، سبیل الرسول پر ایک نظر، صلاۃ الرسول پر ایک نظر، وقفۃ مع اللا مذہبیہ فی شبہ القارۃ الھندیۃ، اور کچھ دیر مقلدین کے ساتھ، وغیرہ آپ کی اہم کتابیں ہیں۔

اس کے قلم کاروں کی نگارشات عربی زبان وادب پر ان کی دسترس کو عیاں کرتا ہے۔

ابنائے دارالعلوم کی چند دوسری کتابیں:

ابنائے دارلعلوم نے عربی زبان وادب کی ترویج واشاعت کی طرف خاص توجہ دی اور ایسی کتابیں تیار کی جو غیرعربوں کو عربی زبان وادب سے قریب کر سکے۔ان میں اردو عربی ڈکشنریاں، صرف ونحو اور عربی قواعد کی کتابیں اور شروحات وغیرہ ہیں۔

فضلائے دارالعلوم نے متعدد لغات تصنیف کیے، جن میں چند اہم لغات- جس کو علمی حلقوں میں قبول عام حاصل ہوا- کا تعارف پیش ہے۔

مصباح الغات:

یہ ضخیم عربی اردو ڈکشنری ہے۔جس کے مصنف مولانا عبدالحفیظ بلیاوی قاسمی (۱) ہیں۔آپ نے انتہائی جاں فشانی سے المنجد کے طرز پر اس لغت کی تالیف کی ہے۔مصنف کا طریقہ ہے کہ پہلے وہ لفظ ذکر کرتے ہیں، پھر اس کا ماخذ اشتقاق۔واحد لفظ ہو تو اس کی جمع، جمع ہو تو اس کا واحد فعل ہو تو، ابواب وغیرہ اردو میں اس طرح بیان کرتے ہیں کہ کسی معمولی صلاحیت کے طالب علم کے لیے بھی لفظ کے اصل معنی تک پہنچنا آسان ہو جاتا ہے۔اس لغت کی مدد سے طلباء اور اساتذہ عربی عبارت کا حل آسانی سے کرلیا کرتے ہیں۔مصنف نے مقدمہ میں خود ذکر کیا ہے کہ انہوں نے اس ڈکشنری کی تیاری میں ابن منظور (۲) کی لسان العرب، زبیدی کی تاج العروس (۳) شرح القاموس المحیط،

---

(۱) دارالعلوم دیوبند کے مایہ ناز فرزند، فن لغت کے ماہر مولانا ابوالفضل عبدالحفیظ بلیاوی کی وفات 26/جولائی 1971ء کو ہوئی۔مولانا کی خلوت پسندی اور شہرت وریا سے دوری کی وجہ سے ان کے زیادہ تر حالات پردہ راز ہی میں رہ گئے۔مولانا کا عظیم کارنامہ ان کی مشہور زمانہ تصنیف ''مصباح اللغات'' ہے۔یہ لغت پچاس ہزار سے زیادہ الفاظ کا مجموعہ ہے، آپ نے تاج العروس، جمہرۃ اللغۃ، اُقرب الموارد، قاموس کتاب الافعال، تاج اللغات، مفردات امام راغب، مجمع البحار، منتھی الأدب، اور المنجد جیسی کتابوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے تصنیف فرمائی، مولانا کی یہ کتاب مأخذ کا درجہ رکھتی ہے۔مولانا بلیاوی نے یہ کتاب ایسی زمانہ میں لکھی؛ جب عربی اردو لغت کی کوئی دوسری کتاب موجود نہ تھی۔

آپ نے ایک عرصہ تک مدرسہ مصباح العلوم بریلی میں تعلیم دی، پھر ندوۃ العلماء تشریف لے آئے اور تقریباً 23 سالوں تک ادب، حدیث وفقہ کا درس دیا۔

(۲) ادیب، مؤرخ، لغوی، فقیہ محمد بن مکرم بن علی ابن منظور انصاری کی ولادت محرم 630ھ/1232ء میں ==

== تیونس یا طرابلس میں ہوئی۔ مصر میں تعلیم حاصل کی، قاہرہ کے ''دیوان انشا'' میں کچھ دنوں تک ملازمت کی۔ پھر طرابلس کے قاضی بنائے گئے۔ آخری عمر میں بینائی سے محروم ہو گئے۔ شعبان 711ھ/1311ء میں مصر میں وفات پائی۔ علامہ ابن منظور نے متعدد ادب عربی کے کتابوں کی تلخیص کی، ابن حجر نے تو ان کے بارے میں یہاں تک کہا ہے کہ وہ ادب کی ضخیم کتابوں کی تلخیص کے امام تھے۔ ان کی سب سے مشہور تصنیف ''لسان العرب'' ہے، جو بیس ضخیم جلدوں میں ہے۔ یہ کتاب لغت کی انسائیکلو پیڈیا ہے۔ آپ کی دیگر تصانیف میں مختارات الأغاني (مختصر لکتاب الأغاني للأصفهاني) مختصر تاریخ بغداد، ابن عساکر کی تاریخ دمشق کا خلاصہ لکھا، مختصر مفردات ابن البیطار، مختصر القعد الفرید لابن عبدہ ربہ، مختصر زہر الأدب للحصري، مختصر الحیوان للجاحظ اور أخبار نواس وغیرہ اہم ہیں۔ (دیکھئے: الأعلام للزرکلی: 1/108)

(۳) علامہ سید مرتضی حسینی زبیدی کا پورا نام محمد بن محمد بن عبدالرزاق حسینی زبیدی ہے۔ آپ بلگرام میں 1145ھ مطابق 1732ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے شہر میں حاصل کی، پھر دہلی تشریف لائے، اور فاخر بن یحیٰ اور امام ولی اللہ محدث دہلوی کے حلقہ درس میں شامل ہوئے۔ ان سے علم حدیث حاصل کیا، پھر یمن تشریف لے گئے اور زبید میں قیام کیا، اسی نسبت سے آپ کو زبیدی کہا جاتا ہے، پھر حجاز گئے، وہاں کے اہل علم سے کسب فیض کیا اور عراق کے شہر واسط کو اپنا وطن بنایا۔

1167ھ میں مصر تشریف لے آئے، اور خانہ صاغہ میں قیام کیا، یہیں اپنی مسند درس سجائی، کچھ دنوں میں آپ کے علم کا شہرہ سن کر مخلوق خدا آپ کے حلقہ درس میں ٹوٹ پڑی۔ بڑے بڑے علماء و مشائخ نے آپ سے کسب فیض کیا۔ علامہ سید علی مقدسی حنفی مصری اور شیخ احمد الملوی، علامہ جوہری جیسے بڑے بڑے صاحب علم و فضل نے آپ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ ایک دور آیا کہ آپ کے علم و فضل کا چرچا ہر خاص و عام کی زبان پر تھا مصر کے قیام کے دوران متعدد بار آپ نے ''صعید'' کا سفر کیا، جہاں آپ کی بڑی بڑی مجلسیں آراستہ ہوئیں، جن سے تشنگان علم نے اپنے تشنگی کا سامان کیا، آپ کے علم و فضل کا اندازہ علماء کے ان اقوال سے لگایا جاسکتا ہے جو آپ کی شان میں کہا گیا ہے۔ مشہور محدث علامہ عبدالرحمن کزبری نے آپ کو امام المسندین اور خاتم المحدثین کا خطاب دیا، تو علامہ زرکلی کا بیان ہے کہ مغرب میں یہ بات مشہور تھی کہ جس نے حج کیا اور علامہ زبیدی سے شرف ملاقات حاصل نہ کر سکا، تو اس کا حج ہی نہ ہوا، حافظ عبدالسلام ناصری آپ کے الفیہ پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آپ کی یہ کتاب بے نظیر ہے، محمد بن ابراہیم فنی نے آپ کی سوانح ''الجوهر المحسوس في ترجمة صاحب قاموس'' کے نام سے لکھی ہے۔

آپ نے شعبان 1205ھ میں مسجد کردی میں نماز جمعہ ادا کی، ابھی جمعہ کی نماز سے فارغ ہی ہوئے تھے کہ طاعون کے مہلک مرض نے آدبوچا اور اسی مرض میں اتوار کے دن علم لغت کا یہ آفتاب ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا۔

علامہ زبیدی کا شمار زبان و ادب، لغت، اسماء رجال اور فن انساب کے ائمہ میں ہوتا ہے۔ آپ کی سب سے مشہور کتاب جواہر القاموس کی شرح ''تاج العروس'' ہے۔ جو لغت میں سند کا درجہ رکھتی ہے، آپ نے امام غزالی کی شہرہ آفاق کتاب ''احیاء علوم الدین'' کی شرح بھی لکھی، یہ شرح 11 رسالوں میں مکمل ہوئی، دس جلدوں میں یہ شرح اتحاف السادہ المتقین في شرح إحياء علوم الدين'' کے نام سے متعدد بار شائع ہو چکی ہے۔ ان دو کتابوں کے علاوہ ''أسانيد الكتب الستة''، عقود الجواهر المنيفة في أدلة مذهب الإمام أبي حنيفة (دو جلدیں)، کشف اللثام عن آداب الإيمان والإسلام، ==

الشرتونی(۱) کی أقرب الموارد ،امام راغب کی مفردات(۲)،ابن اثیر(۳) کی ''أساس

== رفع الشکوۃ وترویح القلوب فی ذکر ملوک بنی أیوب، ألفیۃ سند فی الحدیث، اس میں آپ نے حدیث کی سندوں کو نظم کیا ہے۔ یہ پندرہ سو اشعار ہیں اور اس کی شرح بھی آپ نے خود فرمائی، التکملۃ والصلۃ والذیل لما فات صاحب القاموس من اللغۃ، (دو ضخیم جلدیں) جزوۃ الاقتباس فی نسب بنی عباس اور غایۃ الابتھاج لمقتفی أسانید مسلم بن الحجاج وغیرہ آپ کی علمی وقلمی یادگار ہیں، جو محققین، علماء اور طلبہ کے لیے حوالے اور سند کا درجہ رکھتی ہیں۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے: الاعلام للزرکلی جلد 7، الموسوعۃ العربیۃ وغیرہ)

(۱) لغوی، صحافی، رشید بن عبد اللہ بن مخائل الخوری الشرتونی کی پیدائش 1864ء میں لبنان کے شہر شرتون میں ہوئی۔ انہوں نے عربی، سریانی اور فرنچ مدرسہ مارعبدہ میں سیکھی۔ بیروت کے ایک مطبع میں ایک عرصہ تک مترجم کی خدمات انجام دیے، ایک زمانہ تک جریدہ ''البشیر'' کے ایڈیٹر رہے، انہوں نے متعدد نصابی کتابیں بھی لکھی ہیں۔ جس میں سلسلۃ المبادی اللغۃ العربیۃ کو بڑا قبول حاصل ہوا۔ 43 رسال کی عمر میں 1907ء میں بیروت میں وفات پائی۔

ان کی تصنیفات میں ''مبادی العربیۃ فی الصرف والنحو، ریحانۃ الأذھان، کتاب التوفیق بین العلم وسفر التکوینیۃ، نھج المراسلۃ، تاریخ لبنان، منارۃ الأقداس وغیرہ بڑی اہم ہیں، جب کہ ان کی سب سے مشہور کتاب ''أقرب الموارد فی فصیح العربیۃ والشوارد'' (تین جلدوں میں)، جو لغت کی بنیادی مراجع میں سمجھی جاتی ہیں۔ (دیکھئے: الأعلام الشرقیۃ الرابع عشر الھجری: 3/1015، از زکی محمد مجاہد، مطبوعہ بیروت)

(۲) مفسر، ادیب علامہ راغب اصفہانی کا وطنی تعلق اصفہان سے تھا، لیکن پوری زندگی بغداد میں گزاری، انہوں نے تفسیر اور بلاغت میں متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ گوکہ آپ راغب اصفہانی کے نام سے مشہور ہیں، لیکن اصل نام حسین بن محمد بن مفضل تھا۔ بعض محققین کا خیال ہے کہ وہ شیعہ تھے، بلکہ بعض نے انہیں معتزلی کہا ہے، علامہ زرکلی کہتے ہیں کہ انہیں اتنی شہرت ملی کہ لوگ انہیں امام غزالی کا ہم پلہ قرار دینے لگے۔ المفردات فی غریب القرآن، محاضرات الأدباء، الذریعۃ إلی مکارم الشرعیۃ، أخلاق الراغب، جامع التفاسیر، حل متشابہات القرآن، وغیرہ ان کی اہم ترین تصنیفات ہیں۔ (دیکھئے: الأعلام للزرکلی، کتاب أعیان الشیعیۃ: 220/27)

(۳) چھٹی صدی کے ممتاز مؤرخ اور محدث علامہ عزالدین ابوالحسن بن محمد بن عبدالکریم الجزری الشیبانی کی ولادت 12 مئی 1160ء/ 4 جمادی الآخر 555ھ میں ہوئی۔ آپ نے حدیث، فقہ، تاریخ، اصول فقہ، فرائض، قراءت اور دیگر علوم وفنون کے لیے بہت سے اسفار کیے اور اپنے وقت کے ائمہ فن سے کسب فیض کیا، حصول علم کے لیے بغداد، شام، فلسطین وغیرہ بھی اسفار کیے اور اخیر میں موصل کو اپنا وطن بنایا اور آپ نے پوری زندگی تصنیف وتالیف میں گزاری اور تادم آخران کا قلم تاریخ نویسی اور سیرت نگاری میں سرپٹ دوڑتا رہا، فن اسماء رجال میں ان کی شہرہ آفاق کتاب ''أسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ'' محققین کا مرجع ہے، اس عظیم الشان کتاب نے ساڑھے سات ہزار صحابہ کے حالات زندگی درج ہیں۔ انہوں نے علامہ سمعانی کی کتاب ''الانساب'' کی بھی تلخیص کی ہے۔ لیکن ان کا سب سے مشہور علمی کارنامہ ''الکامل فی التاریخ'' ہے۔ اسی طرح ان کی کتاب ''التاریخ الباہر، عطابیگ کے خاندان کی ساڑھے تین سو سالہ تاریخ پر مشتمل ہے۔ ==

البلاغة" اور "جمهرة اللغة" وغیرہ سے استفادہ کیا ہے۔(۱)

مصباح اللغات کے سینکڑوں اڈیشن مختلف شہروں سے چھپ چکے ہیں۔ طلباء، اساتذہ کے لیے یکساں مفید و نافع ہے، شاید ہی کوئی استاذ یا طالب علم ہو، جس نے اس ڈکشنری سے استفادہ نہ کیا ہو۔ اس کی ایک اہم خصوصیت ماخذوں کا بیان ہے۔ اردو داں حلقہ کے لیے اس لغت نے عربی زبان کو بڑا ہی سہل بنا دیا ہے۔

مصباح اللغات کے علاوہ مولانا بلیاوی نے کتاب الفروق کے نام سے بھی ایک ڈکشنری لکھی ہے؛ جس میں وہ ایک ہی لفظ کے متعدد معنوں کو بیان کرتے ہیں اور پھر صلات کے بدلنے سے معنیٰ میں کیوں کر تبدیلیاں آتی ہیں، اس کی وضاحت بھی کرتے ہیں۔(۲)

بیان اللسان:

قاضی زین العابدین (۳) کی یہ ڈکشنری ۳۰۰۰۰ جدید و قدیم الفاظ کو محیط ہے۔ مصنف نے

== علامہ ابن اثیر کی شہرت مشرق و مغرب کے حدود سے نکل کر آفاق جہاں میں پھیلی، ابن اثیر کا قلم بڑا محتاط تھا، اس لیے اسے بڑا اعتبار حاصل ہوا، علامہ ابن خلکان، علامہ ابن خلدون وغیرہ نے ابن اثیر کو بڑا وقیع انداز میں خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ 630ھ میں آپ نے موصل میں وفات پائی اور وہیں آپ کی آخری آرام گاہ بنی۔ (دیکھیے: تذکرۃ الحفاظ للذہبی، سیر أعلام النبلاء، وغیرہ)

(۱) مقدمہ مصباح اللغات ،ط: ندوۃ المصنفین ، دهلی

(۲) دیکھیے: مساهمة دار العلوم في الأدب العربي، ص:۱۶۶

(۳) مشہور مترجم مولانا زین العابدین سجاد کی پیدائش 1328ھ مطابق 1910ء میں میرٹھ اتر پردیش میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم دار العلوم میرٹھ اور جامعہ امداد الاسلام میرٹھ میں حاصل کی۔ 1345ھ مطابق 1926ء میں دار العلوم دیوبند میں داخلہ لیا، علامہ کشمیری اور حضرت مدنی وغیرہ سے علم حدیث پڑھی، 1346ھ میں دار العلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی۔

آپ فن ترجمہ نگاری میں ماہر تھے، متعدد کتابوں کا اردو سے عربی میں ترجمہ کیا، ان کے ترجمے اخبارات و رسائل میں شائع ہوا کرتے تھے، دہلی میں جب ندوۃ المصنفین قائم ہوا تو آپ اس تحقیقی ادارہ سے وابستہ ہوگئے۔ 1378ھ مطابق 1910ء کو جامعہ اسلامیہ اسلامک اسٹڈیز کے پروفیسر مقرر ہوئے۔

آپ دار العلوم دیوبند، ندوۃ العلماء، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی وغیرہ کے رکن رہے، متعدد مجلات و جرائد کے اڈیٹر رہے۔ 1991ء میں میرٹھ میں وفات پائی۔

تاریخ ملت، بیان اللسان، قاموس القرآن، انتخاب صحاح ستہ، سیرت طیبہ، شہید کربلا، اور عربی بول چال وغیرہ آپ کی قلمی یادگار ہیں۔ (دیکھیے: تاریخ دار العلوم دیوبند از محبوب رضوی: 2/157)

خاص اہتمام ان الفاظ کے ذکر کا کیا ہے، جو عام طور پر مدارس کی درسی کتابوں، اخبارات ورسائل اور عالم عربی سے شائع ہونے والی کتابوں میں استعمال ہوئے ہیں۔قرآنی الفاظ کی آسان تشریح کا خاصا اہتمام مصنف کو ہے، جس سے ان کے قرآنی ذوق کا بھی بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ قاضی صاحب نے ایک نیا اسلوب اختیار کیا ہے۔اس ڈکشنری کی تیاری میں انہوں نے عام ڈگر سے ہٹ کر انگریزی ڈکشنریوں کے اسلوب کو اپنایا ہے۔عربی ڈکشنریوں کا عام طریقہ مادے کے اعتبار سے الفاظ کی ترتیب کا ہے۔اس لغت میں قاضی صاحب نے کلمہ کے اعتبار سے الفاظ کی ترتیب رکھی ہے۔اس طرح ایک طالب علم کے لیے کسی لفظ کو ڈھونڈنا بڑا ہی آسان ہو جاتا ہے۔ڈکشنری کی ترتیب میں مصنف نے ابتدائی درجات کے طلباء کی صلاحیت کی رعایت کی ہے۔ایک لفظ کے اگر متعدد معنیٰ ہوں؛ تو صرف اسی معنیٰ کے ذکر پر اکتفا کیا گیا ہے؛ جو مروج اور کثیر الاستعمال ہے۔

قاموس القرآن:

یہ کتاب بھی قاضی زین العابدین سجاد ہی کی ہے۔اس کتاب میں قاضی صاحب نے قرآن کے مشکل الفاظ کو جمع کر دیا ہے۔ پہلے اس لفظ کی صرفی نحوی تحقیق پیش کرتے ہیں، پھر اس لفظ کے مفسرین کے درمیان رائج معنوں کا ذکر کرتے ہیں۔اس سلسلے میں متقدمین اور متاخرین علماء کی تحقیقات ان کے دوش بدوش چلتی ہیں۔

القاموس الجدید-عربی اردو-اردو عربی:

متوسط سائز کی یہ لغت مشہور ادیب اور دار العلوم کے مایہ ناز فرزند مولانا وحید الزماں کیرانوی کی گراں قدر تصنیف ہے۔مولانا کیرانوی نے مدارس اور یونیورسٹیوں کے طلباء کے لیے یہ لغت لکھی ہے؛ جس میں اس بات کا خاص خیال رکھا گیا ہے کہ جدید اور رائج الفاظ چھوٹنے نہ پائیں۔ساتھ ہی ساتھ قدیم الفاظ کو جدید دور میں جس معنیٰ کے لیے استعمال کیا جارہا ہے، اس کا ذکر بھی آجائے۔مولانا کیرانوی کی یہ لغت الیاس انطون (۱) کی قاموس العصری کا چربہ اور تلخیص ہے۔

(۱) ادیب اور لغوی الیاس بن انطون بن الیاس کی ولادت 1877ء میں مصر کے شہر ''دمنہور'' میں ہوئی۔ سوڈان میں ملازمت کی، بعد کو وطن واپس آئے اور قاہرہ میں المطبعۃ العصریہ کے نام سے اپنا مکتبہ قائم کیا، جس سے متعدد اہم ادبی اور دینی کتابیں شائع کیں۔1913ء میں آپ نے القاموس العصری کی تالیف کی۔ ==

لیکن سینکڑوں الفاظ کا اضافہ مصنف نے خود کیا ہے۔ڈاکٹر زبیر احمد فاروقی تحریر کرتے ہیں:

”ومما يجدر ذكره إن المؤلف اهتم با ختيار المعاني العصرية الرائجة للكلمات التي لها معان عديدة؛ بعضها رائجة و البعض الأخرىٰ مهجورة، الأمر الذي بدله على سعة إطلاعه علىٰ الاستعمالات العصرية للكلمات والتي كسبها عن طريقة مواظبته علىٰ مطالعة الصحف والمجلات الصادرة في العالم العربي وكتب الأدباء العصريين من العرب، وأنه لم يرتكب في هذا الخصوص الاخطاء التي توجد في القاموس السالف الذكر للأستاذ القاضي زين العابدين.(۱)

القاموس الجدید کے سینکڑوں ایڈیشن ہندو پاک سے شائع ہو چکے ہیں۔طلباء اور علماء کے لیے یہ ڈکشنریاں زادسفر کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ہندو پاک، بنگلہ دیش کا شاید ہی کوئی عربی کا طالب علم مولانا کیرانوی کی ڈکشنریوں سے بے نیاز ہو۔

القاموس الاصطلاحی:

یہ ڈکشنری بھی مولانا وحید الزماں کیرانوی کی تصنیف ہے۔اس کی اہم خصوصیت ایک موضوع سے متعلق رائج الفاظ کا ایک جگہ جمع کر دینا ہے۔جیسے”الانتخاب “لفظ کا جہاں ذکر آیا وہاں مصنف نے اس سے متعلق تمام الفاظ کو ذکر کر دیا ہے۔مثلاً”صندوق الاقتراع“(بیلٹ بکس) ”الدائرة الانتخابيه“(الیکشن کمیشن)”الصوت“(ووٹ)”تصويت“(ووٹنگ)وغیرہ۔اس طرح طلباء کے لیے نہایت آسان ہو جاتا ہے کہ وہ ایک موضوع سے متعلق دسیوں الفاظ کی عربی سے واقف ہو سکے۔طلباء اور اساتذہ کو ایک موضوع سے متعلق الگ الگ لفظوں کے لیے مختلف کتابوں کی خاک نہیں چھاننی پڑتی ہے۔

اس ڈکشنری کے بھی متعدد ایڈیشن شائع ہو کر قبول عام حاصل کر چکے ہیں۔عربی اصطلاحوں کو جاننے کے لیے اس سے بہتر اور آسان کوئی دوسری ڈکشنری غالباً نہیں ہے۔

== اس کا عربی اور انگریزی ایڈیشن اسی مکتبہ سے شائع کیا، 7/اپریل 1952ء میں قاہرہ میں انتقال ہوا۔ (دیکھئے: الاعلام للزرکلی: 9/2)

(۱) دیکھئے: مساهمة دار العلوم في الأدب العربي، ص: ۱۶۸

اللغات التعلیمیہ عربی اردو-اردو عربی:

دار العلوم دیوبند کے ممتاز فاضل سید جلال شاہ جعفری (۱) کی یہ لغت چھوٹے سائز میں ابتدائی درجات کے طلباء کے لیے نہایت ہی مفید ہے۔ مصنف نے مدارس اور جامعات کے طلبا کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس ڈکشنری کو حروف تہجی کے اعتبار سے ترتیب دی ہے۔ یہ لغت دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصے میں عربی الفاظ کے اصطلاحی ترجمے دیئے گئے ہیں، ساتھ ساتھ عربی مثالوں اور محاوروں کے ذکر کا بھی مصنف نے اہتمام کیا ہے۔ جب کہ دوسرے حصے میں اردو الفاظ کی عربی دی گئی ہے۔ ساتھ ساتھ جدید عربی اصطلاحات کا بڑا ذخیرہ لغت میں آ گیا ہے۔ مصنف نے ان عربی اصطلاحات کے لیے ساٹھ (۶۰) عنوانات قائم کیے ہیں، جس کے تحت یہ اصطلاحات ذکر کی گئی ہیں۔ ان اہم کتابوں کے علاوہ ابنائے دار العلوم نے اس موضوع پر متعدد اہم تصنیفات بھی چھوڑی ہیں، جن میں مشتاق احمد شرتاوَلی کی 'روضة الأدب في تسهيل كلام العرب' 'مجموعة الحوار العربي، صفوة المصادر العربية مع اللغات الجديدة''۔ مولانا وحید الزماں کیرانوی کی 'القراءة الواضحة' (تین حصے)۔ مولانا کی یہ کتاب دار العلوم دیوبند اور درس نظامی کے تقریباً تمام مدارس میں داخل نصاب ہے۔ عربی سکھانے کے لیے یہ کتاب انتہائی مفید اور نافع ہے۔ مولانا ندیم الواجدی (۲) کی 'معلم العربية' اور 'ترجموا باللغة العربية''، ''تكلموا بالعربية'' ، اور مولانا ابوبکر غازی پوری کی '' مرقاة الأدب'' وغیرہ اہم اور قابل ذکر ہیں۔

---

(۱) آپ کے حالات جستجو کے باوجود نہ مل سکے۔

(۲) عہد حاضر کے معروف کالم نگار، اردو عربی کے ممتاز ادیب مولانا واصف حسین ندیم الواجدی کی ولادت 23/ جولائی 1954ء کو دیوبند میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ مفتاح العلوم، جلالہ آباد مظفر نگر میں ہوئی۔ 1967ء میں دار العلوم میں داخلہ لیا، 1974ء میں پہلی پوزیشن کے ساتھ فراغت حاصل کی۔ کتابوں کی طباعت اور تجارت کو اپنا مشغلہ بنایا۔ ان کا قلم بڑا زندہ اور تابندہ ہے، آج ان کا شمار ہندوستان کے زود نویسوں میں ہوتا ہے۔ زبان و ادب کے حوالے سے ان کے خدمات بڑے روشن ہیں۔ اب تک درجنوں کتابیں ان کے سیال قلم سے منظر عام پر آ چکی ہیں۔ جن میں احیاء العلوم اردو (امام غزالی کی احیاء العلوم کا اردو ترجمہ: چار جلدوں میں)

القاموس الموضوعی (عربی، انگریزی اور اردو میں ایک سہ لسانی لغت) آزادی سے جمہوریت تک، اسلام: حقائق اور غلط فہمیاں، انسانی مسائل: اسلامی تناظر میں، تین طلاق: عوام کی عدالت میں، اسلام اور ہماری زندگی، قرآن کریم کے واقعات، وغیرہ بڑی اہم ہیں۔

شرحیں اور تعلیقات:

دار العلوم دیوبند کے فضلاء نے مختلف ادبی اور دینی کتابوں کی شرحیں لکھی، جس سے سربستہ علوم ومعارف کے چشموں تک اردو داں طبقے کی رسائی ممکن ہوسکی اور ان کے لیے ان جواہر پاروں سے اپنی فکری سرزمین کی آبیاری آسان ہوگئی۔ شعراء کے دیوانوں پر تحقیق وتعلیق بھی علمائے دیوبند کے جولانئ قلم کا میدان رہا ہے۔ سبع معلقہ، دیوان متنبّی، حماسہ، مقامات حریری وغیرہ کی متعدد شرحیں، ان کتابوں پر حواشی اور تحقیق وتعلیق کا کام دار العلوم کے فیض یافتوں نے بڑی خوش اسلوبی سے کیا ہے۔ ہم یہاں ان میں سے چند اہم شروحات کا ذکر کرتے ہیں۔

ارشاد الیٰ بانت سعاد:

سیدنا حضرت کعب ابن زہیرؓ (۱) عظیم مخضرم شعراء میں ہیں۔ اسلام سے پہلے آپ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں نازیبا کلمات کہے تھے۔ توفیق الٰہی نے دست گیری کی، حق سامنے آیا، تائب اور مسلمان ہوکر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں حاضر ہوئے تو اپنا مشہور قصیدہ آقا صلی اللہ وسلم کے سامنے پڑھا۔ جب اس شعر پر پہنچے۔

إن الرسول لنور يستضاء به☆مهند من سيوف الله مسلول

''کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایسے نور ہیں جس سے روشنی حاصل کی جاسکتی ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے شمشیر بے نیام ہیں''۔

تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شعر پر خوش ہوکر اپنی چادر مبارک جو اس وقت آپ کے جسم

---

(۱) صاحب قصیدہ بانت سعاد، صحابی رسولؐ سیدنا کعب ابن زہیر بن ابی سلمی المزنی ایک مخضرمی شاعر تھے، انہوں جاہلیت اور صدر اسلام دونوں میں شاعری کی۔ اسلام کے ظہور کے بعد آپ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کی، اسی طرح آپ نے مسلمان عورتوں کو بھی اپنی شاعری میں تختہ مشق بنایا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قتل کا فرمان جاری کیا، لیکن بعد کو اللہ نے ہدایت دی اور اپنا مشہور زمانہ قصیدہ لے کر دربار نبی میں حاضر ہوئے، امن طلب کی، رحمت للعالمین نے انہیں امن دیا اور اسلام قبول کرکے ہمیشہ کے لیے اپنا نام تاریخ جہاں میں ثبت کرلیا۔ یہی وہ مشہور قصیدہ ہے، جسے سن کر آقا صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے اور اپنی چادر مبارک انہیں عنایت کی؛ اسی مناسبت سے اس قصیدہ کو قصیدہ بردہ بھی کہا جاتا ہے۔ اس قصیدہ کا مطلع ''بانت سعاد فقلبي اليوم متبول'' ہے۔ آپ جاہلی اور اسلامی دور کے ممتاز شاعر ہیں۔ 647ء/24ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔ (دیکھیے: الأعلام لزرکلی: 15/226، اسد الغابہ، از ابن اثیر جزری: 4/449 وغیرہ)

اطہر پر تھی، حضرت کعبؓ کو عنایت فرمائی۔ اسی مناسبت سے یہ قصیدہ ''قصیدہ بردہ'' سے مشہور ہوا۔

ادبی اعتبار سے یہ قصیدہ بڑا ہی بلند مقام رکھتا ہے۔ جس قصیدہ کو دربار رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے سند قبول عطا ہوا ہو، اس کے بلندی شان کا کیا کہنا، اس سند و اعزاز کے بعد بھی کسی اور کی توثیق و تعریف کی ضرورت رہ جاتی ہے؟ اس قصیدہ کے اعجاز کا کمال ہی تو ہے کہ شاعر کو اس کے طفیل دونوں کی جہاں کامرانی ملی۔

ہر دور کے علماء نے اس کی شرحیں لکھیں۔ ان شارحین میں علامہ ابراہیم باجوری (۱)، امام ابن ہمام (۲) جیسے شناور زبان و ادب ہیں۔ اسی اہمیت کے پیش نظر علماء دارالعلوم نے بھی اس کی

(۱) جامع ازہر کے انیسویں شیخ ابراہیم بن محمد بن احمد الشافعی الباجوری کی ولادت مصر کے شہر باجور میں 1198ھ/1784ء میں ہوئی۔ آپ 1847ء سے 1860ء تک جامع ازہر مصر کے شیخ رہے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ 14/سال کی عمر 1212ھ کو آپ جامع ازہر آئے اور علوم شرعیہ اور دیگر علوم وفنون کی تعلیم حاصل کرنے لگے، لیکن 1798ء میں مصر میں فرانسیسی قبضہ کے بعد آپ وجیزہ چلے گئے۔ پھر 1801ء میں آپ واپس ازہر آئے اور اپنی تعلیم مکمل کی۔ آپ نے متعدد کتابیں مختلف علوم وفنون میں تصنیف کیں، ان کتابوں میں شرح علامہ باجوری علیٰ جوہر التوحید، (شیخ ابراہیم اللقانی) حاشیہ تحقیق المقام علیٰ کفایۃ العوام فیما یجب علیہم من علم الکلام، (شیخ محمد فضالی ازہری) اسی طرح عقائد نسفیہ پر آپ کا حاشیہ ہے، ابن قاسم کی شرح شجاع پر آپ کا حاشیہ ہے، مواہب اللدنیہ علیٰ شمائل المحمدیہ، اور رسالۃ موجزۃ فی علم التوحید وغیرہ ہیں۔ 28/ذی قعدہ 1276ھ کو جمعرات کے دن آپ کا انتقال ہوا۔ (دیکھئے: کتاب شیوخ الازہر: 2/53، اشرف فوضی صالح)

(۲) فقیہ، محدث، احناف کے بیرسٹر علامہ محمد بن عبد الواحد کمال الدین ابن ہمام کی ولادت 790ھ/1388ء اسکندریہ میں ہوئی۔ جہاں آپ کے والد محترم مسند قضا پر فائز تھے۔ بچپن میں اپنے والد اور شہر کے علماء سے کسب فیض کیا۔ 813ھ میں قاہرہ تشریف لے آئے اور قاضی محب الدین ابن شحنہ سے استفادہ کیا، پھر حلب تشریف لائے، ابوزرعہ عراقی، جمال حنبلی اور شمس شامی وغیرہ سے حدیث پڑھی، شیخونیہ میں منصب افتاء کو زینت دی، لیکن بعد کو تصنیف و تالیف کے لیے خود کو یکسو کرلیا، آپ ہی نے ہدایہ کی شرح فتح القدیر کے نام سے لکھی ہے، جس کی نظیر علمی دیا پیش کرنے سے قاصر ہے۔ آپ نے اپنی شرح میں مسلک حنفیہ کو حدیث سے مزین کیا ہے، لیکن افسوس ابھی کتاب الوکالۃ تک ہی آپ لکھ سکے تھے کہ رب کے دربار سے بلاوا آ گیا۔ اس کے بعد کی شرح علامہ شمس الدین بن فور (متوفی 988ھ) نے مکمل کی۔ اصول فقہ میں آپ کی شاہکار تصنیف ''التحریر'' ہے، جس کی شرح آپ کے شاگرد رشید ابن امیر حاج حلبی نے لکھی۔ آپ کو احناف میں امامت کا درجہ حاصل تھا، آپ مفسر، حافظ حدیث اور علم کلام کے ماہر تھے۔ خانقاہ شیخونیہ کے آپ شیخ الشیوخ تھے۔ زیادہ تر قیام آپ کا قاہرہ میں رہا اور کچھ دنوں حلب میں بھی رہا۔ فتح القدیر اور التحریر کے علاوہ ''المسایرۃ''، زاد الفقیر آپ کی اہم تصنیفات ہیں۔ 7/رمضان المبارک، 861ھ/1457ء قاہرہ میں آپ کی وفات ہوئی۔ (دیکھئے: الفوائد البھیۃ: ص180، عبدالحی فرنگی محلی، الضوء اللامع: 1/132)

شرح لکھی۔ جس میں سب سے اہم شیخ ذوالفقار علی دیوبندی کی شرح ''ارشاد الی بانت سعاد'' ہے۔ شیخ ذوالفقار علی دیوبندی نے پہلے علامہ باجوری کی شرح کی تلخیص کی ہے، پھر ان اشعار کا اردو میں ترجمہ کرنے کے بعد اس کی خوبصورت اور عمدہ تشریح کی ہے؛ ان کی تشریحات میں ابن ہمام کی شرح سے استفادہ صاف جھلکتا ہے۔ ساتھ ہی انہوں نے اس بات کا اہتمام بھی کیا ہے کہ ایک لفظ کے جو بھی ممکن معنیٰ ہیں اسے ذکر کردیا جائے۔ کہیں کہیں انہوں نے عربی اشعار کے ترجمہ میں فارسی اور اردو کے اشعار بھی ذکر کئے ہیں۔ اس طرح یہ شرح ایک خوبصورت گلدستہ بن گئی ہے۔

عطر الوردہ فی شرح البردہ:

قصیدہ بردہ ہی کے نام سے مشہور علامہ شرف الدین بوصیری (۱) کے قصیدہ کی بھی علامہ ذوالفقار علی دیوبندی نے ''عطر الوردہ فی شرح البردہ'' کے نام سے شرح لکھی ہے۔

اس قصیدہ کی کہانی بڑی دل چسپ اور ایمان وعمل کو جلا بخشنے والی ہے، ہوا یوں کہ علامہ بوصیری

---

(۱) صاحب قصیدہ بردہ علامہ شرف الدین محمد بن سعید بن حماد الصنہاجی البوصیری ایک شوال 608ھ/ 7 مارچ 1213ء کو پیدا ہوئے۔ پوری دنیا میں آپ کی شہرت آپ کی مدحیہ قصدہ کی وجہ سے ہوئی۔ علامہ بوصیری نعتیہ شاعری کے پیشوا سمجھے جاتے ہیں، آپ کا قصیدہ جو قصیدہ بردہ کے نام سے مشہور ہے، وہ الفاظ کے نشست و برخاست حلاوت و چاشنی میں ممتاز تو ہے ہی دلی جذبات کی عکاس اور عشق نبوی میں تڑپنے والے دل کی آواز بھی ہے۔ آپ نے متعدد نعتیہ قصیدے لکھے۔ علامہ بوصیری کی ولادت مصر کے ایک گاؤں دلاص میں ہوئی۔ آپ کا خاندانی تعلق بربر قبیلہ کی ایک شاخ سے ہے۔ آپ کی پرورش بوصیری نامی گاؤں میں ہوئی؛ اسی نسبت سے آپ بوصیری کے نام سے مشہور ہیں۔ ابتدائی تعلیم کے بعد آپ قاہرہ آگئے اور ادب عربی اور دیگر علوم وفنون میں مہارت حاصل کی۔ آپ نے بچپن ہی میں حفظ قرآن پاک کا شرف حاصل کرلیا تھا۔ علوم وفنون آپ نے اپنے وقت کے بڑے اساتذہ سے حاصل کی۔ علامہ سید الناس آپ کے اساتذہ میں سے ہیں۔ بچپن ہی سے شعر کہنے لگے تھے۔ آپ کے قصیدہ بردہ کو دائمی اور ابدی قبولیت نصیب ہوئی۔ اس قصدہ میں 160 / اشعار ہیں، ہر شعر سے عشق نبی چھلکتا ہے۔ اس قصیدہ کی متعدد صاحب علم نے مختلف زبانوں میں شرح لکھی ہیں۔ اس کے علاوہ بھی آپ نے متعدد قصائد کہے ہیں۔ جو اب محمد سید گیلانی کی تحقیق کے ساتھ شائع ہو چکے ہیں۔ الکواکب الدریۃ في مدح خیر البریۃ، القصیدۃ المضریۃ في مدح خیر البریۃ، قصیدہ خمریۃ، قصیدہ زخر المعاد، قصیدہ لامیۃ المخرج والمردود علی النصاری والیھود، یہ قصیدہ شیخ احمد فہمی کی تحقیق کے ساتھ 1953ء میں قاہرہ سے شائع ہوا۔ 695ھ/ 1295ء میں 87 / سال کی عمر میں اسکندریہ میں آپ کی وفات ہوئی۔ (دیکھئے: حسن المحاضرہ فی أخبار مصر والقاہرہ، از جلال الدین السیوطی، فوات الوفیات، از محمد بن شاکر الکتبی، تحقیق احسان عباس)

پر فالج کا حملہ ہوا۔ بیماری سے نڈھال جسم اور درد سے کراہتے ہوئے بدن کو تھوڑا سکون ملا رات بھیگ چکی تھی، آنکھ لگ گئی؛ کیا دیکھتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دست مبارک سے ان کے جسم پر ہاتھ پھیر رہے ہیں، جب صبح بیدار ہوئے تو فالج کا معمولی سا اثر بھی جسم پر باقی نہیں تھا۔ اسی اعجاز مسیحائی سے متاثر ہو کر آپ نے نعتیہ اشعار کہے؛ جس نے قصیدہ بردہ کے نام سے ادبی دنیا میں شہرت پائی۔ اس قصیدے کو بھی متقدمین اور متاخرین علماء نے اپنے قلم تحقیق کی جولان گاہ بنایا، اس کی متعدد شرحیں لکھی گئیں۔ اس مبارک قصیدے سے حصول برکت میں دارالعلوم بھی پیچھے نہ رہا اور اس کے فرزند نے اس قصیدے کی شرح لکھ کر جناب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں نذرانہ محبت پیش کیا۔

سبع معلقات کی شرح:

سبع معلقات کو ادبی دنیا میں جو اہمیت حاصل ہے، وہ کسی ادب سناش کی نظر سے اوجھل نہیں۔ پہلوں نے بھی اور بعد والوں نے بھی اس کی متعدد شرحیں لکھی ہیں۔ ان شروحات میں ابوعبد اللہ حسین بن احمد زوزنی (۱)، عبدالرحیم صفی پوری (۲)، عبدالاول جونپوری (۳) کی شرحیں قابل ذکر

(۱) ابوعبداللہ حسین بن احمد بن حسین زوزنی پانچویں صدی ہجری کے مشہور لغوی، نحوی، فقیہ اور شاعر تھے۔ ان کی زندگی کے بارے میں بہت سی تفصیل پردہ راز ہی میں ہے؛ لیکن ان کی کتاب ''شرح المعلقات السبع'' کے مطالعہ سے عربی زبان وادب پر ان کی دسترس کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، وہ عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ ان کے علم ریز قلم سے متعدد کتابیں علمی دنیا کو میسر آئیں۔ آپ کی ولادت زوزن میں ہوئی۔ اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی پوری زندگی اپنے شہر ہی میں گزاری، 486ھ/1093ء میں آپ کی وفات ہوئی۔ شرح المعقات السبع کے علاوہ ترجمان القرآن (عربی فارسی) کتاب المصادر فی علم الفقہ، وغیرہ آپ کی اہم تصنیفات ہیں۔ (دیکھئے: الأعلام للزركلي: 2/231، تاريخ الأدب العربي من مطلع القرن الخامس الهجري إلى الفتح العثماني: 3/203-202)

(۲) عبدالرحیم بن عبدالکریم صفی پوری تیرہویں صدی ہجری کے ممتاز اہل قلم اور دانشوروں میں تھے۔ فارسی، عربی، اردو، اور انگریزی زبان پر قدرت حاصل تھی۔ 1260ھ میں وفات پائی اور کلکتہ میں مدفون ہوئے۔ ان کی مشہور لغت ''منتھی الأرب في لغات العرب'' پہلی دفعہ 1252ھ پھر 1257ھ میں کلکتہ سے شائع ہوئی۔ یہ فارسی عربی لغت ہے، اس لغت کو آپ نے ''قاموس المحیط'' کے طرز پر تصنیف فرمایا تھا۔

(۳) کثیر التصانیف صاحب قلم مولانا عبدالاول جونپوری بن شاہ کرامت علی جونپوری کی ولادت 1283ھ کو نواخالی ضلع بنگال کے مقام ''سندیپ'' میں ہوئی۔ ان کے والد اپنے اہل خانہ کے ساتھ دریائی سفر پر تھے، یہ چہارشنبہ کا دن تھا اور عصر کا وقت؛ وہیں کشتی پر آپ کی ولادت ہوئی۔ حفظ قرآن اپنے بھائی محمد احسن کے پاس کیا، فارسی کی ==

ہیں۔غالباً یہ شرحیں سبعہ معلقات کو برصغیر کے طلبہ کے دستر خوان علم پر لقمہ تر بنا کر نہ پیش کرسکیں۔ اس لیے شیخ ذوالفقار علی نے ''التعلیقات علی السبع المعلقات'' لکھ کر اس ضرورت کی تکمیل کی۔شارح پہلے حل لغت کرتے ہیں، محاورات کی تحقیق کے بعد اردو میں ترجمہ پھر اس کی تشریح کرتے ہیں۔کہا جاسکتا ہے کہ یہ شرح عربی اردو کا سنگم ہے۔

سبع معلقات کی ایک شرح قاضی حسین سجاد (۱) نے بھی لکھی ہے۔ دراصل آپ کی یہ شرح شیخ الادب مولانا اعزاز علی کے درسی افادات کا مجموعہ ہے۔ (۲) جیسا کہ خود شارح نے مقدمہ میں ذکر کیا ہے۔

یہ شرح ''التوشیحات علی السبع المعلقات'' سبع معلقہ کی مقبول شرحوں میں ایک ہے۔اس کا امتیاز اشعار کا خوبصورت اور رواں ترجمہ ہے۔

تسهيل الدراسة الىٰ ترجمة الحماسة:

ابوتمام (۳) کی مشہور کتاب حماسہ کی یہ شرح بھی شیخ ذوالفقار علی دیوبندی کی کاوش قلم کا نتیجہ

== عرابتدائی کتابیں مولانا حافظ محمود اور مولانا مصلح الدین سے پڑھیں۔مولانا عبدالحئی لکھنوی اور مولانا نعیم الدین فرنگی محلی سے کسب فیض کیا۔کولکتہ، بنارس اور ملک کے متعدد شہروں اور قصبوں کا دعوتی سفر کیا۔جہاں گئے۔اپنی مسند درس وہیں بچھالی، ایک خلقت آپ سے مستفیض ہوئی۔12رشوال 1339ھ سنیچر کی شب میں کلکتہ میں انتقال ہوا اور اپنے نہایت ہی مخلص مرید عبدالرحمٰن خان مانک تلہ کولکتہ کے باغ میں مدفون ہوئے۔مولانا ولایت حسین نے نماز جنازہ پڑھائی۔مولانا مصلح الدین کا بیان ہے کہ آپ کے عظیم المرتبت صاحب کشف وکرامت والدگرامی مولانا شاہ کرامت علی نے آپ کی ولادت کے وقت ہی پیشین گوئی فرمادی تھی، کہ آپ صاحب قلم ہوں گے۔یہ پیشین گوئی سچ ثابت ہوئی۔التحفة العنبر یہ لإثبات القیام في مولد خیر البریة، جوامع الکلم، أصح الکلام، شرح أربعین، الفتاویٰ الیمانیه فی أحکام الثمانیة، خیر الزبور فی استحباب زیارة القبور، مفید المفتی، تاریخ الأولیاء، تذکرة الحفاظ، النوادر المنیفة فی مناقب أبي حنیفة، البراہین الفائحة، جیسی متعدد کتابیں آپ کی علمی یادگار ہیں۔تقریباً 121رکتابیں مختلف فنون میں آپ نے تصنیف فرمائی۔(دیکھئے:سیرت مولانا عبدالاول جونپوری، ازمولانا عبدالباطن)

(۱) مولانا سجاد حسین کرت پور بجنور میں 1328ھ مطابق 1910ء کو پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں حاصل کی، 1337ھ مطابق 1928ء میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوئے، فراغت کے بعد مدرسہ عالیہ فتح پوری دہلی میں استاذ ہوئے، چند سالوں بعد صدر مدرس کے عہدے پر فائز ہوئے۔آپ نے عربی وفارسی کی بعض کتابوں پر مفید حاشیے لکھے ہیں۔(دیکھئے:تاریخ دارالعلوم دیوبند، ازمحبوب رضوی:2/157)

(۲) التوشیحات علی السبع المعلقات، قاضی حسین سجاد، ص: ٤١، ط: مکتبة حسینیة، دھلی.

(۳) عباسی دور کے نامور شاعر ابوتمام بن حبیب بن اوس بن حارث الطائی کی ولادت 188ھ/ ==

ہے۔شیخ نے اولاً بڑے ہی اختصار کے ساتھ حل لغات ،کلمات اور محاوروں کی تحقیق عربی زبان میں کی ہے۔پھر اشعار کا با محاورہ ترجمہ یا ترجمانی اردو میں کی ہے۔یہ بھی ان کی دوسری شرحوں کی طرح اردو عربی کا حسین سنگم ہے۔

حماسہ پر شیخ اعزاز علی دیوبندی نے بھی حاشیہ لکھا ہے۔شیخ ذوالفقار علی نے جہاں اختصار سے کام لیا؛ وہیں شیخ الادب مولانا اعزاز علی دیوبندی نے اپنے حاشیے میں پوری تفصیل ملحوظ رکھی ہے۔ آپ الفاظ کی نحوی صرفی تحقیق اس انداز میں پیش کرتے ہیں کہ شاعر کا مقصود واضح ہوجاتا ہے۔آپ کی تحقیق کے بعد شعر کا اردو یا عربی میں ترجمہ کرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ بلا شبہ یہ اسلوب طلباء اور اساتذہ کے لیے زیادہ عمدہ اور مفید ہے۔اس اسلوب سے طلباء میں ادبی ذوق کی اٹھان ہوتی ہے۔

شیخ اعزاز علی دیوبندی کی شرح کی اہمیت میں چار چاند لگاتا ہے، ان کا بیش قیمت تفصیلی مقدمہ،جس میں آپ نے علوم کی فطری تقسیم ،شعر کی تحقیق ،طبقات شعرا کی تاریخ،نیز شعر گوئی پر وارد ہونے والے اعتراضات کا بھی قرآن وسنت کی روشنی میں جائزہ لیا ہے۔شارح نے مؤلف حماسہ کا سوانحی خاکہ پیش کیا ہےاوراس کتاب کی تالیف کے اسباب پر بھی روشنی ڈالی ہے۔اس شرح کی ایک خاص بات علامہ انور شاہ کشمیریؒ کا مقدمہ ہے۔

ان شروحات کے علاوہ شیخ ذوالفقار علی کی ''تسهيل البيان في شرح ديوان المتنبي''، شیخ مولانا اعزاز علی دیوبندی کا دیوان متنبّی پر حاشیہ ،مولانا ادریس کاندھلوی کی مقامات حریری پر تعلیقات اور تشریح ،مولانا محمد احسن نانوتوی (۱) کی کتاب'' حاشیہ مفید الطالبین''، شیخ اعزاز علی

== /803ءکو حوران شام کے قریب ایک گاؤں جاثم میں ہوئی۔یہ دور ہارون الرشید کا تھا۔مصر تشریف لے آئے، ادباء اور شعراء کی مجلسوں کے حاضر باش تھے،یہیں ان کی شاعری کا جلوہ دنیا کے سامنے آیا،انہوں نے ایک بہت خوبصورت نظم کہی،اس نظم کا ذکر معتصم کے دربار میں ہوا،معتصم نے انہیں طلب کیا اور بڑی قدرو منزلت کے ساتھ اپنی مجلس میں شریک کیا۔ابوتمام کو 14 رہزار سے زائد رجزیہ اشعار یاد تھے۔اس کے علاوہ سینکڑوں قصیدے بھی زبان زد تھے۔بعض محققین کا خیال ہے کہ ابوتمام متنبّی اور بحتری سے بھی بڑے شاعر تھے۔ 231ھ/845ءمیں موصل میں وفات پائی اور یہیں آپ کی قبر ہے۔فحول الشعراء، دیوان حماسۃ، مختارات أشعار القبائل، نقائص جریر والأخطل آپ کی اہم تصنیفات ہیں۔

(دیکھیے: سیر أعلام النبلاء، 9/119، الطبقۃ الثانی عشر، للذہبی، مکتبہ شاملہ)

(۱) مولانا محمد احسن نانوتوی بن لطف علی بن محمد حسن صدیقی نانوتوی ہندوستان کے مشہور فقہاء میں تھے۔آپ کی ولادت نانوتہ میں ہوئی، وہیں ابتدائی تعلیم حاصل کی،اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے دہلی تشریف لے گئے ==

دیوبندی کی ''حاشیہ نفحۃ العرب'' وغیرہ عربی زبان وادب کی امہات الکتب کی شرحیں ہیں۔

عربی زبان وادب کی کتابوں کی عربی اردو شرحوں کے علاوہ فضلائے دار العلوم نے مختلف فنون کی اہم کتابوں کی عربی شرحیں بھی لکھی ہیں۔ جن کا دائرہ تمام علوم اسلامی کو پھیلا ہوا ہے۔ ان شروحات کے نام گنوانے کے لیے بھی دفتر درکار ہے۔ تفسیر، علوم تفسیر، علوم قرآن، حدیث، اصول حدیث، فقہ، اصول فقہ، منطق وفلسفہ، فصاحت و بلاغت وغیرہ کون ایسا فن ہے، جس میں فضلائے دار العلوم کی عربی تصنیفات بلکہ بیش قیمت تصنیفات موجود نہ ہوں اور ان میں سے کون ایسی کتاب ہے، جس نے خود عربوں سے اپنی زبان دانی، اسلوب بیان نادر تحقیقات، انشاء پردازی پر خراج تحسین وصول نہ کیا ہو۔

فن سخنوری اور فضلائے دار العلوم:

ابنائے دار العلوم کی فن سخنوری پر گفتگو سے پہلے یہ وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے؛ کہ شعر گوئی کبھی بھی ان کے یہاں قابل توجہ موضوع نہیں رہا ہے۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہے؛ کہ اسلام نے کبھی شعر وسخن کی حوصلہ افزائی نہیں کی۔ دار العلوم اور اس کے فضلاء اسلام کے پاسبان اور شریعت اسلامی پر جان نچھاور کرنے والوں میں رہے ہیں۔ شاید انہوں نے ایسے فن کی ترویج واشاعت کو قابل توجہ نہیں سمجھا؛ جس پر خود قرآن کریم نے تنقید کی ہے۔ متقدمین علماء کے یہاں بھی شعر وسخن کی محفلیں آراستہ کرنا بہت پسندیدہ عمل نہیں رہا ہے۔ امام شافعی (۱) نے تو یہاں تک فرمایا۔

== اور استاذ العلماء مولانا مملوک علی کے کی درس گاہ میں شامل ہوئے۔ شیخ عبد الغنی سے حدیث پڑھی، تعلیم سے فراغت کے بعد مدرسہ کالیہ بریلی رہیل کھنڈ میں استاذ ہوئے۔ 1283ھ میں سفر حج فرمایا، اور وہاں اپنے استاذ شیخ عبد الغنی سے کسب فیض کیا۔ مفید الطالبین، مذاق العارفین ترجمہ احیاء علوم الدین، احسن المسائل ترجمہ کنز الدقائق، غایۃ الأوطار ترجمہ الدر المختار، احسن البضاعۃ فی مسائل الرضاعۃ، آپ کی تصنیفات ہیں، اس کے علاوہ آپ نے حجۃ اللہ البالغۃ، ازالۃ الخفاء کا حاشیہ بھی لکھا۔ 9/شعبان 1312ھ کو وفات پائی۔ (دیکھئے: مولانا احسن نانوتوی، از محمد ایوب قادری ایم، اے، ط: کراچی)

(۱) فقہ شافعی کے بانی، تاریخ کی عظیم ترین شخصیات میں ایک امام محمد بن ادریس بن عباس شافعی کی ولادت 150ھ میں ہوئی۔ آپ کا تعلق قبیلہ قریش سے تھا، والدہ محترمہ یمن کی رہنے والی تھیں۔ آپ کی ولادت غزہ میں ہوئی۔ تنگدستی اور عسرت میں زندگی گزری؛ لیکن حوصلہ ہمت اور علم دین سے محبت نے انہیں دنیا کا امام بنایا۔ بچپن ہی میں قرآن کریم حفظ کیا، علماء حدیث سے علم حدیث حاصل کیا، ائمہ لغت سے علم لغت کی تعلیم حاصل کی۔ عربی زبان وادب میں مہارت حاصل کی، فصاحت وبلاغت میں یکتائے زمانہ بنے۔ ابھی آپ سن کی پختگی کو نہیں پہنچے تھے کہ ==

ولـولاالشـعـر بـالـعلـمـاء يـزري
لـكـنــت الـيـوم أشعـرمـن لبيد(۱)

لیکن دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اشعار پڑھا کرتے تھے۔آپ نے ان کے اشعار کو نہ صرف پسند فرمایا؛ بلکہ اس کی حوصلہ افزائی بھی فرمائی ہے، بعض موقع پر انعامات سے بھی نوازا ہے۔خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ ”إن من الشعر حكمةً“(۲) کہ ”بعض شعروں میں حکمت کی باتیں ہوتی ہیں“۔

اس لیے ابنائے دیوبند نے اس فن سے بالکل اجتناب بھی نہیں برتا،ان کی شاعری میں خدائے بزرگ وبرتر کی ثنا خوانی ہے،رب سے مناجات ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں نذرانہ عقیدت،آپ کی ذات اقدس کی مدح،آپ کی ذات اقدس پر اپنا سب کچھ قربان کردینے کے جذبہ مؤمنانہ کا اظہار ہے،ناموس رسالت کا دفاع،صحابہ کرام کے قصیدے ہیں،ان کے کارناموں کا حسین ذکر ہے۔اسلامی تاریخ کا بیان ہے۔حکمت وموعظت کی باتیں ہیں،علمی بحثیں ہیں۔اسلام کا دفاع ہے،ملحدین منافقین پر تنقیدیں ہیں۔ان کی شاعری میں حضرت حسان (۳) کا

== مؤطا امام مالک کو حفظ کرلی،مؤطا کے حفظ کے بعد امام دارالہجرہ امام مالک کی درس گاہ مدینہ منورہ پہنچے۔امام امالک کو یہ سن کر بے پناہ خوشی ہوئی کہ آپ مؤطا کے حافظ ہیں۔چند نصیحتوں کے ساتھ مؤطا کے درس کی اجازت مرحمت فرمائی۔امام امالک کی وفات کے بعد نجران کے قاضی ہوئے،پوری جرأت اور انصاف کے ساتھ فیصلے فرمائے،نجران کے گونر کے خلاف فیصلہ دیا،گونر نے آپ پر بغاوت کا الزام لگایا اور ہارون رشید کو آپ کے خلاف بھڑکایا،گرفتار ہوئے،لیکن امام محمد کی شفارش پر بری قرار دئے گئے۔اصول فقہ میں امام شافعی کی ”الرسالہ“ اس فن کی پہلی کتاب ہے۔اسی طرح آپ کی دوسری کتاب ”الام“ ہے،جس پر مذہب شافعی کا مدار ہے۔آپ نے امام مالک-جن سے آپ نے نو سالوں تک تعلیم حاصل کی-کے علاوہ لیث ابن سعد،وکیع ابن الجراح اور امام محمد سے کسب فیض کیا۔آپ کے تلامذہ میں امام احمد بن حنبل،اسحاق بن راہویہ،اسماعیل ابن یحی مزنی،اور داؤد ظاہری جیسے ائمہ ہیں۔صرف 52 رسال کی عمر میں 20 رجنوری 820ء کو مصر کے شہر فسطاط میں وفات پائی۔

(۱) دیوان شافعی

(۲) فتح الباري: ۳۵۳/۱۰، باب مایجوز الشعر والزجر والحداء وما یکره منه، کتاب الأدب،ط، المکتبة الإسلامية

(۳) شاعر رسول حضرت سیدنا حسان بن ثابتؓ مدینہ منورہ میں ہجرت سے تقریباً پچاس سال قبل 564یا565ء میں پیدا ہوئے۔آپ کا تعلق قبیلہ خزرج سے تھا۔آپ نے اسلام اور جاہلیت دونوں زمانہ پایا ساٹھ سال جاہلی دور پایا اور ساٹھ سال اسلام کا مبارک دور۔آپ مخضرمی شاعر ہیں،جاہلی دور میں بھی شاعری کے جوہر دکھلائے اور اسلامی دور میں بھی اپنی شاعری سے اسلام کی نشر واشاعت اور ناموس رسالت کے دفع میں حصہ لیا۔ساٹھ سال کی عمر میں ==

عکس، حضرت خنساء(۱) کی جھلک ہے، کعب بن زہیر کی روشن دل بری ہے، عبداللہ بن رواحہ(۲) کی ادائے جاںثاری ہے۔ ان کے اشعار اسی قندیل کی لوئیں اور اسی چنگاڑی کے شرر ہیں؛ جس پر کبھی ردائے مبارک عطا ہوئی، تو کبھی کہا گیا۔ "اھج المشرکین فإن جبرئیل معک." (۳)

== میں آپ نے اسلام قبول کیا، قریش نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی ہجو کیا کرتے، تو حضرت حسان اپنی شاعری سے قریش کا دنداں شکن جواب دیا کرتے تھے۔ ایک موقع پر انہوں نے انصار سے کہا کہ جس طرح ہتھیار سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معاونت ضروری ہے، ٹھیک اسی طرح زبان سے بھی آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت واجب ہے اور اس کام کے لیے میں ہوں۔ یہ سن کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑی مسرت ہوئی۔ ایک موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ کفار قریش کی ہجو کیجیے روح القدس آپ کے ساتھ ہیں، حضرت حسان کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آپ کے منبر پر کھڑے ہو کر نعتیہ کلام پڑھا۔ سیدنا حضرت علیؓ کے دور خلافت میں 120 سال کی عمر میں سن 35 یا 40ھ میں آپ کی وفات ہوئی، بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ آپ کی وفات حضرت امیر معاویہ کے دور خلافت میں ہوئی۔ (دیکھیے: اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ: 2/6، از ابن اثیر جزری)

(۱) حضرت خنساء بنت تماضر بن عمرو بن حارث سلمیہ 575ء میں پیدا ہوئیں۔ آپ نے جاہلیت اور اسلام دونوں دور پایا، آپ کی شہرت علمی دنیا میں آپ کے مرثیوں کی وجہ سے ہے۔ یہ مرثیہ آپ نے اپنے دونوں بھائی سقر اور معاویہ کے لیے کہا ہے، جو جاہلیت میں قتل کر دیئے گئے تھے۔ حضرت خنساء اپنی قوم کے ایک وفد کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی اور مشرف بہ اسلام ہوئیں۔ حضرت عمرؓ نے ایک دن ان سے پوچھا آپ کی آنکھیں اتنی سوجی ہوئی کیوں رہتی ہے، انہوں نے جواب دیا سادات مضر پر روتے روتے آنکھوں کا یہ حال ہو گیا ہے، حضرت عمرؓ نے کہا کہ وہ جہنم میں ہیں خنساء، حضرت خنساء نے جواب دیا؛ اسی لیے تو رونا ہے۔ حضرت خنساء کے چار صاحبزادے عمرہ، عمرو، معاویہ اور یزید، قادسیہ کی جنگ میں شہید ہوئے، حضرت خنساء نے ان پر صبر کیا اور زبان سے آہ تک نہ نکالی۔ حضرت خنساءؓ کی وفات 70/سال کی عمر میں 645 میں نجد میں ہوئی۔ (دیکھیے: وفیات الاعیان وأنباء أبناء الزمان: 6/34، الشعر والشعراء لابن قتیبہ)

(۲) شاعر رسول، نقیب انصار، سالار افواج اسلامی سیدنا عبداللہ بن رواحہ بن ثعلبہ خزرجی ان صحابہ میں تھے، جنہوں نے ابتدائی دور ہی میں اسلام قبول کیا۔ آپ بدری صحابی ہیں، ہر موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع اپنی تلوار اور قلم سے کیا۔ آپ ان گنے چنے لوگوں میں تھے جو عہد رسالت میں لکھنا جانتے تھے، عبداللہ ابن رواحہؓ حضرت حسان کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دفاع میں اشعار کہا کرتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مدینہ ہجرت فرمائی تو آپ کو حضرت مقداد بن عمرو کا بھائی بنایا۔ غزوہ موتہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسل نے فرمایا تھا کہ جب زید اور جعفر شہید ہو جائیں تو فوج کے قائد عبداللہ ابن رواحہ ہوں گے۔ یہ وہی جنگ تھی؛ جس میں رومیوں کی تعداد دو لاکھ سے زیادہ تھی، جب کہ مسلمان مجاہدین کی تعداد صرف تین ہزار تھی۔ اسی غزوہ میں سن 8/ھ میں حضرت عبداللہ ابن رواحہ نے جام شہادت نوش کیا۔ رضی اللہ عنہ ورضوا عنہ۔ (دیکھیے: الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ: 4/73)

(۳) صحیح البخاري، حدیث نمبر: ۴۱۲۳، مسلم، حدیث نمبر: ۲۴۸۶

ابنائے دارالعلوم نے بہت بڑا شعری ذخیرہ چھوڑا ہے؛ جو ان کے ادبی ذوق، شعر گوئی میں ان کی فنی مہارت اور عربی زبان و ادب پر قدرت کی گواہی دیتے ہیں، لیکن عام طور پر ان کے اشعار میں جاہلی شعراء کے اسلوب اور منہج کی پیروی ملتی ہے۔ پر افسوس کہ یہ قیمتی اشعار جو دلوں پر دستک دیتے ہیں مجلّات اور رسائل میں بکھرے پڑے ہیں۔ فضلائے دارالعلوم نے اس طرف کوئی خاص توجہ نہیں دی کہ ان اشعار کو ایک دیوان کی شکل میں جمع کر کے علم و ادب کا دستر خوان سجایا جائے، لیکن شکر ہے کہ بعض اکابر کے شاگردوں کی کوششوں سے یہ قیمتی سرمایہ اب کسی حد تک محفوظ ہو گیا ہے، لیکن کام ابھی باقی ہے۔

ابنائے دارالعلوم کے شعری موضوعات:

ابنائے دارالعلوم کے تمام اشعار کا موضوعات کے اعتبار سے اگر تجزیہ کیا جائے؛ تو یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے؛ کہ ان کے اشعار نے اسلامی حد بندیوں کو کہیں بھی پھلانگا نہیں ہے۔ ان شعراء کو اللہ تعالی کے ارشاد "الشعراء يتبعهم الغاؤن"(۱) کا ہر پل ادراک رہا، ان کے پاک دل کی طرح ان کی شاعری بھی آلائشوں سے پاک تھی۔ احساس جوابدی نے ادب کے میدان میں بھی انہیں بے ادب بننے بچائے رکھا۔

ابنائے دارالعلوم کے اشعار کے موضوعات، حمد باری، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت، مبارکبادیاں اور استقبال، مرثیے، وعظ اور حماسہ کی چہار دیواریوں میں قید ہیں۔ ان میں بڑا حصہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں نذرانۂ عقیدت کا ہے۔ شاید ہی کوئی دارالعلوم کا طالب علم ہو؛ جس نے اپنے اشعار میں نعت نبی کو موضوع نہ بنایا ہو۔

فن سخن کا سب سے معروف اور شعراء کا پسندیدہ صنف غزل ہے؛ لیکن علمائے دیوبند کو اسی موضوع سے بیر ہے جس سے دیگر شعراء کو بے پناہ محبت تھی۔ ان کی شاعری میں نہ کسی نازنیں کی اٹھکھیلیوں کا ذکر ہے، نہ ان کی دل نواز اداؤں، دلفریب سرمستیوں، جانفزاں حسن کا چرچا، نہ زلفوں کے لہرانے کی تصویر کشی، نہ کمر کی تراش وخراش کا بیان جان سوز، نہ کوئی باعزت خاتون ان کے اشعار میں بدنام ہوئی، نہ کسی کی نیک نامی پر بٹہ لگا، نہ شراب کی محفل آرائی ہوئی، نہ شباب کا ذکر

---

(۱) سورة الشعراء: ۲۲٤

آیا، نہ جنوں نے اپنا حد پار کیا، نہ کوئی لیلیٰ سر بازار بدنام ہوئی؛ بلکہ ان کے اشعار نے دنیا کو پاکیزگی کی تعلیم دی، عشق الٰہی اور حب محمدی کا پاٹ پڑھایا، حب الوطنی اور ملی سرفروشی کا سبق سکھلایا۔ کسی عظیم مجاہد کے کارناموں کو کبھی خراج پیش کیا گیا؛ تو کبھی کسی کی علمی عظمت کا کھل کر اعتراف کیا گیا۔ ان کے اشعار نے تاریخ سخنوری کے دھارے موڑ دیے، ایک نئی سوچ دی، ایک نئی فکر سے دنیا کو آشنا کیا، علم وادب کے متوالوں اور اقلیم سخن کے پاسبانوں کو یہ سبق پڑھایا کہ اشعار کی خوبیاں بے ہودہ باتوں اور شراب و شباب کے ذکر میں مضمر نہیں؛ بلکہ فن سخنوری کے آسمان پر فکروشعور کی پاکیزگی، حقیقت بیانی اور لفظ کی صداقت کے ساتھ بھی اپنے ماہ وانجم سجائے جاسکتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ کبھی کبھی ان کے قصائد تشبیب سے شروع ہوتے ہیں؛ لیکن ان کا مقصد صرف متقدمین عرب شعراء کے منہج کی اتباع اور کلام میں حسن پیدا کرنا ہے۔ ابنائے دارالعلوم اپنے قصیدے اور مرثیوں میں اپنے ممدوح کی تعریف کرتے ہیں، اپنے اساتذہ کو خراج عقیدت پیش کرتے ہیں، ان کے علمی روحانی کمالات کا ذکر اس انداز سے کرتے ہیں کہ جاہلی شعراء کی یاد تازہ ہوجاتی ہے۔ ڈاکٹر زبیر احمد فاروقی کہتے ہیں:

”ولذلك يمتاز شعرهم بكامل النقاء لفظاً و معنىً ويمكن أن نقول أن شعرهم يقارب الشعر الجاهلي أسلوباً والشعر الإسلامي معنىً و مضموناً. (۱)

فضلائے دارالعلوم کے اشعار کے مطالعہ کے دوران یہ سوال ابھر کر سامنے آتا ہے؛ کہ جن دنوں یہ شعراء طبع آزمائی کررہے تھے، انہیں ایام میں پورے عالم عربی میں نئی ادبی تحریک کروٹیں لے رہی تھی۔ متعدد ابنائے دارالعلوم نے اس نئی تحریک کا زمانہ پایا؛ پھر کیوں ان علماء نے اسی قدیم منہج اور اسلوب میں طبع آزمائی کی۔ آخر کیا وجہ تھی کہ نئی ادبی تحریک، نئی فکر اور نئی سوچ انہیں متاثر نہ کرسکی۔ یہ ایک اہم سوال ہے۔ اگر ہمیں اس کے جواب کی تلاش ہے؛ تو ہمیں گہرائی سے ان عوامل واسباب کا مطالعہ کرنا ہوگا؛ جس کے تحت دارالعلوم کے علماء نے شاعری کی۔ یہ بات پہلے ہی ذکر کی جاچکی ہے؛ کہ اس میدان میں طبع آزمائی اور فن شاعری کبھی بھی علمائے دارالعلوم کی نظر میں اہمیت کا حامل نہیں

---

(۱) مساهمة دار العلوم بديوبند في الأدبي العربي، ص: ۹۰

رہی ہے۔ان علماء کی عبقری شخصیت کا ایک پہلو شعر گوئی بھی تھا اور غالبًا؛اسی لیے انہوں نے اس میدان میں بھی کچھ ہاتھ دکھلائے، ورنہ تو انہوں نے بحثیت فن اسے کبھی نہیں برتا۔شاید یہی وجہ ہے کہ اس زمانہ میں جو جدید ادبی تحریک عربی دنیا میں چل رہی تھی ان کی طرف ان علماء نے کبھی نظر التفات نہیں کی۔دوسری وجہ دار العلوم کا منہج درس اور نصاب ہے۔دار العلوم اور اس کے تابع مدارس کے نصاب میں جو ادبی سرمایہ شامل کیا گیا ہے، وہ جاہلی اور قدیم ادب ہے۔جاہلی شعراء کے کلام جیسے معلقات، اموی اور عباسی دور کے شعراء کے کلام جیسے حماسہ ابو تمام اور دیوان متنبیّ جیسی کتابیں داخل نصاب ہیں۔ظاہر ہے کہ ان کے سامنے قدیم شعراء کے اسلوب اور منہج کا نمونہ تھا، اس لیے انہوں نے اپنی شاعری میں متقدمین شعراء کے اسلوب کی پیروی کی۔ڈاکٹر زبیر احمد فاروقی کہتے ہیں:

''حد تو یہ ہے کہ جدید عربی ادب اور جدید نثر بھی ان علماء کی نظر میں کوئی لائق توجہ چیز نہیں تھی اور نہ اسے نصاب کا حصہ بنایا گیا۔ہاں یہ اور سی بات ہے کہ گزشتہ چند سالوں میں جدید نثر کو قابل توجہ سمجھا گیا۔رہی نئی شاعری تو وہ آج بھی ان کی نظر میں لائق توجہ نہیں ہے۔''(۱)

یہ بھی ایک حقیقت ہے؛ کہ ابنائے دار العلوم شاعری میں کسی جدید اسلوب کے موجد نہیں ہیں، لیکن اس کے باوجود عالم عربی اور عالم اسلام سے انہوں نے خوب خوب داد تحسین وصول کی۔عالم اسلام نے اس لیے بھی ان کا اعتراف کیا؛ کہ مختلف علوم اسلامی تفسیر، علوم قرآن، حدیث، فقہ، اصول فقہ، اصول حدیث ایسے دسیوں فنون میں مہارت کے ساتھ ساتھ انہوں نے شاعری میں بھی اپنے امتیازات کے پرچم لہرائے ہیں۔اگر علمائے دار العلوم نے شاعری کی طرف دس فیصد بھی توجہ کی ہوتی، تو شاید آج عربی زبان وادب ان کی شاعری سے مالا مال ہوتا۔ان علماء نے شاعری میں جاہلی، مخضرمی، اسلامی، عباسی اور اموی دور کے بڑے بڑے شعراء کے اسلوب کی پیروی کی۔اس لیے ان کی شاعری میں انہیں کی جھلک نظر آتی ہے۔ڈاکٹر فاروقی رقم طراز ہیں:

''والحق يقال أنه لو كان هولاء العلماء اعتنوا بالشعر بقدر إعتنائهم بالحديث والتفسير والعلوم الدينية الأخرىٰ لكان لهم

---

(۱) مساهمة دار العلوم بديوبند في الأدبي العربي، ص:۹۲

مكـان مـرموق في صفحات تاريخ الأدب العربي كشعراء أفذاذ، لا تـقـل مـنـزلتهـم عـن الـحسـان والـمتنبي وأبي تمام والبحتري وأبي الـعتاهية وابـن الرومي، غيرأن الشعر لم يكن موضع العناية الرئيسة لـديهـم ولم يهتم أحد منهم أومن خلفهم بجمع أشعارهم في دواوين ولـذلک لیـس مـن الـمستبعد أنه قد ضاع الكثيرمن نتائج قرائحم المبدعة.(۱)

ابنائے دار العلوم کے اشعار دو اہم حصوں میں تقسیم کیے جاسکتے ہیں۔

الف: قصیدے

ب: مرثیے۔

قصیدے:

ابنائے دار العلوم کے قصیدے اسلوب اور الفاظ کے اعتبار سے گو جاہلی اموی اور عباسی دور کے شعراء کے قصیدوں کے ہم پلہ نظر آتے ہیں، لیکن موضوعات اور معانی کے اعتبار سے ان سے بالکل مختلف ہیں۔ فصاحت بیان، صنعت لفظی وغیرہ میں یہ قصیدے جاہلی اموی اور عباسی قصیدوں سے اس قدر ہم آہنگ ہیں؛ کہ اگر ان میں شامل کر دیا جائے؛ تو اس اعتبار سے اس کی شناخت مشکل ہو جائے گی، لیکن مضمون و معانی اور موضوعات کے اعتبار سے دونوں کے درمیان مشرق و مغرب کی دوری ہے۔ جاہلی قصیدوں میں زیادہ تر خاندانی فخر ومباہات، دوسرے قبیلوں پر اپنی برتری، اپنے قبیلے اور افراد کی بے جا اور بجا تعریفیں، شراب و شباب کا تذکرہ اور بے ہودہ و گمراہ کن افکار و نظریات کو شاعر قافیہ و ردیف کی زنجیروں جکڑ کر پیش کرتا ہے، تو اموی دور کے قصیدے شاہان وقت کی تعریف، انعامات اور عہدے کی لالچ، بادشاہ وقت کی خاندانی وجاہتوں کا ذکر، دوسروں پر الزام تراشی، عیب جوئی، دشمن قبیلوں کی ہجو جیسے موضوعات سے پُر ہیں، لیکن علمائے دیوبند اور ان کے اشعار کو ہجو، خاندانی فخر و مباہات، قبائلی تعصب وغیرہ سے بلا کا بیر ہے۔ ان کے اشعار ان نقائص سے پاک اسلامی اخلاق و اقدار کی نمائندگی کرتے ہیں۔ انہوں نے کبھی اس فن کو عہدے اور مناصب کے حصول کا ذریعہ نہیں بنایا، نہ ہی دولت و ثروت کی چاہت ان کے اشعار کو آلودہ کر سکی۔

(۱) مساهمة دار العلوم بديوبند في الأدبي العربي، ص: ۹۲

ابنائے دیوبند کے قصیدوں کے بنیادی موضوعات حسب ذیل ہیں:

۱۔ حمد ومناجات

۲۔ نعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم

۳۔ مدح

۴۔ وصف

۵۔ استقبال اور مبارکبادیاں (ترحیب وتہنیۃ)

۶۔ وعظ ونصیحت

۷۔ بعض دیگر موضوعات

حمد ومناجات:

دارالعلوم کے فیض یافتگان کی حمدوں کی تعداد اچھی خاصی ہے۔ان میں بعض تو مستقل حمد ہیں اور بعض میں دعاء اور مناجات بھی شامل ہے۔ان میں مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی کا قصیدہ ''دعاء المضطر''، مفتی کفایت اللہ دہلوی (۱) کی حمد، مولانا ادریس کاندھلوی کی مشہور حمد ''رائۃ الحمد

---

(۱) فقیہ، محدث، سیاسی مدبر، مفکر، مجاہد آزادی، مفتی اعظم، شیخ الہند کے تلمیذ رشید مفتی کفایت اللہ بن عنایت اللہ دہلوی کی ولادت 1292ھ/1875ء میں شاہجہاں پور یوپی میں ہوئی۔شاہی مراد آباد اور دیگر مدرسوں میں تعلیم حاصل کرتے ہوئے 1312ھ میں دارالعلوم دیوبند تشریف لائے۔22 سال کی عمر 1315ھ میں دارالعلوم سے فراغت حاصل کی۔آپ کے اساتذہ میں علامہ خلیل احمد سہارنپوری، شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبند، مولانا غلام رسول ہزاروی جیسے عبقری شخصیات ہیں۔آپ جمعیت علماء ہند کے بانیوں میں ہیں۔1919ء سے 1940ء تک جمعیت علماء ہند کے صدر رہے۔ فراغت کے بعد مدرسہ عین العلوم میں تدریسی خدمات انجام دی۔1320ھ میں مدرسہ امینیہ دہلی میں تشریف لے آئے اور مہتمم کے عہدہ پر فائز ہوئے۔مدرسہ امینیہ کا یہی وہ سنہری دور ہے، جب اس کی شہرت عالم گیر ہوئی۔آپ نہایت ہی نفیس طبیعت کے مالک تھے، کیا مجال کہ کپڑے پر ہلکا سا داغ دھبہ آجائے، یہ نفاست پسندی نشست وبرخاست، درس وتدریس ہر جگہ یکساں نظر آتی تھی۔مومنانہ فراست، اور ذکاوت میں اپنی مثال آپ تھے۔یہی وجہ ہے کہ شیخ الہند نے یہ وصیت فرمائی کہ انہیں ہمیشہ جمعیت علماء ہند کے ورکنگ کمیٹی میں رکھا جائے، وہ انڈین نیشنل کانگریس کی ورکنگ کمیٹی میں مدعوئے خصوصی ہوتے تھے۔ دسیوں مرتبہ دیکھا گیا کہ انہیں کی رائے پر گاندھی جی نے عمل کیا۔86 سال کی عمر کینسر کی مرض کی وجہ سے 13 ربیع الثانی 1372ء/31 دسمبر 1952ء کو وفات پائی اور دہلی کے ایک قبرستان میں مصروف خواب ہیں۔ان کی اہم تصنیفات میں روض الریاضین، (عربی قصیدہ) تعلیم الاسلام، مجموعہ فتاویٰ کفایت المفتی، بہت ہی اہم ہیں۔(دیکھئے: تذکرہ مشاہیر ہند، از اسیر ادروی، تاریخ دارالعلوم، از سید محبوب رضوی، ص 55-53)

والثناء والدعاء والمناجات ''، مفتی شفیع صاحب کی حمد ''التجا إلیٰ اللّٰہ'' وغیرہ ایسے قصیدے ہیں، جن میں شاعر نے حمد و مناجات کو ساتھ ساتھ بیان کیا ہے۔ ان قصیدوں کے ابتدائی اشعار حمد باری پر مشتمل ہیں، تو اخیر میں شاعر نے بارگاہ الٰہی میں اپنی بے کسی، بے چینی، بے کلی اور اضطراب کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے سامنے دست سوال بلند کیا ہے۔ ان قصیدوں میں فنی اعتبار سے سب سے عمدہ قصیدہ شیخ حبیب الرحمٰن کا ''دعاء المضطر'' ہے۔ شیخ حبیب الرحمٰن نے اس قصیدے کو مبارک قصیدۂ بردہ کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کی ہے۔ قصیدے کا ہر شعر اعلیٰ ترین شاعری کا نمونہ ہے۔ فصاحت و بلاغت، الفاظ کی نشست برخواست میں تو وہ بڑے بڑے شعراء پر فوقیت لے گئے ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ امرأ القیس، زہیر، نابغہ، یا شاید فرزدق شیخ حبیب الرحمٰن کی زبان سے بول رہا ہے۔ اگر میں حلول کا قائل ہوتا تو کہہ دیتا کہ امرأ القیس (۱) کی روح شیخ عثمانی میں حلول کر گئی ہے۔ یہ قصیدہ ۱۲۱/اشعار پر مشتمل ہے۔ نمونے کے چند شعر دیکھئے اور قصیدہ کا مزہ لیجئے:

دعا وّدعا ریم الظباء وأودعا — بدور الحمیٰ في الحي رهنا مضیعا

وسمراً وسُماراً ولحظا وصبوة — وربعا خلاء دارس الرسم أقرعا

وهجرا وصرما واصطبارا وسلوة — دنانا وخمارا وراحا مشعشعا

وقولا لطیف سارفي غسق الدجیٰ — بمثل أطلالا مصیقا ومربعا

وحورا وعینا یُستلذ عِناقُها — وتعرض للتقبیل خدّاً ممنعا

---

(۱) ملک الضلیل کے لقب سے مشہور، تاریخ ادب عربی کے سب سے بڑے شاعروں میں سے ایک امرأ القیس بن حجر الکندی کی ولادت 500ء میں ہوئی۔ امراء القیس نے بہت چھوٹی عمر پائی لیکن کارنامہ بڑا کیا، صرف 38 یا 39 سال کی عمر میں 540ء میں وفات ہوگئی۔ وہ عرب شاعروں کا سردار تھا، کہا جاتا ہے کہ تاریخ اور وصف کے بیان میں امرأ القیس سے بڑا شاعر اس دھرتی پر پیدا نہیں ہوا۔ امرأ القیس کا تعلق قبیلہ کندہ سے تھا۔ اس کی مختلف القاب کتابوں میں ملتے ہیں الملک الضلیل، ذوالقروح، وغیرہ نام سے تاریخ میں انہیں یاد کیا جاتا ہے۔ امرأ القیس نے یوں تو سینکڑوں قصیدے کہے لیکن جو دوام ان کے معلقات کو حاصل ہوا وہ کسی اور قصیدے کے حصہ میں نہیں آیا۔ امرأ القیس نے اپنا معلقہ چھٹی صدی عیسوی میں کہا تھا، یہ تاریخ ادب عربی کے مشہور معلقات میں ایک ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ معلقات تاریخ ادب عربی کے سب سے بہترین قصیدے ہیں، اس سے عمدہ شعر آج تک کسی شاعر نے نہیں کہا، اس معلقہ میں بعض روایتوں کے مطابق 77 بعض کے مطابق 81 اور بعض کے مطابق 92 اشعار ہیں۔ یہ قصیدے بحر طویل میں ہیں۔ (دیکھئے: کتاب الجامع فی تاریخ الادب العربی، حنا الفاخوری، ص 176، وشرح المعلقات السبع، از حسین ابن احمد الزوزنی)

چند اشعار کے بعد کہتے ہیں:

فكم اندب النفس التي لا إخالها   تجيب نصيحا أو تحاول منزعا
وكم أتلظى جمرة من شقائها   وكم اترجى أن تنيب وتوجعا
هناك لا أرجو سوىٰ اللّٰه ملجأً   ولا دون فزعى بابه لي مفرغا
إلٰهي فأنت البرد والطول غافر   تجيب نداء المستغيث إذا دعا
أتاك الاهي خائف متضرع   بئيس كسير القلب ولهان موجعا
ومعترف أني خلطت بصالح   ذنوباً هوت منها الجبال تصدعا
أتيتك لا أرجو سواك ولا أرىٰ   لنفسى منحازاً ولا متفرعا
أتيتك والغبراء ضاق نطاقها   علىٰ وشق الهم صدرا وأضلعا
ولطفك سوانى ولطفك صاغني   بأحسن تقويم سويا مرعرعا
ولطفك في صلب الجدود أحاط بي   ولطفك ربانى جنيناً ومرضعاً
ولطفك أعطاني بهدي محمد   سبيلاً نقياً واضحاً ثم منجعاً

(۱)

مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی کا ایک دوسرا قصیدہ ''اخلاقیہ مناجاتیہ'' ہے۔ جو ''حکمۃ الشعر'' کے نام سے مشہور ہے۔ اس قصیدے میں ۷۱ر اشعار ہیں۔ قصیدے پر شیخ الادب مولانا اعزاز علی دیوبندی کا مقدمہ ہے۔ مقدمہ میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ ''اس قصیدے میں بیس طرح کی صنعت لفظی سے کام لیا گیا ہے:

قصیدے کے چند اشعار یہ ہیں:

لا تيأسن إن يصبك ضراء   ففي غد يعقب الضراء سراء
الدهر ذوغير والناس في عبر   والحال منقلب بؤس ونعماء
بينا ينوبك أهوال تزول بها   شم الجبال ورضت منه صماء
إذهبت الريح يتلوها ببرقة   من وابل اللطف مدراء وسماء

---

(۱) معین اللبیب فی جمع قصائد الحبیب ،شیخ حبیب الرحمن عثمانی، ص: ۷۔۱،ط: مکتبہ اعزازیہ دیوبند ۱۹۳۲ء

فاختر لنفسک ما یرضیٰ الإلٰه به　　في حالتیک ولا یقلقک إرزاء
(۱)

مفتی کفایت اللہ دہلوی کی حمد بھی بڑی شاندار اور اپنے اندر ادبی باریکیاں، اور خوبیاں سموئے ہوئے ہے۔ اس قصیدے میں ۱۹/اشعار ہیں۔ پہلے ۱۳/اشعار حمد خداوندی کے لیے خاص ہیں، جب کہ اخیر کے اشعار نعت کے ہیں۔ چند اشعار آپ بھی سن لیجئے:

حمد الک اللّٰھم ربي بالغا　　أقصیٰ المدیٰ من قوة الإنسان
حمدا کما أنت أصطفیت لنفسک　　أسمٰی المحامد محکم الأرکان
ثم الصلوة علیٰ الذي قد جاء نا　　بشریعة غراء ذات أمان
ثم الذین اختارهم مولا هم　　لتحمل الخبار والقرآن
حازوا الفضائل ثم فازوا بالمنٰی　　وسقوا شراب الفضل والرضوان
(۲)

علامہ ادریس کاندھلوی کے مشہور قصیدہ ''قصیدة رائیة الحمد والثناء والمناجاة'' کے چند اشعار ملاحظہ کیجئے۔

لک الحمد والتقدیس والمجد کله　　تبارک یا رب السماوات والثریٰ
لک الکبریاء والخلق والامر کله　　تعالیت ما أولاک بالحمد أجدرا
لک الفضل والنعماء والشکر کله　　فنعماک جلت أن تعد وتحصرا
ومن ذی الذي یحصی ثناء ومدحة　　وإن بالغ المثني وأکثر أکثرا
ولو أن ما فی الکون من کل کائن　　لسان یدیم الحمد کان مقصرا
رضیت بک الإلٰه ربا ومالکا　　وبالمصطفی الهادي رسولا مبشرا
وبالملة البیضاء دینا وشرعة　　عسی أن أردن یوم القیامة کوثرا
وبالذکر والطاعات عمر جوارحي　　وبالعلم والعرفان قلبي نورا
وأسألک اللّٰھم تعجیل رحمة　　فمن جوهر التعجیل عبدک خمرا
(۳)

---

(۱) قصیدہ اخلاقیہ مناجاتیہ، ص: ۳۰۔۹، ط: قاسمیہ دیوبند

(۲) روض الریاحین، مفتی کفایت اللّٰہ دهلوی

(۳) تذکرہ مولانا ادریس کاندھلوی، محمد میاں صدیقي، ص: ۲۲۷۔۲۲۹، ط: مکتبہ عثمانیہ لاہور ۱۹۷۷ء

مفتیٔ اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب کی حمد ''المناجات والالتجاء'' میں ۲۸ راشعار ہیں۔ چند اشعار آپ بھی سنئے۔

أزال الشيب رب سواد شعري	فهل لسواد وجهي من مزيل
أطعت مطا معي فاستعبدتني	علىٰ ذل إلىٰ مرعى ويمل
فها أنا عبدك الجاني مقرا	وملتجئا الى عفو جميل
أشكو إلىٰ اللّٰه العلىٰ الأمجد	دهراً رماني بالمقيم المقعد
أقضي نهاري بالحديث وبالمنىٰ	والليل أنكد منه هل من منجد

(۱)

اور جب اپنے رب کریم سے یہ عاجز بندہ سرگوشیاں کرتا ہے؛ تو یہی مناجات اور سرگوشیاں شعر کے قالب میں اس طرح ڈھلتے ہیں:

طالما فرطت فيما قد مضىٰ	فاغتنم باقي الحياة فاغتنم
كم تظل سادرا مستهتراً	كم تبيت لا تبالي بالتهم
كم ترىٰ في ذي الملاهي لاهيا	ساهيا والشيب في الرأس ألم
كل فكر في هواها فاعلمن	حسرة يوم التنادي وندم
يا كريم الصفح يا رب النعم	يا إلٰه الخلق يا باري النسم
قد أتىٰ عبد ذليل مذنب	ليس في إعداده إلا الندم
بعد ما أفنىٰ وأودىٰ عمره	في المعاصي والملاهي واللّمم
ضاقت الدنيا عليه وسعها	شدت البلوىٰ به والخطب عم

(۲)

نعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم:

نعت گوئی دارالعلوم دیوبند کے فضلاء کا بڑا محبوب مشغلہ رہا ہے۔ عشق نبی کے جو گھونٹ انہیں پلائے گئے، اس کے اثرات ان کی زندگی ہی میں نہیں؛ بلکہ ان کی تحریروں، تقریروں اور اشعار میں بھی جھلکتے ہیں۔ دارالعلوم دیوبند کی شہرت علم حدیث کی وجہ سے ہے۔ اس کے فضلاء پوری دنیا میں

(۱) نفحات، مفتی محمد شفیع دیوبندی، ص: ۲۹، ط: ادارۃ المعارف کراچی، ۱۹۷۳ء

(۲) حوالہ سابق، ص: ۹۵-۹۳

اس مبارک فن کی وجہ سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔ دار العلوم نے ایسے ایسے محدثین پیدا کئے جن کا ثانی نہیں ہے۔ حدیث نبوی سے بے پناہ تعلق عشق محمدی کی بنیاد پر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے علمائے دیوبند کو اپنے رسول کی محبت کی جو شراب پلائی ہے، اس سے سرمست ہو کر جب ان کی محبت قافیہ و ردیف کے بندھن میں بندھ کر سامنے آتی ہے، تو نعت کے ہزاروں اشعار جنم لیتے ہیں۔ ان اشعار میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ محبت و عقیدت، اہل بیت سے پیار، حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ان کے قلبی لگاؤ اور محبت، اسلام پر جاںنثاری کا جذبہ، آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سب کچھ قربان کر دینے کا سبق اور حوصلہ ملتا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ دل کی گہرائیوں میں چھپی بے پناہ محبت و پیار الفاظ کے سانچے میں ڈھل کر صفحۂ قرطاس پر آ گئے ہیں۔ ابنائے دار العلوم کی نعتیہ سرمائے میں سب سے طویل نعت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی کی ہے جو ''لامية المعجزات'' یا ''مائة معجزة'' یعنی سو معجزات کے نام سے مشہور ہے۔ مولانا کی اس نعت میں ۳۵۸/اشعار ہیں۔ ابتدائی اشعار میں شاعر اپنے آپ سے مخاطب ہے اپنی غفلتوں پر تنبیہ کر رہا ہے، پھر بعثت مبارک سے سے پہلے دنیا کی تاریکیوں، اناریکیوں، ظلم و جور، فسق و فجور، قتل و غارت گری، عورتوں کے ساتھ ناروا سلوک، بیٹیوں کا زندہ در گور کیے جانے کی تاریک تاریخ ہے۔ پھر ۱۹۰/اشعار میں آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سو معجزات کو ذکر کئے ہیں۔ ان ۹۰/اشعار کو ۷/قسموں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ قصیدہ کا اختتامیہ ۱۲/اشعار پر مشتمل ہے؛ جس میں امت کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کی حفاظت کی ترغیب دی گئی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ طویل ترین قصیدہ مولانا عثمانی کے فن سخنوری کا اعجاز ہے۔ تعبیر کا حسن، خیالات کی ندرت، زبان و بیان میں دریا سی روانی، الفاظ کی چاشنی، ترکیب کی نیرنگی، فکر کی بلندی اور فصاحت و بلاغت کا زور علامہ عثمانی کی شاعری کو اپنے عصر سے نکال کر جاہلی دور کا ہم رکاب بناتا ہے۔ وہ کبھی امراؤ القیس کی ہم نشیں دکھائی پڑتے ہیں، تو کبھی نابغہ کے ہم سفر ان کا شعری سفر اسی شاہراہ پر تیز خرام نظر آتا ہے، جو جاہلی و مخضرمی شعراء نے اپنے لیے منتخب کیا تھا۔ چند اشعار آپ بھی سنئے:

أيها المحتال في ثوب الأمل — والمباهي بطراز في الحلل

والمجاری في ميادين الخ — قد دنت منک مرارات الأجل

أنت في تيه العمىٰ تبغي المنىٰ　　والمنايا كثّرت ناب الوَجَل

أنت في لهو وزهو تجتني　　من ثمار موبقات مَن أكل

(۱)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے پہلے دنیا کی حالت زار پر اشکبار قلم دل کا درد کرب وقافیہ وردیف کے سانچہ میں ڈھال کر کچھ یوں بکھیرتا ہے۔

كان في الدنيا ظلام مبسلُ　　ليس لأنوار فيها من شعل

يعبد الأقوام أصناماً لهم　　بسجود وطواف ورمل

كل قوم مدهم طاغوتهم　　يُمرغون عنده وجهاً أذل

منهم من يعبد العزىٰ عمىً　　ومنهم من يستغيث بالمهل

(۲)

دنیا کی گمراہی وضلالت اور تاریکیوں پر رونے دھونے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کا تذکرہ جمیل اس شان سے کرتے ہیں کہ دل ونگاہ روشن ہو جاتی ہے، پڑھنے اور سننے والا شاعر کے ساتھ اسی ماحول میں پرواز کرتا ہے، اور خود کو آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے استقبال کے لیے پر جوش انداز میں تیار کرنے لگتا ہے۔ سنئے اور سر دھنئے:

فاستنارت إذبدأ أنواره　　وامتلأ بالضوء سهل وجبل

قد حباه اللّٰه ملكاً واسعاً　　فأمحىٰ الأديان وانساخ الدول

أخرج الأوثان عن بيت الهُدىٰ　　وامحت ظلمات عزىٰ وهبل

كُسِرَ الصلبانُ في بيعاتها　　وانطفت نيران كِسرىٰ وأفل

(۳)

اب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کا ذکر بڑی خوبصورت تمہید کے ساتھ شروع کرتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے بڑے اور عظیم معجزہ قرآن کریم کا ذکر بڑے ہی دل آویز انداز میں کرتے ہوئے اس کی فضیلت کچھ اس طرح بیان کرتے ہیں:

---

(۱)　معين اللبيب، ص: ۷

(۲)　معين اللبيب، ص ۹۔۱۰

(۳)　معين اللبيب، ص ۱۰

هاک قرآناً مبیناً فاستمع — لم یزل إعجازه منذ نزل
فیه تعجیزلهم عن مثله — مَن أطاق مثله قولاً یقلُ
منه إعجاز الکلام قد بدأ — مابه خُصّ سوىٰ خَتَمَ الرُسُلُ
کثرة الردِّ به لم یُبْلِه — و بتکرار التُلاۃ لم یملُ
تعتري منه القلوب روعة — والجلود وتقشعِرٌّ بالوجل
(۱)

مولانا عثمانی کا ایک اور طویل قصیدہ ''بائیة المعجزات ''قصیدہ لامیہ ہی کے طرز پر ہے۔اس قصیدے میں ۱۹۸/اشعار ہیں۔مولانا نے اس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان سو معجزات کا ذکر کیا ہے، جو قصیدہ لامیہ میں آنے سے رہ گئے تھے۔یہ قصیدہ شاعری کی فنی باریکیوں پر آپ کی دسترس پر شاہد عدل ہے۔اپنے اسلوب کے اعتبار سے متقدمین شعراء کے قصیدوں کے ہم پلہ ہے۔جلوہ فن آپ بھی ملاحظہ کیجئے۔

جمعت في النظم من إعجازه مائة — أخرىٰ علىٰ ما تراها صفوة نخبا
جواهر نضدت دُرّ منظَمَةٌ — علق نفیس بربک الذر مخشلبا
أوصىٰ لعثمان لا تخلع إذا سألوا — ما قمّص اللّٰه من ثوب العلیٰ وحبا
أوصىٰ علیا قتال الناکثین له — والقاسطین إذا ما أحدثوا شغبا
وإذ رأوہ یصلي الصبح واستمعوا — بذات نخلة قرآنا قضوا عجبا
(۲)

دار العلوم کے مایہ افتخار علامہ انور شاہ کشمیری کے متعدد نعتیہ قصیدے ہیں، جس کا ذکر ان شاء اللہ پوری تفصیل سے متعلقہ باب میں آئے گا۔اس لیے ہم یہاں علامہ کے قصیدوں سے صرف نظر کرتے ہوئے دیگر شعراء کے نعتیہ اشعار کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں۔

علامہ انور شاہ کشمیری کے مایہ ناز شاگرد، علوم انوری کے امین، کمالات انوری کے پرتو علامہ محمد یوسف بنوری کی عربی زبان وادب پر دسترس، عربی شاعری میں ان کے کمالات وفتوحات کا اعتراف خود عربوں نے کیا ہے۔علامہ بنوری نے بھی متعدد نعتیہ قصیدے کہے ہیں۔ان قصیدوں کی خوبی بر

---

(۱) معین اللبیب ، ص:۱۱

(۲) معین اللبیب ،ص:۲۳

جستگی اور اسلوب کی جدت ہے۔علامہ بنوری کا ایک قصیدہ ''الاسراء والمعراج '' ہے، جو مصر سے شائع ہونے والے مشہور مجلّہ الاسلام کے خصوصی شمارہ میں ۲۸ رجب ۱۳۵۷ھ کو شائع ہوا۔اس قصیدے کی فنی خوبیوں، برجستگی، اسلوب کی ندرت اور کمال اعتراف کا خود عرب نقادوں اور شعراء نے کھلے دل سے کیا ہے۔پورے عالم عربی سے علامہ کو مبارکبادیوں کے پیغامات ملے۔اس قصیدہ کی ایک خوبی یہ ہے کہ قصیدہ تشبیب کے اشعار سے شروع ہوتا ہے۔ملاحظہ ہو''تشبیب'' کے یہ اشعار۔

هام الفواد بحب العيد وا أسفا — فمقلتي مزنها بالوجد قد وكفا
فالنفس تصلىٰ بنار الحب من وله — والعقل في شرك الأهواء قد خطفا
قد كنت أحسب أن العز مبتعد — عن الغرام وما أن خلته شرفا
حتىٰ غدا لي شغلا شاغلا أبدا — وصرت بالصد والهجر ان ملتحضا
(۱)

نعت نبی میں ان کا ایک دوسرا قصیدہ ۳۷ اشعار پر مشتمل ہے۔اس قصیدہ میں علامہ بنوری نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شمائل کو بڑی خوبصورتی سے نظم کیا ہے۔سلاست، متانت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس کی مناسبت سے الفاظ کی پرشکوہ عمارت کھڑی کی گئی ہے۔ملاحظہ ہو اس نعت کے چند اشعار۔

طاف الخيال من الحبيب فزارا — فاهتز قلب المستهام وطارا
سرت المسرة في العروق جميعها — كدم الحياة سرىٰ هناك ودارا
طيف بدأ يجلو الهموم رواحه — روح الحياة و سرّه إذ سارا
قرلعيون بشيمة من برقه — فله جمال يعجب الأبصارا
(۲)

دار العلوم کے عظیم فرزند شیخ الادب مولانا اعزاز علی دیوبندی کو اللہ تعالیٰ کے خزانہ علم سے شعر و سخن کی فطری صلاحیتیں عطا کی گئیں تھیں، کہ الفاظ ان کے حضور آ کر خود بخود اشعار کے قالب میں ڈھل جایا کرتے تھے۔ان کا اسلوب بڑا ہی نرالا، تصنع اور تکلف سے پاک، سادہ اور سہل ہے۔اشعار میں دریا کی روانی اور سمندر کا طلاطم دونوں ساتھ ساتھ چلتا ہے۔۱۳۳۹ھ میں دیار حبیب کی زیارت کا

(۱) مجلّہ البینات، کراچی، خصوصی شمارہ۔جنوری-فروری ۱۹۷۸ء ص:۲۱

(۲) حوالہ سابق ص:۲۱۱

شرف حاصل ہوا۔اس موقع پر برجستہ نعتیہ اشعار زبان سے جاری ہوئے۔ان کا یہ قصیدہ ۳۸ر اشعار پر مشتمل ہے۔چند اشعار آپ بھی پڑھیے اور عشق نبی کے شبنم سے اپنے دل کے پھولوں کو ٹھنڈا کیجئے۔

رسول اللّٰه جئتک مستعیذا　　علیک صلٰوة ربي والسلام

کئیبا مستغیثا مستعینا　　علیٰ نفس تضیم ولا تنام

غریب جاء من أرض غریب　　ولیس له رفاق أو ندام

ومسته البلایا والرزایا　　یقلبه البساط فلا ینام

له قلب ولا تحصیٰ مناء　　له ندم ولیس له کلام

رغبت إلیٰ معاص موبقات　　وألهاني من الدنیا جهام

معاص قد حوت ساعات عمري　　فلا یخلو قعود أو قیام

صحائف سیئات أقدمتني　　إلیٰ من یستغیث به الأنام

رسول اللّٰه خذ بیدی فإني　　جریح لا لجرحته التئام

وإنک خیر من رکب المطایا　　وقدرک لیس یدریه اللئام

علوت مکانة من مدح نفس　　عصي خائب فیما یرام

(۱)

ناموران دار العلوم میں سے ایک مفتی محمد شفیع صاحب مفتیٔ اعظم پاکستان ہیں۔آپ کے اشعار کا امتیاز حلاوت، چاشنی، سبک روی، زور بیان اور سہل پسندی ہے۔آپ کے بھی متعدد نعتیہ قصیدے ہیں۔ان کا قصیدہ ''الحنین الیٰ الحجاز'' میں ۲۸ر اشعار ہیں۔دو تین شعر آپ بھی ملاحظہ کیجئے۔

لنفسي في أرض الحجاز مآرب　　وأني إلیٰ البطحاء سار وسارب

لقد نبتت في القلب منها مودة　　کما ثبتت في الأنملات الرواجب

فمن عادتي حب الحجاز لأهلها　　الکرام وأن تقضي إلیها الرکائب

وإن أسقیٰ الأطلال بالدمع کلما　　بدت لي من أرض الحجاز السباسب

(۲)

---

(۱)　تذکرة الإعزاز، ص: ۹۸، مولانا انظر شاہ کشمیری، ط: دهلی

(۲)　نفحات، ص: ۴۳

جن علمائے دیوبند نے اس مبارک صنف میں طبع آزمائی کی، ان میں ایک اہم نام مولانا ادریس کاندھلوی کا ہے۔ کسی موضوع کو نظم کر دینے میں آپ کو بڑی مہارت حاصل تھی۔ آپ کی شاعری کا امتیاز، سہل وسلیس اسلوب، تعقید لفظی اور معنوی سے اجتناب، مشکل ترکیبوں سے پرہیز ہے۔ آپ نے بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان مبارک میں متعدد نعتیں لکھیں، جن میں کچھ قصیدے بڑے طویل ہیں اور کچھ چھوٹے ہیں۔ ان کا سب سے طویل قصیدہ ''لامية المعراج'' ہے۔ خود شاعر کو یہ قصیدہ بے پناہ پسند تھا اور اکثر اس کے اشعار گنگنایا کرتے تھے۔ آپ بھی چند اشعار پڑھئے اور اپنے دل میں عشق نبی کا دیا جلائیے۔

ألاليت شعري هل يقولن مقولي	قصيدا بإسراء النبي المبجل
فسبحان من أسرىٰ بليل بعبده	إلىٰ المسجد الأقصىٰ إلىٰ عرشه العلي
تمطي براقا خطوه مد طرفه	كبرق وليس البرق منه بأعجل
فلاح كبدر في الكواكب كامل	فيا للإحتفال الكواكب مخجل
وقال له الروح الأمين تقدم	وأمم جميع الرُسُلِ خير مرسل
فأنت إمام الأنبياء وخطيبهم	ومصباحهم في كل نادٍ ومحفلٍ
رآه رآه دون شك وريبة	وما زاغت العينان عن نوره الجلي
رآه بعيني رأسه وفؤاده	رواه ابن عباس صحيح مسلسل
وليس محالاً أن يرىٰ العبد ربه	بغير محاذاة وابن وهيكل
و معراجه كان بالجسم يقظة	كما هو منطوق بالكتاب المفضل

(۱)

یہ قصیدہ ۱۲۶/اشعار پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ بھی آپ کے متعدد نعتیہ قصیدے ہیں۔

ان شعراء کے علاوہ دار العلوم کے جن فضلاء نے اس صنف میں طبع آزمائی کی؛ ان میں مولانا عبد الرحمٰن سیوہاروی بھی ہیں؛ جن کے متعدد چھوٹے بڑے قصیدے عربی شاعری پر ان کی کامل دسترس کی گواہی دیتے ہیں۔

مدح:

فرزندان دار العلوم کی شاعری کا ایک اہم موضوع مدح رہا ہے، کسی ممتاز علمی، فکری، سیاسی

---

(۱) تذکرہ مولانا ادریس، محمد میاں صدیقی ص ۲۳۱-۲۳۴، ط: مکتبہ عثمانیہ لاہور۔ ۱۹۷۷ء

شخصیت کی تعریف اوران کے ملی ودینی خدمات کا اعتراف، ان کی شایان شان ان کی مدح سرائی وپزیرائی کرنا؛ان علماء کی شاعری کا اہم موضوع رہا ہے۔خود بانی دار العلوم امام محمد قاسم نانوتوی اور دار العلوم کے پہلے صدر مدرس مولانا یعقوب نانوتوی (۱) کے متعدد قصیدے سلطان عبد الحمید کی مدح میں ہیں۔ان قصیدوں کی بھی ایک بڑی تعداد ہے؛ جس میں کسی ممتاز، سیاسی، علمی اور فکری شخصیت کی تعریف وتوصیف کی گئی ہے۔لیکن ان قصیدوں کا امتیاز جھوٹی چاپلوسی اور مدح سرائی نہیں ہے، بلکہ یہ قصیدے حق بحق جارسید کا مصداق ہیں۔کسی علمی شخصیت کے کارناموں کا واقعی اعتراف ہے، ارشاد رسول ''لوگوں سے اس کے مرتبہ کے مطابق سلوک کرو'' (۲) پر عمل ہے۔تملق باز چاپلوس اور درباری شعراء کی کمی نہیں ہے،عربی شعراء میں بھی تملق پسندوں کی بڑی تعداد ہر دور میں رہی ہے، یہ شعراء شاہان وقت کے ایک نظر کرم کے لیے سینکڑوں اشعار کے قصیدے کہا کرتے تھے۔اموی وعباسی دور میں تو اس قماش کے شعراء کی بہار تھی، بادشاہ کی تعریفوں کے پل باندھنا،اس کی مدح میں آسمان وزمین کے قلابے ملانا اور انعامات کی شکل میں چند سکوں کا عوض فن بیچنا ان کے لیے معمولی بات تھی۔سکوں کی چمک ان کی زبان سے وہ سب کہلوا لیتی تھی،جس پر ان کا دل آمادہ نہیں

---

(۱) دار العلوم دیوبند کے سب سے پہلے صدر مدرس،معقولات ومنقولات کے امام حضرت مولانا یعقوب بن مملوک علی صدیقی نانوتوی نانوتہ سہارنپور میں 13/صفر 1249ھ مطابق 1833ء میں پیدا ہوئے۔

صرف 13/سال کی عمر میں حفظ قرآن مکمل کیا،فارسی وعربی کی ابتدائی کتابیں نانوتہ میں پڑھیں،پھر دہلی تشریف لے گئے اور دہلی کالج میں جہاں آپ کے والد استاذ تھے،داخلہ لیا اور یہیں اپنی تمام تر تعلیم مکمل کی،شاہ عبد الغنی مجددیؒ،شیخ احمد علی سہارنپوری امام نانوتوی سے حدیث وفقہ کی اجازت حاصل کی۔

اجمیر کے ایک سرکاری کالج میں کچھ دنوں تک تدریسی خدمات انجام دی،پھر ایک دوسرے سرکاری ادارے میں آپ کا ٹرانسفر ہوگیا،لیکن جب 1857ء میں انگریزوں کے خلاف انقلاب برپا ہوا،تو آپ نے استعفی دے دیا اور اپنے گھر تشریف لے آئے۔

دار العلوم دیوبند کے قیام کے بعد 1866ء مطابق 1283ھ،حضرت نانوتوی نے آپ کو دار العلوم دیوبند کا پہلا صدر مدرس بنایا،اس دن سے وفات تک آپ دار العلوم دیوبند کے صدر مدرس اور استاذ حدیث کے طور پر علم حدیث اور دینی خدمت انجام دیتے رہے۔3/ربیع الاول 1302ھ مطابق 1884ء میں آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔

آپ فقہ،علم حدیث،سلوک ومعرفت میں بڑا بلند مقام رکھتے تھے،آپ کی ذات ملت کے لیے منارہ نور کی حیثیت رکھتی تھی۔(دیکھیے:تاریخ دار العلوم دیوبند،ازمحبوب رضوی:151/2)

(۲) مكارم الأخلاق للخرائطي،باب الحث علىٰ أخلاق الصالح والترغيب فيها، رقم ٤٦، عن معاذ بن جبل، أبوداؤد، رقم ٤٨٤٢، عن عائشة

ہوتا تھا، لیکن جیسے ہی ان سکوں کی کھنک ذرا دھیمی پڑی تو ان ہی شعراء نے اسی بادشاہ کے ہجو میں اشعار کی بارش کردی، جن کی تعریف کرتے ان کی زبان نہیں تھکتی تھی۔ یہ اس لیے کہ ان کے دل خوف خدا سے خالی اور عمل شریعت محمدی کے خلاف تھا، لیکن ہمارے علماء کا طریق شاعری بھی پیروئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم رہی، انہوں نے اپنی شاعری کو کبھی حصول زر وزمین اور طلب عہدہ مناصب کا ذریعہ نہیں بنایا، کسی کی بے جا تعریف اور تملق وچاپلوسی کی گندگی سے اپنی شاعری کو کبھی آلودہ نہیں کیا، ان کی شاعری بھی ان کے شیشہ دل کی طرح صاف اور بے داغ ہے۔

جن علماء دار العلوم نے اپنے قصیدوں کا موضوع مدح کو بنایا ہے، ان میں امام نانوتوی اور مولانا یعقوب نانوتوی کے علاوہ شیخ ذوالفقار علی دیوبندی، علامہ انور شاہ کشمیری، شیخ الادب مولانا اعزاز علی دیوبندی علامہ یوسف بنوری، مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی، مفتی کفایت اللہ دہلوی، قاری محمد طیب قاسمی وغیرہ صف اول کے شعراء میں ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کے متعدد چھوٹے بڑے مدحیہ قصیدے ہیں۔ اگر ہر ایک قصیدے سے ایک ایک شعر بھی بطور نمونہ پیش کیا جائے؛ تو اس کے لیے ایک دفتر درکار ہوگا۔ اس لیے یہاں بطور نمونہ صرف امام نانوتوی اور شیخ اعزاز علی کے قصیدے سے چند منتخب اشعار ذوق ادب کی تسکین کے لیے ہدیہ قارئین ہے، امام نانوتوی سلطان عبد الحمید ثانی (۱) کی مدح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

---

(۱) خلافت عثمانیہ کے 34ویں اور آخری فرماں روا، امیر المومنین اور خلیفۃ المسلمین کے لقب سے مشہور سلطان عبد الحمید ثانی کی ولادت ترکی کے شہر استنبول میں 21/دسمبر 1842ء کو ہوئی۔ آپ کا دور خلافت 31/اگست 1876 سے 27/اپریل 1959ء تک رہا۔ سلطان عبد الحمید ثانی اس وقت خلافت کی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں لی، جب عثمانی سلطنت عالم کفر کے حملوں کی زد میں تھی، انہیں بلقان کی بغاوت کا سامنا کرنا پڑا، روس کے ساتھ ایک ناکام جنگ لڑنی پڑی۔ 1897ء میں انہوں نے یونان پر بڑی فتح حاصل کی۔ 23/دسمبر 1876ء کو انہوں نے پہلے عثمانی دستور کا اعلان کیا، لیکن 1878ء میں پارلیامنٹ سے اختلاف کی وجہ سے انہوں نے دستور اور پارلیامنٹ دونوں کو معطل کردیا۔

آپ کے دور میں عثمانی سلطنت میں بڑی اصلاحات ہوئیں، ترکی سے حجاز یعنی مدینہ منورہ تک ریلوے لائن آپ کا عظیم کارنامہ ہے، آپ نے رمیلیا اور اناطولیا ریلوے کی توسیع کی۔ متعدد اسکول قائم کیے، آرٹس، تجارت، سول انجینئرنگ، اور لسانیات کے کالجز کھولے۔ 1912ء میں انہیں معزول کردیا گیا اور استنبول میں قید کردیا گیا، انہوں نے اپنے آخری ایام مطالعے اور لکڑی کا کام کرنے میں گزارے، سلطان عبد الحمید ثانی کے بعد ان کے بھائی محمد خامس تخت نشین ہوئے؛ لیکن وہ نام ہی کے سلطان تھے، حکومت تو اصلا صلیبی کر رہے تھے، 10/فروری 1918ء کو آپ کی وفات ==

نـفسي وما بيدى فدى أدلالكـم	إن مـت دونكـم فمـن لـد لالكم
أتيتم أيـام حسـن خصـالكـم	أيام كـان حياتـنـا بـو صـالكـم
إذ أنت دون الـنـفـس وهـى بعيدة	مُتنـا مـراراً بـالسرور هنا لكم
واليوم نظري مثل شوكة سمرة	وتـكـل أرجلـكـم بـجـرِّ ظلالكم
فـقـتلـتـنـا قتل العدوّ فقل لنا	هـذا دلال أم جـزاء خـلالـكـم
مـاكـنـت أسلو بـالوصـال وفوقه	واليوم أتـمـنـىٰ طـروق خيالكم

(۱)

شیخ اعزاز علی کا مدحیہ قصیدہ بھی بہت خوب ہے، جو آپ نے میر عثمان علی خان (۲) کی مدح میں کہا تھا:

== ہوئی اور استنبول میں مدفون ہوئے۔ (دیکھئے: انسائیکلو پیڈ آف برطانیہ، مذکراتی السیاسیۃ، از عبدالحمید ثانی، ط، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، تاریخ العثمانیین من قیام الدولۃ إلی الانقلاب علی الخلافۃ، از محمد سہیل طقوش، ط، دار النفائس، بیروت)

(۱) قصائد قاسمی، إمام محمد قاسم نانوتوی، ص: ۱۹، ط: عین الأخبار، مراد آباد

(۲) دولت آصفیہ دکن کے آخری سربراہ نواب میر عثمان علی خان صدیقی 6/اپریل 1886ء کو پیدا ہوئے۔ آپ حیدرآباد دکن کے آخری بادشاہ تھے، نظام الملک آصف جاہ ہفتم، نظام سرکار، حضور نظام جیسے القابات سے آپ کو یاد کیا جاتا ہے۔ آپ ایک رعایا پرور اور انصاف پسند بادشاہ تھے، آپ کی بادشاہت 86/ہزار مربع میل یعنی دو لاکھ تئیس ہزار کلومیٹر پر پھیلی ہوئی تھی، آپ اپنے پیش رو محبوب علی خان کی وفات کے بعد 1912ء میں تخت نشین ہوئے، ان کے دور میں انجمن ترقی اردو نے بڑی ترقی کی اور اس نے بہت ساری اہم کتابوں کو شائع کیا۔ آپ علماء و مشائخ کے بڑے قدرداں تھے، نواب صاحب نے مساجد و مدارس، اسی طرح دوسرے مذاہب کے عبادت خانوں کے متولیوں کو اور عبادت گاہوں کو اچھی خاصی امداد دیا کرتے تھے۔ آپ نے حیدرآباد میں کئی اہم عمارتیں بنوائیں، حیدرآباد ہائی کورٹ، اسمبلی ہال، پبلک گارڈن، آصفیہ لائبریری، عثمانیہ جنرل ہاسپٹل، نظام کالج، حمایت ساگر، نظام انسٹیٹیوٹ آف میڈیکل سائنس وغیرہ کی عمارتیں آپ کے ذوق تعمیر کی آئینہ دار ہیں۔ آپ نے تعلیم پر خاص توجہ دی، حکومت کے بجٹ کا 11/فیصد تعلیم کے لیے مختص کیا، جامعہ نظامیہ اور دار العلوم جیسے اداروں پر خاص توجہ دی؛ انہوں نے بنارس یونیورسیٹی کو دس لاکھ روپے اور علی گڑھ یونیورسیٹی کو پانچ لاکھ کا عطیہ دیا تھا، آپ نے عثمانیہ یونیورسیٹی قائم کی اور اس کی مکمل مدد کی۔ آپ کے دور میں غریبوں کے لیے تعلیم لازمی اور مفت ہوا کرتی تھی، آپ نے متعدد اسکول، کالجز اور دار الترجمہ قائم کیے۔ 1965ء میں ہندوستان اور چین کے درمیان جنگ ہوئی، اس موقع پر نواب صاحب سے حکومت ہند کے رفاہی فنڈ میں عطیہ دینے کی گزارش کی تو اس رفاہی فنڈ میں پانچ ہزار کلو سونے کا گراں قدر عطیہ دیا، یہ ہندوستانی تاریخ کا سب سے بڑا عطیہ ہے۔ آپ نے 1948ء میں جامع مسجد دہلی کو تین لاکھ کی خطیر رقم دی۔ جب کہ 1940ء میں مسجد اقصی کو ایک خطیر رقم کا عطیہ بھیجا۔ اس عادل اور رعایا پرور بادشاہ کا ==

عثـمـان عثـمـان قد ضائت به الدكن　　كـــلا وربي أضـاء الأرض والـزمـن
زال الـمخاوف والأهوال من دكن　　وعـمّ الـروح والـريـحـان والأمـن
عثمان مأوى لقوم مالهم من سكن　　ومـلـجـا لغريب مالـه وطـن
غـوث الأرامـل إذ بـاتت تسهرها　　الـصـروف مـن دهـرهـا والذل والفتن
فهٰـذه الـدولة الـغـراء مـاطـرة　　عـلـى البرية جـودا مـالـه ثـمـن
(۱)

وصف:

علمائے دیوبند کے متعدد قصیدے کسی مدرسہ، کسی ادارے یا اپنی محبوب چیز کی تعریف میں ہیں۔ ان قصیدوں میں سب سے خوبصورت قصیدہ ہندوستان کے سب سے مرغوب پھل یا پھلوں کے راجا آم کی تعریف میں ہے۔ آم خالص ہندوستانی پھل ہے۔ اس کی ہزاروں قسمیں پائی جاتی ہیں، کہنے کو ایک پھل، لیکن ہزاروں ذائقے سینکڑوں لذتیں، شاید ہی کوئی ایسا ہو؛ جسے آم کی کشش اپنی طرف نہ کھینچتی ہو۔

شیخ ذوالفقار علی دیوبندی نے آم کی خوبیوں، اس کے مختلف ذائقوں، اس کی الگ الگ قسموں کا ذکر بڑی خوبصورتی سے اپنے قصیدے میں کیا ہے۔ آم کی تعریف میں ۲۵/اشعار پر مشتمل اس قصیدے کے چند اشعار آپ سنئے اور اس کی چاشنی اپنے ذہن و دل میں محسوس کیجئے:

إن کـنـت تـبـغـي أطيـب الـلـذات　　فـعـليـک صـاح بـأنـبـه الثمرات
في حسـن مـرآى في نبـاهـة سيرة　　في لـطـف ذات في سـمـو صـفـات
مـن طـعـمـهـا في کـل قلب شهوة　　فـکـأنـها مـجـموعة الشهـوات

== انتقال 1967ء میں کنگ کوٹھی حیدرآباد میں ہوا۔ اور مسجد جودی میں آسودہ خواب ہوئے، یہ مسجد انہوں نے اپنے جواد کی یاد میں 1936ء میں قائم کی تھی۔ ان کے انتقال پر حکومت ہند نے قومی سوگ کا اعلان کیا۔

آپ کا مکمل نام القاب وآداب کے ساتھ کچھ اس طرح لیا جاتا تھا۔ رستم دوراں، ارسطوء زماں، والی مملوک، آسف جاہ ہفتم، مظفر الملک، نظام الملک، نظام الدولہ، نواب میر سر عثمان علی خان بہادر، سپہ سالار فتح جنگ، نظام آف حیدرآباد اینڈ برادر۔ بعض خطابات انگریزوں نے بھی دئے تھے۔ (دیکھئے: The life of Prince of Hyderabad, by Sadique jaisi)

(۱) مقدمة حاشية على شرح النقاية، ص: ج، ط: دهلی

وإذا عــمـارتهـا مـصـصـت وجدتها　　أحـلـىٰ كـمـثـل رضـاب محبوبات
بـالـجـامـعية فـاقـت الأثـمـاركـال　　إنسـان فـاق جـمـيـع حيـوانـات
ولـئـن يـلـمـک الـلائـمون فقل لهم　　الإضــطـرار يبيـح مـحـظـورات
(۱)

مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی نے دار العلوم دیو بند کی دار الحدیث کی شان میں ۳۷ / اشعار کا ایک طویل قصیدہ کہا، جس میں دار العلوم کی عظمت، اللہ اور عوام الناس کے نزدیک اس کی مقبولیت، عالم اسلام میں اس کا مقام ومرتبہ وغیرہ کو بڑی سلاست وخوبصورتی سے نظم کیا ہے۔ رعنائی اشعار ملاحظہ ہو:

أشـاقـک مـن دار الـحـديث قصورها　　تـر آی بهـا دار الـنـعيم وحورهـا
نـعـم! إنهـا دار قـد احـتـوت المنىٰ　　لـطيبة فيهـا طيبهـا وسـرورهـا
وإذا قـربـت فـرعـاً بـأصل وسيلة　　فـمـا بـعـد أرض سهلها ووُعورها
فيـا طيـب أنفـاس لطيبة أشـرقـت　　بهـا الأرض أنـوارا فتم حبورهـا
فـأحيـت قـلـوبـا قد أميتت بجهلها　　وعـادت ريـاضـا مـونقات دثورها
أضـاء ت لهـا الألـوان وانـجاب غيها　　وزالـت عـمايات الهوىٰ وستورها
وسـارت تـجـوب الأرض لمعات ضوئها　　مسيـرة نور الشمس فيها مسيرها

اور چند اشعار کے بعد کہتے ہیں:

فهـاتيـک دارلـلـحـديـث وأهـلـه　　بهـا تـلـتـقـى أنهـارهـا و بحورهـا
(۲)

شیخ عبد الرحمٰن سیوہاروی(۳)، مفتی محمد کفایت اللہ الدہلوی، مولانا اعزاز علی دیوبندی، علامہ

---

(۱) الهدية السنيه، ص: ۱۰۔۱۱

(۲) معين اللبيب، ص: ٤٦، ٤٧، ط، جامعه برقى پريس، دهلى

(۳) شیخ عبد الرحمٰن سیوہاروی کی ولادت بھوپال مدھیہ پردیش میں 1351ھ مطابق 1860ء میں ہوئی، جامعہ قاسمیہ شاہی مراد آباد اور دیگر اداروں میں تعلیم حاصل کی۔ آپ مولانا احمد حسن امروہی کے شاگردوں میں ہیں، جامعہ احمدیہ بھوپال میں ایک طویل مدت تک تدریسی خدمت انجام دی، دار العلوم دیو بند کے تاعمر رکن شوریٰ رہے، آپ عربی کے ممتاز شعراء میں سے تھے۔ آپ کے مدحیہ قصیدے، مرثیے بڑے مقبول ہوئے۔ آپ نے مختلف موضوعات میں طبع آزمائی کی، مرثیہ، تہنیت ومبارکبادیاں وغیرہ لکھے۔ آپ کے اشعار معنی ومفاہیم کی گہرائی، الفاظ کے حسن انتخاب اور تلمیحات واشاروں کی وجہ سے ممتاز ہوا کرتے تھے، آپ کی وفات 1932ء میں ہوئی۔ بالوعة الحب افتخار الهند روضة القاسم، ==

یوسف بنوری اور مفتی شفیع عثمانی دیوبندی وغیرہ کے متعدد مدحیہ قصیدے ہیں، جو میدان شعر وسخن اور رمزگاہ قافیہ وردیف میں فرزندان دالعلوم حکمرانی کی شہادت دیتے ہیں۔ ہر قصیدہ اپنی مثال آپ ہے۔

ترحیب واستقبال:

شعرائے دار العلوم کا ایک پسندیدہ موضوع منظوم استقبالیہ رہا ہے۔ جب کبھی کسی بڑے عالم، مفکر یا مجاہد آزادی، یا کسی اہم اسلامی سیاسی شخصیت نے دار العلوم کی زیارت کی، تو اس موقع پر شعرائے دار العلوم نے منظوم خطبہ استقبالیہ پیش کیا ہے۔ ان قصیدوں کی بھی بڑی تعداد ہے۔ ان سب کے ذکر کا یہاں موقع نہیں، تاہم مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بطور نمونہ شیخ الادب مولانا اعزاز علی کے منظوم خطبہ استقبالیہ کے چند اشعار پیش کر دیئے، جائیں جو آپ نے شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی (۱) کی انگریزی قید سے رہائی کے بعد دار العلوم آمد کے موقع سے پیش کیا تھا۔ اس قصیدے

== بادر إلى صالح الأعمال، ما كان أسرع وقته، وغیرہ آپ کے مشہور قصیدے ہیں۔

(دیکھئے: مجلۃ ثقافۃ الہند: 37 شمارہ 2-1، 1986، معجم البابطين لشعراء العربية في قرنين تاسع شر والعشرين، موسسة جائزة عبدالعزيز السعود البابطين لإبداع الشعر)

(۱) شجاعت وبہادری کے پیکر، زہد وقناعت کی تصویر، اقتدار فرنگ کے لیے پیام اجل، قافلہ محدثین کے سالار، دن کے شہسوار اور رات کے عابد، شیخ الہند کے جانثار شاگرد شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی کی ولادت 1296ھ/ 6/ اکتوبر 1879ء میں اناؤ ضلع کے مانک مئو میں ہوئی، جہاں آپ کے والد مقیم تھے۔ آپ کا وطنی تعلق یوپی کے شہر ٹانڈہ ضلع فیض آباد سے ہے۔ ابتدائی تعلیم ٹانڈہ میں حاصل کی، پھر دار العلوم دیوبند تشریف لائے اور حضرت شیخ الہند، علامہ خلیل احمد سہارنپوری، علامہ ذوالفقار علی دیوبندی، مفتی عزیز الرحمٰن وغیرہ جیسے اساتذہ فن سے کسب فیض کیا۔ 1316ھ میں اپنے خاندان کے ساتھ مدینہ منورہ ہجرت فرمایا۔ 1335ھ میں وطن واپس تشریف لے آئے۔ حجاز مقدس میں انہیں گرفتاری کی صعوبت بھی جھیلنی پڑی، وطن واپسی کے بعد انگریزوں کے خلاف جہاد آزادی میں کود پڑے، مختلف شہروں اور قصبات میں ولولہ انگیز اور پرجوش تقریروں سے آزادی وطن کی چنگاری کو شعلہ بنایا۔ متعدد بار گرفتار ہوئے، اپنے استاذ کے ساتھ مالٹا کے قید خانہ میں اسیری کی زندگی گزاری۔ صدر جمہوریہ ہند نے پدم بھوشن ایوارڈ سے انہیں سرفراز کرنا چاہا، لیکن انہوں نے یہ ایوارڈ یہ کہتے ہوئے واپس کر دیا کہ اسلاف کا یہ طریقہ نہیں۔ پوری زندگی حدیث پاک اور اسلامی علوم وفنون کی خدمت میں بسر کی۔ 5/ دسمبر 1957ء کو جان جان آفریں کے حوالہ کر دی اور مزار قاسمی میں ابدی طور پر آرام فرما ہیں۔ درس وتدریس، قید وبند کی صعوبتیں اور آزادی وطن کے لیے تحریکوں کی قیادت نے انہیں تصنیف وتالیف کا زیادہ موقع نہیں دیا، لیکن نقش حیات، شہاب ثاقب، تقریر ترمذی وغیرہ آپ کی قلمی یادگار ہیں۔ (دیکھئے: تاریخ دار العلوم: 2/ 282، محبوب رضوی، نزہۃ الخواطر، عبدالحی لکھنوی)

میں شیخ الاسلام کے خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے ان کے دار العلوم آمد پر خوش آمدید اور قید فرنگ سے آزادی پر مبارکباد دی گئی ہے۔ جس کے چند اشعار یہ ہیں:

تعالوا إلیٰ نادر حیب مبارک	لمائدة علمية لا للتغزل
تعالوا إلیٰ مغنی وسیع كأنه	لكثرة زوّار لدار مهلهل
تعالوا إلیٰ إعلاء دين إلاهنا	تعالوا نجاهد فيه نحيي ونقتل
تعالوا إلیٰ رضوان من هو غافر	وقابل توب ذو عقاب معجل
إلیٰ العروة الوثقیٰ إلیٰ سلم العلیٰ	إلیٰ الروح من رب قدير مرسل
توالت بنا الأحزان من كل جانب	كجلمود صخر حطه السيل من عل
هو الشمس هذا الجرم دون ضيائه	هو البدر لا كالبدر مثل العقنفل
تلا لأت الآفاق عند لقائه	بضوءٍ كبرق العارض المتهلل
فلسنا ننادی إذ لقينا حبيبنا	قفا نبک من ذكریٰ حبيب ومنزل

(۱)

شعرائے دار العلوم نے جن موضوعات کو اپنے قصیدوں کے لیے چنا؛ ان میں وعظ و نصیحت، اصلاح معاشرہ، علم کلام، منطق و فلسفہ، قواعد نحو و صرف، فصاحت و بلاغت کے قواعد اور علم حدیث و اصول حدیث شامل ہیں۔ شعرائے دار العلوم نے ان موضوعات کو بڑی خوبصورتی سے نظم کی لڑی میں پرویا ہے۔ ان میں بعض قصیدے، تو سو سو اور دو دو سو اشعار کے ہیں۔ علامہ انور شاہ کشمیری نے تو ایک مستقل منظوم کتاب فلسفہ میں تصنیف فرما دی، جس کا ذکر ان شاء اللہ آئندہ آتا ہے۔ غرض کہ دار العلوم کے فیض یافتگان نے قافیہ و ردیف کے میدان میں بڑی سبک روی، چابک دستی کے ساتھ فکر و فن کے گھوڑے دوڑائے، عظمت و بلندی کی وادیاں فتح کیں اور شاعری کے ثریا پر جلی حرفوں میں اپنا نام کندہ کر دیا۔

مرثیے:

شعرائے دار العلوم کا ایک پسندیدہ صنف مرثیہ ہے۔ جب کسی استاذ، عالم اسلام کی عظیم شخصیت، دل کے قریب دوست، دار العلوم دیوبند سے محبت رکھنے والا کوئی فرد، کوئی رہنما، کوئی

---

(۱) سوانح حیات شیخ الأدب والفقه، افتخار علی، ص: ۶۹

اپنا داغ مفارقت دے گیا، دل غم غمگین ہوا، آنکھیں اشکبار ہوئیں، تو یہی آنسو الفاظ کے موتی بن کر شعر کے سانچے میں ڈھل کر صفحہ قرطاس پر بکھر گئے۔ انہوں نے غم جاں کو اپنی شاعری سے غم جہاں بنایا، دل کے نہاخانہ میں چھپے زخموں کی ٹیس نے بے کل و بے چین کیا، تو شاعری نے انہیں سہارا دیا۔ انہوں نے شاعری سے اپنا غم غلط کیا، اگر میں حلول کا قائل ہوتا تو کہہ دیتا ہے، زہیر و اعشیٰ اور کبھی حضرت خنساء کی روح ان کے اندر حلول کر جاتی تھی، پھر حسرت و غم کا طوفان اٹھتا تھا، اشک کے بادل موسلا دھابر ستے تھے۔ ہر شخص غم و یاس کے سمندر میں ڈوب جاتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اعشیٰ جب بے پناہ خوش ہوتا یا بہت غمگین ہوکر جب شعر کہتا تھا تو اس وقت اس سے بڑا شاعر کوئی اور نہیں ہوتا تھا۔ بجا طور پر یہ بات فرزندان دیوبند کے بارے میں کہی جاسکتی ہے۔ ان مرثیوں کا فنی تجزیہ کیا جائے، تو یہ کسی طرح بھی جاہلی دور کے مرثیوں سے کم تر نہیں ہیں۔ متعدد شعرائے دیوبند نے اس صنف سخن میں کمال چابک دستی سے اپنے فن کا مظاہرہ کیا۔ شیخ ذوالفقار علی دیوبندی، علامہ انور شاہ کشمیری، علامہ یوسف بنوری، شیخ الادب مولانا اعزاز علی دیوبندی، مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی، مفتی عزیز الرحمٰن دیوبندی (۱)، مفتی محمد شفیع دیوبندی، مولانا عبدالرحمٰن سیوہاروی، قاری محمد طیب قاسمی

---

(۱) ہندوستان کے مشہور علمی خاندان کے گل سر سبد، دارالعلوم دیوبند کے مایہ افتخار، زہد و قناعت، تقویٰ و للّٰہیت، علم و دانش، فضل و کمال، معصومیت اور سادگی کے پیکر زیبا، حضرت مفتی عزیز الرحمٰن دارالعلوم کے ان مایہ ناز فرزندوں میں ہیں، جن پر بجا طور پر دارالعلوم کو فخر ہے۔ طبیعت میں عجیب فیاضی اور دل میں جذبہ خدمت خلق ہر وقت موجزن رہتا تھا۔ دارالعلوم کی مصروفیتوں سے جوں ہی فرصت پاتے کسی نہ کسی محلّہ میں تشریف لے جاتے، بیوہ اور یتیموں کی دادرسی کرتے، محلّہ کی عورتیں اپنا جھولا ان کے ہاتھوں میں تھماتیں اور وہ بازار میں خواتین کے سامان کی خریدگی کے لیے دھکے کھاتے پھرتے، بسا اوقات خواتین کہتی کہ میں نے یہ نہیں، یہ کہا تھا لانے کو، دوبارہ بازار جاتے اور مطلوبہ چیز لے کر ضرورت مندوں تک پہونچاتے۔ یہ تھے ہمارے مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی، آپ کا درس بالکل خاموش ہوا کرتا تھا، طلبہ عبارت پڑھتے، حکم ہوتا حاشیہ پڑھ لو، حاشیہ خوانی ہوتی، اگر کسی طالب علم نے کچھ دریافت کیا، تو ارشاد ہوتا کہ فلاں کتاب کھولو اور اس کی یہ عبارت پڑھو، بس یہی تھا ان کا انداز درس، اس طرح وہ طلبہ میں تحقیقی صلاحیتیں اجاگر کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ طلبا کا اصرار بڑھا، تو جلالین کے درس میں آپ نے تقریر فرمائی، یہ تقریر کیا تھی؟ وہبی علوم کا طلاطم تھا، جو ان کی زبان سے نکل کر طلبہ کے ساحل ذہن سے ٹکرار ہا تھا، حضرت شاہ صاحب کی علالت کے ایام میں کچھ دنوں کے لیے جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں شیخ الحدیث رہے۔ آپ کے فتاوے ''فتاویٰ دارالعلوم'' میں شامل ہیں، جسے جی چاہے وہاں دیکھے اور آپ کے تبحر علمی کا اندازہ لگالے۔ 1928ء میں وفات پائی اور مقبرہ قاسمی میں آسودہ خواب ہوئے۔ علامہ شبیر احمد عثمانی، مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی مہتمم دارالعلوم آپ ہی کے بھائی تھے۔

وغیرہ کے مرثیے ادبی اور فنی اعتبار سے بڑے اہم ہیں۔ ہم یہاں ان شعراء کے مرثیوں سے چند منتخب اشعار بطور نمونہ پیش کرتے ہیں۔

مولانا ذوالفقار علی دیوبندی امام محمد قاسم نانوتوی کی وفات پر اپنے رنج والم کا اظہار اس طرح کرتے ہیں:

يا قاسم الخير من للعلم والدين	إذا ارتحلت وإرشاد وتلقين
يا قاسم الخير اسمع من لكربتنا	يا قاسم الخير قل من للمساكين
من للمدارس من للوعظ من لهدىٰ	من للنكات توضيح وتبيين
من للشريعة أومن للطريقة أو	من للحقيقة إذا رسيت في الطين
رحلت عنا ولم يوجد عديلك في	العلوم والفضل من عرب إلىٰ الصين
يا عين جودي بدمع غير منقطع	علىٰ الذي جل من مدح وتابين
إليك صبري فشيء ليس يشغلني	عن الخليل ألا ياسلوني بيني
وكيفما ستروه في التراب ولا	يكون للشمس من ستر وتدفين
وهون البين أني لاحق بكم	إذا ارتحلتم وأناحيّ إلىٰ حين
سقىٰ الإلٰه ضريحا أنت ساكنه	ويرحم اللّٰه من يمدد بتامين

(۱)

علامہ یوسف بنوری اپنے استاذ علامہ انورشاہ کی وفات پر اپنا غم اشک یوں بہاتے ہیں:

العين ذارفة والقلب حيران	والطير تشدو فتبدو منه أشجان
الشمس كاسفة والأرض مظلمة	والمزن تبكي فسألت منه بلدان
وفي السماء ضجيج بالعويل بدا	حتىٰ بكت منه أطلال وعمران
وللبحار حنين بالخرير بدا	وللثلوج لذا ذوب وسيلان
وللهواء أنين بالصرير جرىٰ	وفي الجبال حراقات ونيران
وللسحاب أزيز حين رعدته	وللقدور لذا غليّ وفوران
خطب ألم علىٰ الإسلام مكتنفا	تزلزلت منه أطواد وأركان
خطب وقد صدع الأكباد من شجن	فما عزاء ولا صبر وسلوان

---

(۱) الهدية السنية، ص ٥٠٤

علامہ کو یاد کرتے ہوئے جب آنکھیں چھلکتی ہے تو یوں گویا ہوتے ہیں۔

قضیٰ الحیاة أمام القوم مرجعهم شیخ الحدیث فقیه النفس سفیان
بحر البحور وشمس المجد مسندهم فیما رویٰ من حدیث العلم إخوان
حبر ورحلة أعلام وحجتهم فیما سریٰ بحدیث الفضل رکبان
شیخ الشیوخ إمام العصر عمدتهم الشاه أنور نور اللّٰه برهان
شمس الوریٰ فیلسوف الشرق قدوتهم رأس الخیار غنی النفس سلطان
بحر محیط لمغزي کل معضلة من حوله لرحي الأعلام جولان

یہ مرثیہ آہ ونالہ اور دعاء پر اس طرح ختم ہوتا ہے۔

دع الفؤاد عن الدنیا وزینتها فصفوها کدر والوصل هجران
وأبرد حشاک بعبرات فتذرفها فبحر دمعک ذخار وملآن
أطفأ سعیر سواد القلب مصطبراً ففي الدموع له صبر وسلوان
یا رب أنزل علیه صوب غادیة متي تغرد في الأشجار کعتان
وعل مفجعهٔ من مزن مرحمة متیٰ تمیس علیٰ القامات أغصان
واجعله یرتفع في الجنان عالیة حتیٰ تیسر إرضاء ورضوان

(۱)

شیخ عبد الرحمٰن سیوہاروی نے مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی کی وفات پر مرثیہ کہا جو مخمس ہے، اس مرثیہ کا پہلا پانچ مصرعہ ملاحظہ ہو:

ألما بربع کان ملآن من أولیٰ کمال ومآویٰ للعلوم ومنهل
ومغنی خلا عن قاطنیة معطل ألا أنشدا فیه بدمع مسلسل
قفا نبک من ذکریٰ حبیب ومنزل

غرض کہ شعرائے دار العلوم نے ہر صنف میں طبع آزمائی کی۔ ان کے اشعار کسی بھی درجہ میں بڑے بڑے عرب شعرائے سے کم تر نہیں ہیں۔ انہوں نے فن کی نزاکتوں کو نہ صرف برتا، بلکہ اسے نکھار، سنوار کر بلندیاں عطا کیں؛ لیکن اس کے باوجود انہوں نے کبھی اس فن کو شہرت وعزت کا ذریعہ

---

(۱) نفحة العنبر، ص: ۲۵۶، ط، المجلس العلمي، کراچي، پاکستان

نہیں بنایا؛ اس کی بنیادی وجہ تو وہی ہے جس کا ذکر راقم نے ابتداء ہی میں کیا۔ کہ فیض یافتگان دارالعلوم نے اپنے دن ورات کا مشغلہ علم حدیث اور دیگر علوم اسلامی کو بنایا۔ شاعری کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں دی اور بقول ڈاکٹر زبیر احمد فاروقی کہ ''اگر انہوں نے اس طرف دس فیصد بھی توجہ کی ہوتی تو عالم عربی کے بڑے بڑے شعراء؛ بلکہ دور جاہلی کے ان شعراء پر فوقیت لے جاتے، جنہیں اس فن میں امامت کا درجہ حاصل ہے۔ اور انہیں بجا طور پر امام شافعی کی زبان میں اس دعویٰ کا حق ہے؛

ولولا الشعر بالعلماء يُزري   لكنتُ اليوم أشعر من لبيد

ولولا خشية الرحمن ربي   حسبتُ الناس كلهم عبيدی

☆☆☆

هـــو

حـافـظ الـعـصر، و مسند الوقت، الـمـحدث، المفسر، الفقيه الحنفي، الأصـولـي الـمكين، المتكلم النظار، الـصـوفي البصير ، المؤرخ الأديب ، الـلـغـوي، الشاعر، البحاثة ، النقادة، الـمـحـقـق الموهوب، الإمام الشيخ مـحـمـد أنـور شـــاه الكشميري بن معظم شاه۔

العلامة عبد الفتاح أبوغدة

باب دوم:
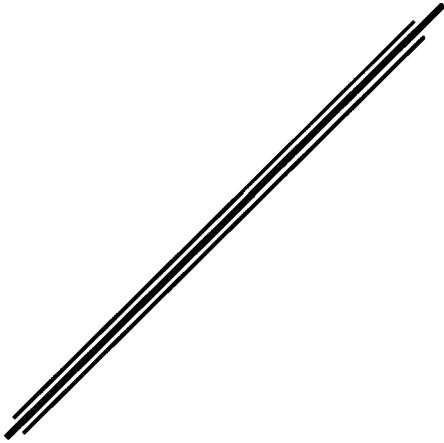
علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ کی علمی زندگی کی داستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ کی علمی زندگی کی داستان

ماضی قریب کے عظیم محقق اور محدث شیخ عبدالفتاح ابوغدہ نے علامہ کشمیری کو ان القاب سے یاد کیا ہے۔

"حافظ حدیث، امام زماں، اپنے دور کے مرجع علماء، محدث، مفسر، حنفی فقیہ، اصولی، صاحب نظر متکلم، بابصیرت صوفی، مؤرخ، ادیب، لغوی، شاعر، میدان تحقیق کے شہسوار، وہبی صلاحیتوں کے حامل محقق امام شیخ محمد انور شاہ کشمیری بن معظم شاہ" (۱)

یہی امام وقت علامہ انور شاہ کشمیری کی ولادت باسعادت جنت نشاں کشمیر کی وادی لولاب میں ہوئی۔ ۲۷ شوال ۱۲۹۲ھ اتوار کے دن ٹھیک اس وقت جب دنیا سے اندھیرا چھٹ رہا تھا اور صبح کی کرنیں دستک دینے والی تھیں، علم کا روشن آفتاب طلوع ہوا۔ (۲)

آپ کا خاندان:

علامہ کشمیری کے جد امجد شیخ مسعود نوری بغداد سے ہجرت کر کے ملتان پہنچے، وہاں سے رخت سفر باندھا اور کچھ دنوں لاہور میں قیام کیا، کشمیر کو اپنا مسکن بنایا۔ یہ مہاجر خاندان کشمیر کا ہو کر رہ گیا۔ اسی نسبت سے علامہ کا خاندان اپنے کو مسعودی لکھتا ہے، جیسا کہ خود علامہ نے اپنی کتاب میں لکھا ہے۔ (۳)

ابتداء ہی سے یہ خاندان علم و معرفت کا خاندان رہا ہے، شیخ مسعود سے آج تک اس خاندان نے بڑے بڑے اصحاب فن پیدا کئے؛ جن کی شہرت کشمیر سے نکل کر پورے ملک میں اور پھر پوری دنیا میں پھیلی۔ علامہ کے جد امجد اپنے وقت کے مشہور بزرگ اور ولی تھے، انہیں

---

(۱) ستة من فقهاء العالم الإسلامي، عبد الفتاح أبو غده: ص ۱۳، ط: بيروت

(۲) حیات انور، ص: ۱، سید محمد اظہر شاہ قیصر، ط: محبوب المطابع، برقی پریس، دہلی، ۱۹۵۵

(۳) نیل الفرقدین، ص: ۱۴۵، علامہ کشمیری، مجلس علمی کراچی

سید الاولیاء سید کرمانی (۱) سے خلافت حاصل تھی۔ سید کرمانی نے نہ صرف بیعت وارشاد کی اجازت دی؛ بلکہ یہ کہتے ہوئے بعض تبرکات بھی عنایت کئے ''یہ تبرکات مجھے سلسلہ تصوف کے اکابر سے ملے ہیں، اب میں اسے شیخ مسعود کو دے رہا ہوں'' (۲)

علامہ کے والدین:

خود علامہ شاہ کشمیری کے والد ماجد شیخ معظم شاہ (۳) علوم اسلامیہ کے ماہر تھے۔ فقہ و حدیث،

---

(۱) ابوالفیاض حضرت سید شاہ احمد کرمانی اپنے دور کے بڑے بزرگ اور صاحب نسبت تھے۔ یہی شاہ کرمان ہیں؛ جنہوں نے علامہ انورشاہ کے جد امجد شاہ مسعود نروری کو خلافت اور بیعت سے سرفراز کیا تھا۔ 976ء میں آپ نے شیخ مسعود نروری کو ایک خاص تحریر لکھ کر دی تھی اور ساتھ ہی کچھ تبرکات بھی عطا فرمائے تھے۔ دستاویز خلافت میں یہ لکھا تھا کہ یہ تبرکات میرے بزرگوں سے حاصل ہوئے ہیں اور اب میں انہیں شیخ مسعود نروری کے سپرد کرتا ہوں۔ آپ بڑے عالم اور پائے کے بزرگ تھے، ان کی عظمت کا اندازہ علامہ انورشاہ کشمیری کے ان اشعار سے کیجئے، جو آپ نے ان کی منقبت میں کہے ہیں:

نالم کہ خستہ حالم از نفس زشت کردار
افتادہ ام نگوں سار از جرم خویش ناچار
شرمندہ ام زعصیاں لیکن گرفتہ از جاں
فتراک شاہ کرمانی، سرخیل اکابر
قطب مدار دوراں، ہادئ پیر پیراں
سرحلقہ کریماں، دریائے فیض دادار
انور چہ چیز دارد کہ آں ازمغانے آرد
رسوائی و ندامت، انجام کار نادار

سید صاحب کے حالات سے زیادہ واقفیت نہ ہوسکی۔ (دیکھئے: نقش دوام: ص25)

(۲) دیکھئے: نقش دوام: ص ۲۵، مولانا انظر شاہ مسعودی، ط: دیوبند

(۳) علامہ انورشاہ کشمیری کے والد محترم حضرت مولانا سید معظم شاہ کشمیری مظفرآباد تحصیل کے کرناؤ میں پیدا ہوئے، آپ کشمیر کے ایک جید عالم اور خانقاہ نشین بزرگ تھے، کشمیر میں آپ مرجع خلائق تھے، ہزاروں بندگان خدا نے ان کے دست حق پر بیعت کی، سہروردیہ سلسلہ میں بیعت کیا کرتے تھے۔ 115 رسال کی طویل عمر پائی، اور اپنے نامور فاضل یگانہ صاحبزادے کی وفات کو اپنی آنکھوں سے دیکھا، کشمیر میں وفات پائی اور ورنور میں آپ کا مزار ہے۔ آپ نے دو شادیاں کیں تھیں، جن سے علامہ انورشاہ کشمیری کے علاوہ مولانا محمد یسین شاہ، مولانا عبداللہ شاہ، نظام الدین شاہ، مولانا سیف اللہ شاہ ہیں۔ آپ بڑے جلالی بزرگ تھے، ایک مرتبہ اپنے بڑے صاحبزادے مولانا یسین شاہ سے ناراض ہوگئے اور وجد میں کہہ دیا چالیس روز کے بعد یسین شاہ کا جنازہ آئے گا اور میں نماز جنازہ بھی نہیں پڑھوں گا، یہ بددعا تیر بہدف ثابت ہوئی؛ ==

تفسیر وتاریخ جیسے اسلامی فنون میں انہیں کامل درک حاصل تھا۔ ہزاراجواس وقت علوم وفنون کا مرکز تھا؛ وہیں آپ نے تعلیم حاصل کی۔ اسلامی علوم پر دسترس کے ساتھ ساتھ عربی زبان وادب کا وافر حصہ بھی قدرت کے فیاض ہاتھوں نے انہیں عطا کیا تھا۔آپ عربی کے بہترین شاعر اور باکمال ادیب تھے؛ لیکن دین کی طرف طبعی میلان نے انہیں شعروسخن کے میدان سے دور تصوف کی دنیا کا بنا دیا تھا۔امت کی اصلاح کی فکر انہیں چین نہیں لینے دیتی اور اپنا زیادہ تر وقت وعظ نصیحت اور دعوت وتبلیغ میں بتاتے تھے۔علامہ یوسف بنوری تحریر کرتے ہیں:

”والده الراشد المسترشد والعابد الزاهد ملجأ القوم في النوائب و ملاذهم في المهمات الدينية والدنيوية“(۱)

آپ کی والدہ ماجدہ بھی ایک دینی خاندان سے تعلق رکھتی تھیں،آپ شیخ سیف اللہ شاہ کی صاحبزادی تھیں۔ایک ایسے ماحول میں پلی بڑھیں،جس کی فضا میں دین اور عمل صالح رچی بسی تھی۔علامہ یوسف بنوری کہتے ہیں کہ علامہ کی والدہ زہد وتقویٰ اور عبادت وریاضت میں اپنے زمانے کی یکتائے روزگار تھیں۔(۲)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:”الناس معادن كمعادن الذهب و الفضة“۔(۳)،یعنی انسانوں میں خوبیاں ،خامیاں اخلاق و اطوار،زہد وتقویٰ،صلاح و پاکیزگی، ذہانت وفطانت ،علم وفضل سب کچھ اپنے والدین اور آباء واجداد سے منتقل ہوتے ہیں،ہیرے کے کان سے ہیرے اور سونے وچاندی کے کان سے سونے اور چاندی ہی نکلتے ہیں،کوئلے کی کان سے چمکدار سونے کی توقع کرنا بے سود ہے۔علامہ میں بھی تمام خوبیاں اپنے والدین اور خاندانی بزرگوں سے منتقل ہوئی تھیں،آپ کا خاندان اپنے علم وفضل،صلاح وتقویٰ کی وجہ سے پورے کشمیر نہیں پورے ملک میں ممتاز مقام رکھتا تھا اور رکھتا ہے،آپ کے خاندان کی فضاء میں علم اور دین رچا بسا تھا،

== ٹھیک چالیسویں دن مولانا یسین شاہ ،جن کی کچھ دنوں پہلے ہی شادی ہوئی تھی وفات پا گئے۔جنازہ حضرت کے دولت کدہ ورنور لایا گیا،لیکن آپ نے جنازہ کی نماز نہیں پڑھی۔(دیکھئے:نقش دوام،ص26)

(۱) نفحة العنبر: ص ۲

(۲) حوالہ سابق

(۳) مسلم،حدیث نمبر:2638،مسلم بن حجاج القشیری

خاندان کا ماحول اتنا پاکیزہ اور اس پر مستزاد آپ کا ذاتی زہد وتقویٰ اور بے نظیر قوت حافظہ تو سونے پہ سہاگہ ہی تھا، شاید یہی آپ کی کامیابی کی کلید اور آپ کے عظیم علمی کارناموں کی بنیاد ہے۔ سچ ہے:

''فخيار كم في الجاهلية، خيار كم في الإسلام إذا فقهوا'' (۱)

بچپن کے چند انوکھے واقعات:

کہتے ہیں کہ ہونہار بروے کے چکنے چکنے پات، جن کے مقدر میں بڑا بننا ہوتا ہے، ان کے بڑائی کے اوصاف وکرامات اور بڑا بننے کی شہادتیں بچپن ہی سے نمایاں ہونے لگتی ہیں۔ علامہ کے قسمت میں بھی کاتب تقدیر نے علم وفن کی امامت لکھ دی تھی، اس لیے اس کے آثار بچپن ہی میں بھی ظاہر ہونے لگے۔

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ علامہ کے والد آپ کو اور آپ کے بڑے بھائی یٰسین شاہ (۲) کو پہاڑوں میں معتکف ایک عارف کے پاس حصول برکت کے لیے لے کر گئے، اس بزرگ نے جب اس ہونہار بچے کو دیکھا تو یہ پیشین گوئی کی کہ یہ بڑا عظیم عالم ہوگا، جب کہ یٰسین شاہ کے بارے میں بڑا شاعر ہونے کی پیشین گوئی فرمائی۔ زمانہ نے اس عارف دانا کی پیشین گوئی حرف بہ حرف سچ ہوتے دیکھ لیا۔ (۳)

آپ کے والد شیخ معظم شاہ کا بیان ہے؛ کہ جب علامہ نے مختصر القدوری ان سے پڑھنی شروع کی، تو بعض ایسے مسائل دریافت کرتے کہ ان کا جواب فن کی بڑی بڑی کتابوں کے بغیر دینا ممکن نہ تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں انھیں سوالات سے منع کرنے پر مجبور ہوگیا۔ ان کی ذکاوت سے پریشان ہوکر میں نے انہیں ایک دوسرے عالم کے سپرد کیا، لیکن دوسرے استاذ کو بھی ان سے یہی شکایت رہی۔ (۴)

شیخ ازہر شاہ قیصر (۵) اپنے والد کے بچپن کا ایک واقعہ ان الفاظ میں نقل کرتے ہیں:

---

(۱) بخاری محمد ابن اسماعیل؛ بخاری، حدیث نمبر 3383، مسلم، حدیث نمبر: 2378

(۲) علامہ کشمیری کے بڑے بھائی جوانی میں انتقال کر گئے

(۳) حوالہ سابق، ص: ۱، دیکھئے: حیات انور، ص: ۲

(۴) حوالہ سابق، ص: ۲

(۵) اردو زبان وادب کے ممتاز ادیب، بلند پایہ صحافی مولانا ازہر شاہ کشمیری دیو بند میں دسمبر 1920ء ==

''ایک دفعہ منطق اور نحو کے چند رسائل کا مطالعہ کر رہے تھے۔ اتفاقاً ایک بڑے عالم اس وقت آپ کے پاس آ گئے۔ ان عالم نے ان کی کتابوں کو اٹھا کر دیکھا، کتابوں پر خود حضرت مرحوم کے حواشی لکھے ہوئے تھے۔ بچپن کے زمانہ کی اس ذکاوت، تیزی طبع، قوت فہم اور طبیعت کی دور رسی کا اندازہ کر کے بے اختیار انہوں نے کہا کہ یہ بچہ اپنے وقت کا رازی اور اپنے زمانہ کا غزالی ہوگا'' (۱)

یہ چند واقعات اس شخص کے بچپن کے ہیں؛ جسے آگے چل کر دنیا کی امامت کرنی تھی۔ ان واقعات سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ جس شخص کو آگے چل کر وقت کا رازی اور غزالی بننا تھا؛ قدرت کے ہاتھوں اس کی ابتدا کتنی شاندار اور حیرت انگیز ہوئی تھی۔ ایسا لگتا ہے کہ خود رب کریم ان کی تربیت فرما رہے تھے۔

== میں پیدا ہوئے، 1927ء میں دار العلوم دیو بند میں داخلہ لیا۔ علامہ انور شاہ کشمیری جب دار العلوم سے مستعفی ہو کر ڈابھیل گجرات تشریف لے گئے، تو آپ بھی اپنے والد کے ساتھ وہیں چلے گئے۔

ابھی بارہ ہی سال کے تھے، کہ آپ کے والد علامہ انور شاہ کشمیری کا انتقال ہو گیا۔ علامہ کشمیری کی وفات پر جامع مسجد دیو بند میں ایک تعزیتی جلسہ ہوا، جس میں پورے ملک سے ممتاز علماء کرام نے شرکت کی، اس تعزیتی جلسہ میں اردو کے مشہور صحافی اور مصنف، زمیندار کے ایڈیٹر ظفر علی خان بھی موجود تھے۔ مولانا ازہر شاہ نے اس تعزیتی نشست میں اپنے والد کے اوصاف و کمال پر ایک شاندار تقریر کی، اس تقریر کو انہوں نے ایک مقالہ کی شکل میں لکھا تھا، ان کی تقریر اتنی جامع تھی کہ حاضرین میں کوئی ایسا نہیں تھا، جو اس سے متاثر نہ ہوا ہو۔ ظفر علی خان کو یہ تقریر اس قدر پسند آئی کہ انہوں نے اپنے اخبار زمین دار کے پہلے صفحہ پر شائع کیا۔ اس طرح آپ کی صحافتی زندگی کا آغاز ہوا، آپ نے مختلف اخبارات و رسائل اور عربی جریدوں کے لیے مقالات و مضامین لکھے، ان کے مقالات غنچہ بجنور، پیام تعلیم، وغیرہ میں شائع ہوتے تھے۔ ہفتہ وار ملت اسلامیہ، سہارنپور کے تو آپ مستقل کالم نگار تھے، آپ نے مولانا سلطان الحق کے ساتھ بجنور سے ایک ہفتہ وار میگزین شروع کیا، جس کا پہلا شمارہ دسمبر 1937ء میں شائع ہوا۔ 1939ء میں جب آپ کی عمر صرف 19 رسال تھی، آپ کے سولہ مقالات کا مجموعہ نومبر 1940ء میں شائع ہوا۔ آپ نے دیو بند سے مجلّہ ''انور'' شائع کرنا شروع کیا۔ اس وقت برصغیر کا شاید ہی کوئی اخبار، یا علمی و ادبی رسالہ ہو؛ جس میں آپ کے مضامین و مقالات شائع نہ ہوا کرتے ہوں۔ 1951ء میں آپ مجلّہ ''دار العلوم'' کے ایڈیٹر بنائے گئے اور اخیر عمر تک اس کے مدیر تحریر کی حیثیت سے صحافتی اور ادبی خدمات انجام دیتے رہے۔ یادگار زمانہ، سیرت ابوبکر صدیق، ذرا عمر رفتہ کو آواز دینا، سفینہ وطن کے ناخدا اور اذان بلال وغیرہ آپ کی شاہ کار تصنیفیں ہیں۔

27 رنومبر 1985ء مطابق 13 رربیع الاول 1406ھ کو دیو بند میں آپ کا انتقال ہوا اور اپنے والد کے پہلو میں مزار انوری میں مدفون ہوئے۔ (دیکھئے: نقش دوام، از انظر شاہ کشمیری، کاررواں رفتہ، از اسیر ادروی)

(۱) حیات انور، ص:۲

تعلیم وتربیت:

علامہ کی ابتدائی تعلیم اپنے گھر ہی میں ہوئی۔آپ نے اپنے والد ماجد سے قرآن کریم، ابتدائی فارسی ،فارسی ادب میں شیخ سعدی(۱) اور امیر خسرو (۲) کی تصنیفات وغیرہ جو اس وقت کا نصاب تھا پڑھی۔اپنے والد کے علاوہ آپ نے مولانا عبد الجبار، مولانا غلام محمد وغیرہ سے فارسی زبان وادب کی تعلیم حاصل کی۔ فارسی زبان وادب میں آپ نے بہت جلد ہی مہارت حاصل کرلی۔آپ بہترین نثر نگاری کے ساتھ ساتھ فارسی زبان میں اشعار بھی کہنے لگے۔(۳)

فارسی زبان میں مہارت کے بعد آپ نے عربی زبان وادب کی طرف توجہ کی۔صرف ونحو کی ابتدائی کتابیں، فقہ وحدیث اور منطق وفلسفہ کی بعض کتابیں اپنے والد ماجد سے پڑھ ہی چکے تھے۔ اب آپ نے رخت سفر باندھا اور ہزارہ تشریف لائے؛ ہزارہ اس وقت پورے ملک میں علم دین کی نشر واشاعت اور تربیت کا اہم مرکز تھا، نیز ہزارہ عربی زبان وادب کے حوالے سے بھی علمی حلقوں میں مشہور تھا۔علامہ کشمیری بھی ہزارہ کے مرگ زار علم کے غزالوں میں شامل ہوکر اپنی علمی پیاس بجھانے

---

(۱) فارسی شعروادب کے امام شیخ شرف الدین بن مصلح الدین بن عبد اللہ- جو شیخ سعدی کے نام سے مشہور ہیں-کی پیدائش ایران کے شہر شیراز میں 589ھ میں ہوئی۔آپ کا شمار فارسی زبان وادب کے اساطین اور ائمہ میں ہوتا ہے۔آپ بڑے بزرگ اور صوفی منش آدمی تھے۔زندگی اور دنیا کو بڑی باریک نگاہ سے دیکھا تھا،ان کے اشعار زندگی کے ترجمان ہیں۔ان کی شاعری میں انسانی زندگی پردہ سیمی پر چلتی پھرتی تصویروں کی طرح نظر آتی ہے۔ان کی دو مشہور کتابیں ''گلستاں'' اور ''بوستاں'' برصغیر کے تقریباً تمام مدارس کے نصاب کا حصہ ہیں۔گلستان نثر اور بہترین نظموں کا مجموعہ ہے،تو بوستاں آپ کا دیوان ہے۔691ھ/ 1292ء میں آپ کی وفات شیراز میں ہوئی اور وہیں مدفون ہوئے۔ان کا مزار آج بھی مرجع خلائق ہے۔

(۲) ہندوستان کے معروف بزرگ،صوفی اور فارسی کے بےنظیر شاعر امیر خسرو بن سیف الدین بخاری کی ولادت 651ھ میں دہلی میں ہوئی۔فارسی شاعری اور فن موسیقی میں اپنی مثال آپ تھے،انہوں نے اپنی زندگی کا مقصد علم اور تصوف کو بنایا تھا اور راہ سلوک میں بے پناہ مجاہدے سے اس بلند مقام پر پہونچے؛ جہاں کا سفر بھی کم ہی لوگوں کو نصیب ہوتا ہے۔آپ نے حضرت نظام الدین اولیا محمد بن احمد بدایونی کے دست حق پر بیعت کی اور پوری زندگی ان کی چوکھٹ پر گزار دی۔725ھ میں وفات پائی، اپنے شیخ حضرت نظام الدین اولیاء کے پہلو میں مدفون ہوئے۔اعجاز خسروی، محصنات کلام وغیرہ آپ کے تراوش قلم کی یادگار ہیں۔فارسی میں آپ کے پانچ دیوان ہیں۔(دیکھئے:نزہۃ الخواطر:2/38)

(۳) الانور ص:۶۸،عبد الرحمٰن کونڈو،ط:ندوۃ المصنفین،دہلی ۱۹۷۸

لگے۔ علامہ تین سالوں تک یہاں اپنی علمی تسکین کا سامان کرتے رہے؛ لیکن ان کی پیاس ہر روز بڑھتی گئی۔ آپ نے وہاں کے ماہرفن اساتذہ سے عربی زبان و ادب، نحو صرف اورفن بلاغت کی متعدد کتابیں پڑھیں۔ اس کے علاوہ تفسیر وحدیث اورفقہ کی بھی بعض کتابیں بھی پڑھیں۔

لیکن عاشق علم کو ابھی سکون نہیں تھا۔ مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی، آپ کا ذوق علم بھی بڑھتا گیا۔ علم کی تڑپ شدید تھی تاہم اس کی تسکین کا سامان ہزارہ میں نہیں تھا۔ دارالعلوم دیوبند کی شہرت جب علامہ کے کانوں تک پہنچی، تو وہ اپنے آپ کو نہ روک سکے۔ ہزارہ کا علمی میدان کوتاہ ثابت ہورہا تھا اور دارالعلوم کی علمی عظمت کا آسمان اپنی باہیں پھیلائے آپ کو آواز دے رہا تھا۔

دارالعلوم دیوبند میں اس وقت یکتائے روزگار علماء اوراساتذہ کا جمگھٹا تھا۔ آپ نے سولہ یا سترہ سال کی عمر میں ۱۳۰۷ھ یا ۱۳۰۸ھ میں دارالعلوم میں داخلہ لیا اور چار سالوں تک کسب فیض کیا۔ اکیس سال کی عمر میں نمایاں شہرت کے ساتھ سند فضیلت حاصل کی۔ (۱)

آپ نے دارالعلوم دیوبند میں جن اکابر علماء کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا، ان میں امام حریت شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی سے آپ نے صحیح بخاری، سنن ابوداؤد، سنن ترمذی اور ہدایہ آخرین پڑھیں۔

شیخ اسحاق امرتسری سے مسلم شریف، نسائی شریف اور ابن ماجہ شریف پڑھیں۔ جب کہ مؤطا امام مالک اور امام محمد شیخ خلیل احمد سہارنپوری اور بعض دیگر کتابیں شیخ غلام رسول ہزاروی سے پڑھیں۔ ۱۳۱۴ھ میں آپ نے رسمی نصاب کی تکمیل کی اور دارالعلوم سے فراغت حاصل کی۔ (۲)

علم سے لگاؤ:

بچپن کی زندگی عام طور پر کھیل کود، موج مستی اور بے فکری کی زندگی ہوتی ہے، بچپن صرف بچپن ہوتا ہے۔ نہ حال کی فکر، نہ مستقبل کا خوف، بس معصوم شرارتیں، کھیل کے گھروندے یہی بچوں کو قیمتی اثاثہ اور سرمایہ ہوتا ہے۔ جب تھوڑا شعور ہوتا ہے، تب باپ کی چھڑی اور کبھی کبھی ماں کی جھڑکیاں کتاب کا چہرہ دکھاتی ہیں، لیکن جن کے مقدر میں کمال لکھا ہوتا ہے، ان کا بچپن بھی نرالہ

---

(۱) حیات انور، ص: ۳۰

(۲) الانور، ص: ۹۷

ہوتا ہے۔جس عمر میں بچوں کا سب سے محبوب مشغلہ کھیل کود کی ڈنڈیاں ہوتی ہیں،دھول دھپہ، اچھل کوداور سرمستیاں ان کی متاع زندگی ہوتی ہیں،ٹھیک اسی عمر میں ہمارے علامہ کشمیری کی متاع زندگی قلم وقرطاس اور کتابیں حرز جان تھیں۔جس عمر میں بچے کتابوں سے بھاگتے ہیں، علامہ کتابوں کی طرف دوڑتے تھے۔ان کی روح میں اللہ نے علم کی تخم ریزی کردی تھی۔ان کا دل علم کے پیار سے لبریز تھا۔انہیں قدرت نے علم دین کا ایسا گھونٹ پلایا تھا،جس کے اثر نے آفاق جہاں میں انہیں عظمت کے آسمان پر بٹھلایا۔والدین کو کبھی پڑھنے کے لیے انہیں ڈانٹنے جھڑکنے کی ضرورت نہیں پڑی۔درسگاہ انوری کے پروردہ علامہ یوسف بنوری تحریر کرتے ہیں:

”سمعت عن إخوان الشيخ دام فضلهم:أن الشيخ لم يرتع ولم يلعب في أيام الصبا كعادة الصبيان، ويكون مجتهداً فيها مشتغلا ليلاً و نهاراً من غير أن يعروه سآمة و ملال، فكان الناس يتحيرون من شغفه با لعلم و رغبته عما يرغب إليه الصبيان حتىٰ اشتهر فيهم أنه سيكون مهديا موعوداً.“(۱)

”میں نے شیخ کے برادران محترم سے سنا ہے؛کہ شیخ کو عام بچوں کی طرح کھیل کود سے کبھی دلچسپی نہیں رہی، وہ دن ورات بغیر کسی تھکاوٹ کے احساس کے پڑھنے میں مشغول رہا کرتے تھے،لوگ ان کے علمی شغف اور رغبت کو دیکھ کر حیرت زدہ تھے،حتیٰ کہ یہ بات مشہور ہوگئی کہ شاید آپ ہی مہدی ہوں گے،جن کا عدہ حدیثوں میں ہے“۔

راہ تصوف میں:

علامہ انور شاہ کشمیری نے دارالعلوم دیوبند کی علمی فضامیں اپنے آپ کو علم دین کے ہتھیار سے مسلح کیا،علم دین نورالٰہی ہے اور اس کی چمک اسی وقت فروزاں ہوسکتی ہے، جب اس پر عمل کا پانی چڑھایا جائے۔ظاہر اسی وقت روشن اور آبدار ہوسکتا ہے؛جب دل کی دنیا تابدار اور مصقل ہو۔امام کشمیری کو اس کا احساس تھا؛اس لیے انھوں نے اپنے دل کو عشق الٰہی اور الفت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم

(۱) نفحة العنبر،ص:۲۲،ط:معهد انور،دیوبند

کی بھٹی میں تپانے پکانے اور صیقل کرنے کی غرض سے امام ربانی، فقیہ النفس حضرت علامہ رشید احمد گنگوہیؒ (۱) کے آستانے پر حاضری دی۔ امام گنگوہی سے کون صاحب علم اور صاحب دل واقف نہیں۔ امام کشمیری نہ صرف امام گنگوہی سے اجازت حدیث لی؛ بلکہ راہ تصوف کی وادیاں بھی ان کی رہنمائی میں قطع کیں۔ امام گنگوہی کے یہاں رہ کر آپ نے اپنے باطن کو مصفیٰ اور دل کو مجلیٰ کیا۔ اللہ سے قربت کی راہیں تلاش کیں۔ امام گنگوہی نے انہیں اپنے حلقہ ارادت میں شامل کرتے ہوئے بعض اوراد و وظائف کی تلقین کی، جس پر علامہ کا تادم حیات عمل رہا۔ امام گنگوہی نے انہیں اپنے سلسلے میں بیعت کی اجازت بھی مرحمت فرمائی۔ (۲)

---

(۱) محدث کبیر، فقیہ اعظم، استاذ العلماء والمشائخ، اصولی متکلم اسلام، امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد بن ہدایت احمد بن پیر بخش بن غلام حسن انصاری حنفی گنگوہی اپنے وقت عظیم مصلح و مرشد تحریک آزادی کے جانباز مجاہد، امام نانوتوی کے ہم درس و ہم ذوق و ہم فکر، دارالعلوم دیوبند کے سرپرست تقویٰ و ورع کی مثال، دین حنیف کے علم بردار، سنت نبوی کے عاشق کامل اور بدعت سے انتہائی درجہ کی نفرت کرنے والے تھے۔ آپ کے والد محترم حضرت مولانا ہدایت اللہ بھی اپنے وقت کے ممتاز عالم دین اور صاحب نسبت بزرگ تھے۔

آپ کی ولادت اپنے نانیہال گنگوہ ضلع سہارنپور میں 6/ذی قعدہ 1244ھ مطابق 11/اپریل 1829ء دوشنبہ کو چاشت کے وقت ہوئی۔ آپ کا اصل وطن رام پور منہاران ضلع سہارنپور ہے۔ فارسی کی کتابیں اپنے ماموں مولوی محمد تقی سے کرنال میں پڑھیں، نحو و صرف کی تعلیم مولوی محمد بخش رام پوری سے حاصل کی۔ 1261ھ مطابق 1845ء میں دہلی تشریف لے گئے، وہاں عربی کی بعض کتابیں قاضی احمد الدین جہلمی سے پڑھیں، تاہم درسیات کی زیادہ تر کتابیں استاذ الکل مولانا مملوک علی نانوتوی سے پڑھیں؛ باقی کچھ کتابیں مولانا مفتی صدر الدین آزردہ سے بھی پڑھیں، علوم قرآن تفسیر و حدیث کا درس شاہ عبد الغنی مجددی دہلوی سے لیا۔ پھر اپنے وطن گنگوہ تشریف لے آئے اور صرف ایک سال میں قرآن کریم کا حفظ مکمل کیا، سلوک و معرفت کی تعلیم حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کی فیض صحبت سے حاصل کی۔ پھر درس و تدریس کی مسند سجائی اور سینکڑوں علماء کو کمال پر پہونچایا۔ انگریزوں کے خلاف شاملی کے معرکہ میں شجاعت و سرفروشی کے جوہر دکھلائے۔ گرفتار ہوئے، سہارنپور، مظفر نگر کی جیلوں میں سنت یوسفی ادا کی۔

حدیث و فقہ اور تصوف میں آپ نے 14/کتابیں تصنیف کیں۔ امداد السلوک، ہدایۃ الشیعۃ، ہدایۃ المعتدی، زبدۃ المناسلک، فتاویٰ رشیدیہ، آپ کی مشہور کتابیں ہیں۔ آپ کے درسی افادات کا مجموعہ، لامع الدراری علیٰ جامع البخاری اور ترمذی پر الکوکب الدری طلبہ و اساتذہ کے لیے بیش بہا علمی خزانہ ہے۔ 78/سال کی عمر میں 8/جمادی الثانی 1323ھ مطابق 13/اپریل 1905ء جمعہ کی اذان کے بعد گنگوہ میں یہ علم و معرفت کا یہ آفتاب ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا۔ قصبے سے متصل اپنے باغ میں مدفون ہوئے۔ (دیکھیے: مولانا رشید احمد گنگوہیؒ حیات اور کارنامے، از اسیر ادروی)

(۲) (ملفوظات کشمیری ص: ۲۷۴، مصنف: احمد رضا بجنوری، ط: بیت الحکمت، دیوبند

تدریسی زندگی کا آغاز:

علامہ انور شاہ کشمیری دارالعلوم سے فراغت کے بعد اپنے ایک خاص دوست مولانا مشیت اللہ بجنوری کے ساتھ چھٹیاں بتانے ان کے گھر گئے، مولانا مشیت اللہ علامہ کشمیری کے رفیق درس تھے۔ زمیندار خاندان سے تعلق رکھتے تھے، اللہ تعالی نے ہر طرح کی نعمتوں سے انہیں نوازا تھا، جب کہ علامہ کشمیری ایک غریب گھر سے تعلق رکھتے تھے؛ لیکن اس کے باوجود مولانا مشیت اللہ علامہ سے بے پناہ محبت فرماتے تھے اوران کی قدر کرتے تھے۔ قلبی تعلق کی وجہ سے فراغت کے ساتھ انہیں اپنے گھر لیے چلے، ادھر علامہ کا ارادہ علم و تحقیق کی دنیا میں رہنے کا تھا، لیکن ابھی چند ہی دن گزرے تھے کہ علامہ کشمیری کو اپنے ایک دوسرے دوست مولانا امین الدین دہلوی (۱) کا خط ملا۔ مولانا امین الدین دہلوی نے دہلی میں ۱۳۱۵ھ میں مدرسہ امینیہ کی بنیاد رکھی۔ یہ مدرسہ چاندنی چوک میں واقع ہے، مولانا نے علامہ کو مدرسہ امینیہ آنے کی دعوت دی، علامہ نے بھی اس علمی دعوت کا مثبت جواب دیا اور مدرسہ امینیہ میں صدر المدرسین کی حیثیت سے علمی اور تدریسی زندگی کا آغاز کیا۔ علامہ تقریباً ساڑھے چار سالوں تک مدرسہ امینیہ سے منسلک رہے اور تدریسی خدمات کے علاوہ مدرسہ کی انتظامی خدمات بھی انجام دیتے رہے۔ (۲)

والدہ کی وفات اور کشمیر واپسی:

علامہ کشمیری دن رات علم کے جام چھلکا رہے تھے۔ تشنگان علوم مدرسہ امینیہ میں جام

---

(۱) مدرسہ امینیہ دہلی کے بانی اور پہلے مہتمم مولانا امین الدین کی ولادت 1283ھ میں اورنگ آباد میں ہوئی، ناسک، مہاراشٹرا کے ابولہ نامی گاؤں میں انہوں نے رہائش اختیار کی۔ 1304ھ میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا، لیکن 1307ھ میں شاہ جہاں پور تشریف لے گئے اور وہاں فن معقولات کے امام شیخ بدرالدین سے منطق و فلسفہ پڑھا، پھر دارالعلوم تشریف لے آئے، 1312ھ میں فراغت حاصل کی۔ فراغت کے بعد دہلی تشریف لے گئے، علامہ کشمیری کے تعاون سے مدرسہ امینیہ کی بنیاد رکھی، آپ بڑے ہی متقی اور پرہیز گار بزرگ تھے، دعا و تعویذ کے فن میں انہیں ید طولیٰ حاصل تھا اور وہ عوام میں بے حد مقبول تھے۔ پوری زندگی درس و تدریس اور مدرسہ امینیہ کی ترقی کے لیے وقف کر دی، رمضان المبارک 1338ھ مطابق 1920ء کو دہلی میں وفات پائی اور امام ولی اللہ دہلوی کے پہلو میں آسودہ خواب ہوئے۔ (تاریخ دارالعلوم دیوبند، از محبوب رضوی)

(۲) تفصیل کے لیے دیکھئے: نقش دوام ص: ۳۰-۳۲، بیت الحکمت، دیوبند

انوری سے سیراب ہورہے تھے؛ کہ ایک ایسا حادثہ پیش آیا؛ جو کسی بھی انسان کی زندگی میں سب سے بڑا حادثہ ہوتا ہے۔ ماں کیا ہوتی ہے؛ کون نہیں جانتا، ماں کی مامتا کو وہی سمجھ سکتا ہے؛ جس کی ماں نہیں ہوتی۔ علامہ کشمیری کی ماں؛ جو ان کی ترقیوں کے لیے ہر وقت دست بد دعا رہتی تھیں، جن کی دعائیں مصیبتوں کے لیے ڈھال تھیں، ان کا وقت موعود آ گیا، وہ اپنی حقیقی دنیا سدھار گئیں۔ اس حادثہ نے علامہ کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ غم کے ہتھوڑے نے پیر کی بیڑیاں کاٹ دیں۔ دہلی ویران نظر آنے لگی اور انہوں نے اپنے وطن کشمیر کی راہ لی۔ کشمیر پہنچے اپنے خاندان کے لوگوں سے ملے، عزیز واقارب کو دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی کیں۔ کشمیر کے کچھ دن کے قیام نے دل کا بوجھ ہلکا کیا۔ خاندان والوں کی تسلیوں نے ماں کی جدائی کے غم کو قرار بخشا لیکن ایک دوسرا غم جو اس سے کہیں بڑا غم تھا، اس عظیم داعی اور کلام رسول کے عاشق کو تڑپانے لگا۔ وہ غم امت کی دین بیزاری کا غم تھا؛ جو انہیں اندر سے کھائے جا رہا تھا۔

علامہ انور شاہ کشمیری کو اپنے وطن کی حالات نے پریشان کر دیا، پورے علاقہ پر بدعت و خرافات کا تاریک اور مہیب بادل چھایا ہوا تھا، لوگ نئی نئی چیزوں پر ایمان لے آئے تھے۔ عجیب و غریب قسم کی چیزوں کو؛ جن کا دین سے کوئی واسطہ نہیں، دین سمجھ بیٹھے تھے۔ ہر طرف بے دینی اور اسلام بیزاری پھیلی تھی، مسلمان مسلمان ہی کب رہ گئے، جاہلیت عود آئی تھی اور مسلمان جاہلیت کی تاریکیوں میں ٹامک ٹائیاں مار رہے تھے۔ ان حالات نے ان کے قلب صافی کو تڑپا دیا اور انہوں نے ضروری سمجھا کہ اپنے وطن کی اصلاح کی جائے۔ گو کہ دہلی کا مسند درس علامہ کا محتاج تھا، علمی دنیا فیضان انوری کی ضرورت مند تھی، لیکن کشمیر کو امام کشمیری کی زیادہ ضرورت تھی۔ علامہ نے بھی کشمیر کی ضرورتوں کو زیادہ اہم جانا اور اپنے وطن میں رہ کر اصلاح نفس اور اصلاح عقیدہ کوششیں کرنے لگے۔ لوگ جہنم کے دہانے پر تھے اور ضرورت تھی کہ کوئی اسے اس آگ میں گرنے سے بچائے۔ چنانچہ امام کشمیری نے اصلاح عقیدہ اور اصلاح عمل کی تحریک کے لیے ایک مدرسے کی بنیاد رکھی؛ تا کہ اس کے سائے میں اللہ کے بندوں کو سلیقہ بندگی سکھائی جائے۔ شیطان کے مکروفریب سے نکال کر رحمٰن کے سائے رحمت میں لایا جائے۔ امام کشمیری نے اپنے ایک دوست خواجہ عبدالصمد کے تعاون سے وادی جہلم کے دامن آباد بارہمولہ میں 1324ھ/1906ء میں مدرسہ فیض عام کی بنیاد رکھی۔ یہ مدرسہ آج بھی علم دین کی شمع روشن کیے ہوا ہے اور کشمیر کی وادیاں ''فیض عام'' سے فیضیاب ہو رہی ہیں۔

سفرِ حج اور بارگاہ رسالت میں حاضری:

جسے عشق نبوی ﷺ کا گھونٹ پلایا گیا ہو، وہ کب تک فراق یار برداشت کرسکتا ہے۔ علامہ کی محنت رنگ لائی اور بدعت کے بادل چھٹنے لگے، اب حالات معمول پر تھے، لوگ بدعت وخرافات کو تیاگ کر اسوۂ محمدی کی طرف لوٹ چکے تھے۔ علامہ کے دل میں حرمین کی زیارت کا شوق مچلنے لگا، بڑے دنوں کی تمنا اب پوری کرنے کا وقت آ گیا تھا، اپنے بے چین روح کو زمزم کے گھونٹوں سے سیراب کرنے کا دن آ گیا تھا۔ علامہ کشمیری نے تیاریاں کیں اور اللہ نے دستگیری فرمائی 1323ھ میں اپنے دوست خواجہ عبد الصمد ککرو کے ساتھ کشمیر سے مسجد اقصیٰ پھر وہاں سے حجاز اور پھر مکہ مکرمہ تشریف لے گئے۔ علامہ نے مکہ میں چند مہینے قیام فرمایا۔ طواف کعبہ، بیت اللہ کے دیدار، عبادت و بندگی میں اپنے اوقات صرف کیے؛ اپنے آپ کو فنا رکھا۔ مکہ کے بعد شوق کے پروں سے اڑ کر دیار حبیب پہنچے، روضہ اقدس کی زیارت سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کیں، اپنے محبوب کے حضور میں کھڑے ہوئے تو وارفتگی کے عالم میں عشق میں ڈوبے ہوئے یہ نعتیہ اشعار زبان سے جاری ہوئے جس کا پہلا مصرع فارسی اور دوسرا عربی ہے۔ جی چاہتا ہے کہ ان اشعار کو اس موقع پر نقل کردیا جائے۔

اے صبا حالم رسان نزد رسول	إذمعالي نحو موتي قديأول
گرچہ از تر دامنی خستم دلی	عل أنّ أروی إذا هبت قبول
چون گدا هستم نر انداز درم	أنه لا يجهر الوجه السئول
نیست غیر اوپناہ این تباه	هل سواه الكهف للعاص الجهول

(۱)

ان اشعار کو پڑھیے اور حضرت علامہ کے دل میں نبی اکرم ﷺ کی بے پناہ الفت ومحبت کا اندازہ کیجیے اور آخر کیوں نہ ہو؛ جس شخص نے اپنی زندگی کا نصب العین ہی اپنے آقا کے کلام کو یاد کرنا اور اس کو پھیلانا، اس سے معنی اخذ کرنا اور اس پر عمل کرنا بنایا ہو، اس کا دل کس قدر پاک صاف ہوگا، اس کا اندازہ بھی بخوبی کیا جاسکتا ہے، لیکن اس کے باوجود کمال عاجزی اور فروتنی کا حال یہ ہے کہ روضہ اقدس کے سامنے نظریں جھکی ہوئی ہیں، خود کو عاصی اور جاہل کہا جا رہا ہے اور کرم فرمائی کی درخواست پیش کی جا رہی ہے۔

---

(۱) علامہ محمد انور شاہ کشمیری حیاتہ وشعرہ، ص: ۱۸۹، عبد الملک مظفر خان، ط: دار المعارف، دیوبند

حضرت علامہ نے مدینہ منورہ میں صرف مسجد نبوی اور روضہ اقدس کی زیارت سے اپنی آنکھوں کو منور نہیں کیا؛ بلکہ مدینہ کے بڑے محدث علامہ حسین مصطفیٰ طرابلسی جسر (۱) سے اکتساب فیض بھی کیا۔ جب علامہ طرابلسی کو جلد ہی اندازہ ہوا کہ شیخ کشمیری علم حدیث کے شناور ہیں اور فن حدیث وفن اسماء رجال میں انہیں اب کسی کی شاگردی اختیار کرنے کی ضرورت نہیں رہ گئی ہے۔ علامہ جسر نے آپ کو اپنی سند سے روایت کی اجازت دی اور خود اپنے دست مبارک سے سند تحریر فرما کر عنایت فرمائی اور وقیع الفاظ میں آپ کی تحسین وتعریف کی۔

کتب خانوں کی سیر:

آپ سن چکے ہیں کہ علامہ کشمیری کو بچپن ہی سے کتابوں سے بے انتہا محبت والفت تھی، کتابیں ان کے لیے روح وجان کی حیثیت رکھتی تھیں۔ علم ان کے رگوں میں خون بن کر دوڑتا تھا، ان کے درد کی دوا علم کی موتیاں اور کتابوں کے اوراق ہی تھے۔ علامہ نے مدینہ منورہ کے دو بڑے کتب خانوں المکتبۃ المحمودیہ اور مکتبہ شیخ الاسلام عارف حکمۃ اللہ الحسینی میں اپنا بڑا وقت صرف کیا۔ مدینہ منورہ کے قیام کے دوران آپ روزانہ ان لائبریریوں میں جاتے اور گھنٹوں حدیث، تفسیر اور دیگر علوم وفنون کی کتابوں کے مطالعہ میں مصرف رہا کرتے تھے۔ مدینہ منورہ میں ان کے لیے عشق ومحبت، روح اور دل ونگاہ ہر ایک کے لیے غذا فراہم کردی گئی تھی۔ عبادت وریاضت، درود وسلام اور روضہ اقدس کی زیارت سے جیسے ہی تھوڑا موقع ملتا، کتابوں کی دنیا میں خود فنا کرلیا کرتے تھے، راہ تحقیق کے آبلہ پا کے لیے اس سے بہتر آسائش کا سامان ہو ہی کیا سکتا ہے۔ کتابیں ہوں اور بس کتابیں ہی ہوں اور سامنے روضہ اقدس کا مبہوت منظر۔

---

(۱) شیخ حسین بن محمد بن مصطفیٰ الجسر 1845ء میں لیبیا کے شہر ''طرابلس'' میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم وہ اپنے وطن میں حاصل کی، طلب علم کے جذبہ کی تسکین کا سامان کرنے کی غرض سے مصر کا سفر کیا اور جامع ازہر میں اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ فقہ اور ادب عربی میں امتیازی مقام حاصل کیا۔ وطن واپس آئے اور تصنیف وتالیف کو اپنی زندگی کا اوڑھنا بچھونا بنایا، آپ نے متعدد علمی اور قیمتی کتابیں تصنیف فرمائیں۔ ان میں ''الرسالۃ الحمیدیۃ'' کو بے پناہ مقبولیت اور شہرت حاصل ہوئی، یہی وہ کتاب ہے جس نے آپ کو پوری دنیا میں متعارف کرایا۔ یہ کتاب مختلف یونیورسٹیوں میں داخل نصاب ہے، ''نزہۃ الفکر''، ''إشارات الطاعۃ في حکم صلاۃ الجماعۃ'' اور ''الکواکب الدریۃ في الفنون الأدبیۃ'' وغیرہ آپ کی اہم تصنیفات ہیں۔ آپ کا انتقال 1909ء میں طرابلس میں ہوا۔ (دیکھئے: حالات المصنفین، از محمد عثمان المعروفی: ص 82)

مدینہ سے لوٹتے ہوئے شیخ کو خیال آیا؛ کیوں نہ اس سفر کے لمحات کو یادگار اور قیمتی بنا لیا جائے۔علامہ مدینہ منورہ سے براہ راست وطن لوٹنے کے بجائے طرابلس، بصرہ اور شام وغیرہ کا راستہ اختیار کیا۔دوران سفر ان ممالک کے اکابر علماء سے ملاقاتیں کیں۔ان سے مختلف مسائل پر تبادلہ خیال کیا، بحث ومباحثہ میں حصہ لیا، ان ممالک کے اکابر علماء نے علامہ کی علمی تبحر معلومات کی وسعت کا کھل کر اعتراف کیا۔اس سفر میں علامہ کشمیری نے ان ممالک کے بڑے بڑے کتب خانوں کا دورہ کیا اور اس کے نوادرات سے اپنے سینے کو معمور کیا۔آپ کو بہت سی نادر کتابوں کا مطالعہ کا موقع ملا۔اس علمی سفر کے بعد آپ پھر کشمیر لوٹ آئے اور مدرسہ فیض عام میں اپنی مسند درس پر جلوہ افروز ہوئے۔(۱)

دار العلوم دیو بند کی مسند درس پر:

ارض حرم سے لوٹنے کے بعد علامہ کشمیری کا دل بے قرار تھا، کشمیر کی آب و ہوا اب انہیں اچھی نہیں لگ رہی تھی، دل اچاٹ تھا، آقا صلی اللہ علیہ وسلم سے اب جدائی نا قابل برداشت ہو رہی تھی، علامہ نے فیصلہ کیا کہ ملک کو چھوڑ کر نبی اقدس ﷺ کے شہر میں آپ کے پڑوس میں سکونت اختیار کی جائے، لیکن مناسب سمجھا؛ کہ ملک چھوڑنے سے پہلے اپنے استاذ و مربی شیخ الہند کی زیارت کر لی جائے، جو ان سے بے پناہ محبت فرمایا کرتے تھے۔الوداعی ملاقات کے لیے دیو بند حاضر ہوئے، اپنے استاذ سے ملاقات کی، اپنے دل کی بے قراری کا اظہار کیا۔مدینہ منورہ میں مستقل قیام کا ارادہ ظاہر فرمایا۔ادھر حضرت شیخ الہند کو بھی آپ کی علمی شان کا احساس اور بطور خاص علم حدیث میں آپ کی درک و گیرائی کا اندازہ تھا؛ اس لیے حضرت شیخ الہند نے اپنے شاگرد رشید کو یہ کہتے ہوئے ہجرت سے منع کر دیا کہ ہندوستان کو حجاز کے مقابلے آپ کی زیادہ ضرورت ہے۔ارض مقدس کی سرزمین علم نبوت سے شاداب ہے، جب کہ ہندوستانی زمین حدیث محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاسی ہے۔شیخ الہند کے اصرار پر دار العلوم دیو بند میں آپ نے قیام کا فیصلہ کیا۔

علامہ کشمیری اپنے اساتذہ کا بے پناہ احترام کرتے تھے۔ان کا حکم کا ماننا اپنے لیے فرض جانتے تھے۔حکم کیا اگر شیخ الہند کا ایماء بھی ہو جاتا تو علامہ جیسے شاگرد؛ بلکہ فنا فی الاستاذ کے لیے مجال

---

(۱) حیات انور ص: ۴، ۵، تفصیل کے لیے دیکھیے: نقش دوام، نفحۃ العنبر

انکار ہی کب رہ جاتا ہے، اس لیے انہوں نے مدینہ ہجرت پر دار العلوم کی مدرسی کو ترجیح دی۔ شیخ الہند ان دنوں دار العلوم دیوبند کے صدر مدرس اور شیخ الحدیث تھے۔ آپ نے علامہ کشمیری کو استاذ حدیث متعین کیا۔ آپ کی تقرری کی روداد محبوب رضوی (۱) لکھتے ہیں:

> ''حضرت العلامہ محمد انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ نے جو سنین ماضیہ میں دار العلوم سے فراغت حاصل کر چکے تھے، تدریس کے لیے اعزازی طور پر بلا معاوضہ اپنی خدمات چند سالوں کے واسطے پیش کیں، چنانچہ حسب خواہش دونوں حضرات کو تدریس کا کام سپرد کر دیا گیا، حضرت مولانا مدنی پچھلے چند سالوں میں حرم نبوی میں درس دے چکے تھے، جس نے حضرت ممدوح کی شخصیت کو چار چاند لگا دیے تھے۔'' (۲)

علامہ کشمیری نے دار العلوم میں اپنے تدریسی زندگی کا آغاز مسلم شریف، نسائی شریف، ابن ماجہ شریف کی تدریس سے کی۔ یہیں سے شیخ کشمیری کا فیضان آفاق جہاں میں عام ہوا، علمی دنیا و درس و تدریس کے ایک نئے اور انوکھے انقلاب سے آشنا ہوئی، جس کا ذکر حضرت گیلانی کے حوالہ سے ان شاء اللہ آئے گا۔

حضرت شیخ الہند کی نیابت:

یہ ان دنوں کی بات ہے، جب ہندوستان انگریزی استبداد کے پنجے میں جکڑا ہوا آزادی کے لیے تڑپ رہا تھا۔ دار العلوم دیوبند اپنے قیام کے دن ہی سے وطن عزیز کی آزادی کے لیے قربانیاں دے رہا تھا۔ دار العلوم کے اکثر اساتذہ تحریک آزادی کی قیادت ملک کے مختلف حصوں میں کر رہے تھے۔ شیخ الہند ان قائدین کے رہنما اور چیف کمانڈر تھے۔ آپ کی تحریک ریشمی رومال

---

(۱) مؤرخ، صحافی مولانا سید محبوب رضوی کی ولادت 1911ء علم و فضل کے شہر دیوبند میں ہوئی۔ آپ کا تعلق دیوبند کے مشہور سادات رضویہ خاندان سے تھا۔ آپ کی مکمل تعلیم دار العلوم دیوبند میں ہوئی۔ آپ اپنے وقت کے بڑے مؤرخ اور صحافی تھے۔ آپ کے آبدار قلم سے دار العلوم کی مفصل تاریخ وجود میں آئی، جس میں دار العلوم کے ہزاروں فیض یافتگان کی تاریخ ہے۔ آپ کی تصانیف میں تاریخ دار العلوم دیوبند (دو جلدیں) تاریخ دیوبند، تذکرہ سادات رضویہ، مکتوبات نبوی وغیرہ بڑی اہم ہیں۔ آپ کی وفات 68 رسال کی عمر میں 1979ء میں ہوئی۔

(۲) تاریخ دار العلوم دیوبند: ۱/۲۲۱

اگر کامیاب ہو جاتی؛ تو بہت پہلے ہی ملک آزاد ہو چکا ہوتا۔تحریک ریشمی رومال کو کامیاب بنانے کے لیے اور آزادی وطن کے پالیسی سازی کی غرض سے شیخ الہند کو حجاز مقدس کا سفر درپیش تھا۔دوسری طرف دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث کی مسند تھی۔شیخ الہند نے انتہائی غوروفکر کے بعد اپنے اس مایہ ناز اور عظیم شاگرد کو اپنی مسند درس پر بٹھلایا اور آپ نے دارالعلوم کے شیخ الحدیث اور صدر مدرس کی حیثیت سے شیخ الہند کے غیاب میں اپنی خدمات کا آغاز کیا۔شیخ الہند کو اپنے شاگرد پر پورا ابھروسہ اور ان کے علمی صلاحیتوں پر اعتماد تھا۔شیخ الہند کی نائب کی حیثیت آپ کا انتخاب فن علم حدیث پر آپ کے کمال کی شہادت ہے۔آپ نے دارالعلوم میں صحیح بخاری اور سنن ترمذی کا درس شروع کیا،آپ کے درس کا شہرہ دن بہ دن بڑھتا رہا،ہندوستان ہی نہیں؛ بلکہ عربی ممالک تک آپ کے درس حدیث کی شہرت پہنچی ،طلبہ فوج درفوج دارالعلوم پہنچنے لگے۔آپ نے تقریباً بیس سالوں تک دارالعلوم میں بخاری شریف کا درس دیا۔(۱)

درس انوری کے نادر اور انقلابی پہلو:

امام کشمیری کی درسی خصوصیات کا ذکر وہ شخص پورے طور پر انصاف کے ساتھ کیسے کرسکتا ہے،جس نے نہ کبھی امام کشمیری کو دیکھا اور نہ ہی اس سے پڑھنے والوں سے پڑھا،اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ امام کشمیری کی درسی خصوصیات، انقلابی وکرشمائی انداز کی روداد کی ذمہ داری انہیں کے ایک مایہ ناز قابل فخر شاگرد کے قلم پر ڈال دی جائے ،جو درس گاہ انوری کا نہ صرف فیض یافتہ ہے؛ بلکہ امام کشمیری کا معتمد بھی ہے۔شاہ قلم حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانی درس انوری کے انقلابی پہلو پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

> ”خیال تھا کہ جیسے عام طور پر ہمارے مدارس کا دستور ہے،طلبہ کتاب کی عبارت پڑھیں گے اور حضرت شاہ صاحب پھر اس عبارت کا مطلب اور ترجمہ طلبہ کو بتلائیں گے ،لیکن پہلی دفعہ درس کے ایک نئے طریقہ کے تجربہ کا موقع میرے لیے یہ تھا، کہ بسم اللہ بھی کتاب کی شروع نہیں ہوئی تھی، کہ علم کا ایک بحر بیکراں- بلا مبالغہ عرض کرر ہا ہوں- ایسا معلوم ہورہا تھا، کہ میرے دل ودماغ کے

---

(۱) الداعی خصوصی شمارہ ص:۱۶۰،مارچ واپریل ۱۹۸۰ء

ساحلوں سے ٹکرانے لگا۔

ایسے اساتذہ سے بھی پڑھنے کا موقع ملا تھا، جو کتاب کو شروع کراتے ہوئے غیرضروری طور پر اس قسم کی عام باتوں کا تذکرہ عموماً کیا کرتے ہیں، کہ مصنف نے خدا کی حمد سے کتاب کیوں شروع کی اور اسی عام سوال کو اٹھا کر اس کا جو مقررہ کتابوں جواب میں لکھا ہوا ہے، لفظوں کی الٹ پھیر سے دہرانے کے عادی تھے۔

لیکن الامام الکشمیر ی نے قبل اس کے کہ کتاب کا کوئی لفظ بھی شروع ہوا ہو؛ ایک خاص قسم کی دلکش، ترنم آویز آواز میں تقریر شروع کی، کس کس موضوع سے اس تقریر کا تعلق تھا، تقریباً چالیس سال بعد دہرانا آسان نہیں، لیکن بعض انقلابی تاثرات کا نشان حافظہ پر جہاں تک خیال کرتا ہوں، اب بھی باقی ہے۔

جاننے والے جانتے ہیں، صحیح مسلم کی خصوصیت یہ ہے، کہ بطور مقدمہ کے شروع کتاب میں امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث کے بعض بنیادی کلیات اور اساسی اصول اور نظریات کی طرف سیدھے سادھے الفاظ میں ایسے بلیغ و عمیق اشارے کئے ہیں؛ جن کے صحیح وزن کو فن سے ناواقف آدمی محسوس نہیں کرسکتا؛ لیکن واقعہ یہ ہے کہ امام مسلم کے بعد یوں تو اصول حدیث میں بڑی چھوٹی بے شمار کتابیں لکھی گئی ہیں؛ لیکن باوجود اس کے امام مسلم کے مقدمہ میں اب بھی پانے والے اس علم کے ایسے اہم نکات اور حقائق کو پاتے ہیں یا پاسکتے ہیں: جو شاید دوسری کتابوں میں نہیں مل سکتے۔ حق تعالی کے افضال و بے پایاں میں ایک بڑا فضل اس شور بخت، سیاہ کار کے ساتھ یہ بھی ہوا؛ کہ حدیث ہی نہیں، بلکہ اصول حدیث کے ان چند قیمتی اوراق کے پڑھنے کا ہی نہیں، بلکہ ان اوراق پر وقت کے امام کے عالمانہ خطبات سننے کا موقع اس بے بضاعت کے لیے آسان کیا گیا۔ پہلے دن کے پہلے ہی سبق میں ایسا معلوم ہوتا تھا: کہ برسوں میں حاصل ہونے والے معلومات یکا یک میرے سامنے آگئے۔

اس وقت تک میرا تاثر تھا کہ قرآن کے سوا بجز چند گنی چنی روایتوں کے،

صاحب شریعت کی طرف قطعی یقین اور کامل اطمنان کے ساتھ کسی امر کا انتساب نہیں کیا جا سکتا۔ گویا دین کا اکثر حصہ صرف ظنی اور یقین کی قوت سے محروم ہے، لیکن یہ پہلا دن تھا جب میرے کانوں نے اسناد والے تواتر کے سوا تواتر طبقہ، تواتر عمل، تواتر قدر مشترک کی نئی قسموں کو سنا، سمجھایا گیا کہ چند روایتوں کے متعلق؛ جس تواتر کا دعویٰ عام کتابوں میں کیا جاتا ہے، یہ دعویٰ صرف اسناد والے تواتر کی حد تک محدود ہے، ورنہ دین کا بڑا اہم حصہ تواتر طبقہ اور تواتر عمل و تواتر قدر مشترک کی راہ سے منتقل ہو کر مسلمانوں کی پچھلی نسلوں میں اگلی نسلوں سے پہنچا ہے ،اور تواتر کی ان تمام قسموں میں یقین آفرینی کی وہی نفسیاتی اور منطقی قوت ہے، جو قوت اسناد والے تواتر میں پائی جاتی ہے۔ یہ پہلا دن تھا؛ جس میں قرآن کے بعد دین کا سارا نظام میرے لیے یقینی و قطعی ہو گیا۔ خاکسار نے اپنی مختلف کتابوں اور مقالات میں امام کشمیری کی عطا کی ہوئی اس روشنی سے استفادہ کیا۔ مسلمانوں کے دینی اختلافات کے نوعیّتوں میں تمیز کا سلیقہ اسی انوری تحقیق سے پیدا ہوا۔

بہر حال پہلے دن کے درس میں علاوہ معنی کے، نئے نئے عربی الفاظ کا ایک بڑا ذخیرہ بھی میرے دماغ میں شاہ صاحب کے درس کے اندر جمع ہو گیا۔ ان کے بیان کی خصوصیت کا ایک غیر شعوری اثر مجھ میں یہ پیدا ہو رہا تھا، کہ عربی زبان میں اب تک کسی مطلب کو ادا کرنے کی ہمت مجھ میں نہ ہوئی تھی، لیکن سبق پڑھ کر جب قیام گاہ پر آیا اور شاہ صاحب کے عطا کئے ہوئے گونا گوں معلومات کا جائزہ لینے لگا، تو یہ محسوس ہوا کہ اپنے کمزور حافظہ سے اس کی امید نہیں، کہ ان کی بتائی ہوئی باتوں کو یاد رکھے گا۔

اس کا اسلوب ہی ایسا تھا؛ کہ بجائے اردو کے ان کے معلومات کا مجھے محسوس ہوا؛ کہ عربی میں قلم بند کرنا شاید زیادہ آسان ہے۔

ایک دلچسپ تجربہ شاہ صاحبؒ کے متعلق یہ تھا کہ اشخاص و علماء جن کا وہ تذکرہ حلقہ درس میں فرمایا کرتے تھے، ان میں زیادہ تر ایسی ہستیاں تھیں؛ جواب دنیا میں موجود نہیں ہیں۔ زندہ علماء کا ذکر مشکل ہی سے ان کے درس میں ہوتا اور زندہ کیا

سچ پوچھئے تو حافظ ابن حجر نویں صدی ہجری کے عالم و محدث کے بعد والوں کے نام بھی ان کی زبان مبارک پر اتفاقاً ہی کبھی آتا ہو۔ ان کے حلقہ درس میں پہنچ کر ایسا محسوس ہوتا تھا؛ کہ درمیان کی چند صدیاں گویا حذف ہوگئیں اور ہم نویں، آٹھویں اور ان سے پہلے کی صدیوں میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ پچھلوں کا نہ وہ نام ہی عموماً لیتے تھے اور نہ ان کے کام ہی کا مدحاً یا قدحاً ذکر کرتے۔ اس سلسلے میں معلوم ہوتا ہے کہ گزشتہ علماء کی علمی اور فنی تنقید کی طرف ان کے جذبے کا رخ پھیر دیا گیا تھا، ان کی علمی چشمک اگر کچھ تھی بھی، تو انہیں وفات یافتہ بزرگوں سے تھی۔ حافظ ابن حجر کے ساتھ ایک طرف ان کی غیر معمولی عقیدت کا حال یہ تھا کہ جبال العلم حافظ الدنیا کے الفاظ سے ان کی مراد حافظ ہی ہوتے، لیکن شافعی ہونے کی وجہ سے اختلافی مسائل میں حنفی مذہب کے متعلق؛ جہاں شاہ صاحب کو محسوس ہوتا کہ جان بوجھ کر حافظ سرد مہری اور لاپرواہی سے کام لے رہے ہیں؛ تو اس وقت مسکراتے ہوئے فرماتے، کہ حافظ الدنیا نے اس موقع پر کف لسانی سے کام لیا ہے۔

یادداشت اور حافظہ کی غیر معمولی قوت کا نتیجہ یہ تھا، کہ معلومات کا طوفان شیخ صاحب کے اندر تلاطم پذیر رہتا تھا۔ خیال آتا ہے کہ کسی مسئلے پر تقریر فرماتے ہوئے اسی کی مناسبت سے ان کا ذہن کسی دوسرے مسئلے کی طرف منتقل ہوتا، تو عموماً فرماتے کہ دفاع ہو گیا، مجھے اس مسئلے کی طرف، ان دفاعی مسائل میں صرف ونحو، معنی وغیرہ فنون تک کے مسائل شریک تھے۔ ان کی ایک عادت یہ تھی، کہ عربی زبان کے کسی مشکل لفظ کی تشریح کرتے ہوئے یا کسی اور ضرورت سے عربی شعر کو پیش کرنا چاہتے، تو گو شہادت کے لیے ایک مصرع یا ایک شعر ہی کافی ہوتا؛ لیکن یادداشت کی بے پناہ قوت کا نتیجہ تھا؛ کہ ایک مصرع کے لیے بیس بیس پچیس پچیس؛ بلکہ اس سے بھی زیادہ اشعار والی نظموں کو مسلسل سناتے چلے جاتے۔" (۱)

---

(۱) حیات انور، مضمون حضرت شاہ صاحب کی درسی خصوصیات، مولانا مناظر احسن گیلانی۔ دیکھئے: احاطہ دار العلوم دیوبند میں بیتے ہوئے دن، مولانا مناظر احسن گیلانی، ص: ۴۰۔۴۱

درس انوری کے علمی انوارات ونوادرات کا کوئی کہاں تک ذکر کرے، کوئی کس پہلو کو لے اور کسے نظر انداز کرے۔ وقت کے محقق کے قلم سے جو کچھ مندرجہ بالا سطور میں پیش کیا گیا، وہ بھی حضرت گیلانی کے مضمون کا ایک انتہائی مختصر حصہ ہے۔ طلبہ ان کی درسگاہ میں پہنچ کر علم وفن کی ایسی وادی میں پہنچ جاتے تھے؛ جہاں کی فضا میں علم اور فکر وفن رچی بسی ہو۔ جیسا کہ خود گیلانی نے لکھا ہے کہ بیچ کی صدیاں حذف ہو جاتی تھیں اور پڑھنے والے خود کو ابن حجر (۱)، امام ابن تیمیہ، (۲)

(۱) حافظ حدیث، شیخ الاسلام شہاب الدین، ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی عسقلانی شافعی کی ولادت باسعادت 22 رشعبان 773ھ کو فسطاط میں ہوئی۔ فسطاط دریائے نیل کے کنارے مصر کا ایک شہر ہے۔ علامہ ابن حجر کی شہرت کا آفتاب آج بھی نصف النہار پر ہے، آپ کی شخصیت جامع کمالات تھی۔ علم حدیث اور فن اسماء رجال تو ان کے دن ورات کا اوڑھنا بچھونا ہی تھا، لیکن فقہ، شعر وادب اور مختلف علوم وفنون میں وہ درجہ امامت پر فائز تھے۔ ابتداءً شعر وادب سے بڑی انسیت تھی؛ لیکن بعد کو اقوال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تحقیق اور حصول یعنی علم حدیث کو اپنا حرز جان بنالیا۔ مصر، یمن، حجاز، شام، وغیرہ کے شیوخ سے علم حدیث کی سماعت کی۔ آپ ہی کے پرکار اور علم ریز قلم سے بخاری کی بے نظیر شرح فتح الباری نکلی، جو آج بھی محقق علماء کے لیے حوالہ اور سند کا درجہ رکھتی ہے۔ علامہ سخاوی کے بقول ان کی تصنیفات کی تعداد 270 ہے، جب کہ سیوطی نے 200 بتلائی ہے۔ ان میں سے بعض کتابیں متعدد ضخیم جلدوں میں ہیں۔ علامہ ابن حجر نے علوم قرآن، علوم حدیث، فقہ، تاریخ، اسماء رجال، اصول حدیث، وغیرہ فنون میں اپنی تصنیفات چھوڑیں ہیں۔ آپ کی تصنیفات میں فتح الباری کے علاوہ۔ العجاب في بيان الأسباب، الاتقان في أحاديث القرآن، تجريد التفسير في صحيح البخاري، نخبة الفكر في مصطلح أهل الأثر، نزهة النظر، علم الوشي في من يروى عن أبيه و جده، تخليص الحبير، بلوغ المرام في أدلة الأحكام، تهذيب التهذيب، تقريب التهذيب، الإصابة في تمييز الصحابة، وغیرہ کون ایسی کتاب ہے، جن کو اہل علم اور محققین نے سر آنکھوں پر نہیں سجایا ہے۔ ذی الحجہ کے آخری عشرہ میں قاہرہ میں آپ کی وفات ہوئی۔ (دیکھئے: الجواہر الدرر فی ترجمۃ شیخ الاسلام ابن حجر للسخاوی)

(۲) امام تقی الدین ابوالعباس احمد بن عبدالحلیم بن عبدالسلام النمیری الحرانی ابن تیمیہ کی ولادت 10 ربیع الاول، 661ھ/21 جنوری، 1263ء جزیرہ فرات کے شہر حران میں ہوئی۔ امام ابن تیمیہ مشہور فقیہ، محدث، مفکر، فلسفی اور متکلم تھے۔ گو کہ امام احمد بن حنبل کے پیروکار تھے، لیکن وہ درجہ امامت پر فائز تھے، ان کا دور ساتوی صدی کا نصف آخر اور آٹھویں صدی کا نصف اول ہے۔ وہ اپنے دور کے بلند پایہ محقق اور مجتہد تھے؛ انہوں نے فقہ حنبلی اور اس کے اصول وضوابط اپنے دادا سے پڑھے، امام ابن تیمیہ اپنی مستقل رائے رکھتے تھے، یہی وجہ ہے کہ انہوں نے متعدد مسائل میں فقہ حنبلی کے خلاف اپنی رائے کے مواقف فتوے دیئے اور اپنی رائے کو کتاب وسنت کے نصوص سے مؤید کیا۔ انہیں اہل علم شیخ الاسلام کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ انہوں نے فقہ، اصول فقہ، حدیث، اور تفسیر میں متعدد کتابیں تصنیف کیں، ان کی سب سے مشہور کتاب ان کے فتاویٰ کا مجموعہ "فتاویٰ الکبریٰ" ہے۔ بقول علامہ ذہبی اگر مختلف علوم فنون میں ان کی آراء کو ==

امام مالک(۱) اور امام ابوحنیفہ(۲) وغیرہ کی درسگاہ میں پاتے تھے۔

== جمع کیا جائے ،تو اس کے لیے تین سو جلدیں بھی ناکافی ہوں گی۔ منہاج السنۃ النبویۃ، العقیدۃ الواسطیۃ، اَحادیث القصاص، اَمراض القلوب وشفائھا، اقتضاء صراط المستقیم، الصارم المسلول، وغیرہ ان کی اہم تصنیفات ہیں۔
20رذی قعدہ 728ھ/25رستمبر 1328ء میں دمشق میں 65رسال کی عمر میں آپ کی وفات ہوئی اور وہیں مقبرہ صوفیہ میں محوخواب ہیں۔ آپ کے مشہور تلامذہ میں علامہ ابن القیم الجوزی، علامہ ذہبی، وغیرہ ہیں۔)

(۱) امام دارالہجرہ ابوعبداللہ مالک بن انس بن مالک المدنی کی ولادت باسعادت 93ھ میں مدینہ منورہ میں ہوئی۔ آپ ائمہ اربعہ میں دوسرے امام ہیں۔ ایک دنیا آپ کے فقہ کی پیروی کرتی ہے۔ امام امالکؒ ذکاوت وذہانت، حسن اخلاق وکردار اور قوت حافظہ نیز مصیبتوں پر صبر کے لیے تاریخ میں مشہور ہیں۔ آپ کی پرورش اور تعلیم وتربیت ایسے خاندان میں ہوئی؛ جس میں علم حدیث کا چرچا تھا، صحابہ کے آثار تھے، بچپن ہی میں حفظ قرآن کی فضیلت حاصل کر لی، پھر اپنے کو حفظ حدیث کے لیے یکسو کیا۔ فقہ اسلامی پر توجہ دی اور اس میں کمال حاصل کیا، یہاں تک کہ وہ امامت کے درجہ پر فائز ہو گئے۔ ابن ہرمز، حضرت نافع مولیٰ ابن عمر اور امام شہاب الدین زہری وغیرہ سے کسب فیض کیا۔ ستر(70) مشائخ نے آپ کے علم و فضل کی شہادت دی، تب مسجد نبوی میں اپنی مسند درس بچھائی۔ آپ کا درس سکینت، وقار، حدیث نبوی کا احترام واکرام کے لحاظ سے ضرب المثل تھا۔ کہا جاتا ہے کہ ایک دفعہ حضرت امام درس دے رہے تھے کہ کپڑے میں کوئی زہریلا بچھو گھس گیا، اس نے درجنوں بار ڈنک ماری؛ لیکن حضرت امام نے اپنا درس جاری رکھا اور پہلو بدلنا بھی گوارا نہ کیا، درس جب ختم ہوا، تو کپڑا اتارا پشت مبارک اور چہرہ بچھو کے زہر سے زرد ہو گیا تھا۔ امام مالک فتویٰ دینے میں بڑے محتاط تھے سینکڑوں مسائل آپ کے سامنے پیش ہوتے اور آپ ہر ایک کے جواب میں فرمادیتے مجھے معلوم نہیں، نیز یہ بھی کہا کرتے تھے کہ میں ایک آدمی ہوں مجھ سے غلطی بھی ہوسکتی ہے اور صحیح بھی بتا سکتا ہوں، اس لیے جو بات میں کہوں اس پر خوب غور وخوض کرلیا کرو، جو بات کتاب وسنت کے مطابق ہو اس پر عمل کرو اور جو کتاب وسنت کے خلاف ہو اسے چھوڑ دو۔ 179ھ میں 22 ردنوں تک مرض کی صعوبت جھیلنے کے بعد مالک حقیقی سے جا ملے، امیر مدینہ عبداللہ بن محمد ابن ابراہیم نے نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔ امام امالک فقہ مالکی کے بانی ہیں، ہزاروں لاکھوں لوگ پوری دنیا میں فقہ مالکی پر عمل کرتے ہیں۔ ابوجعفر منصور کے زمانہ میں سن 146 یا 147ھ کی بات ہے کہ امام مالک کو اللہ کی طرف سے آزمائش کا سامنا کرنا پڑا، ہوا یوں کہ امام مالک نے یہ حدیث بیان کی کہ جبر اطلاق واقع نہیں ہوتی، فتنہ پروروں نے اس کو ابوجعفر منصور کے خلاف ہتھیار کے طور پر استعمال کیا کہ جبر یہ کسی کی بیعت بھی جائز نہیں۔ ان ہی دنوں محمد بن عبداللہ بن حسن النفس الذکیۃ نے ابوجعفر منصور کے خلاف بغاوت کی تھی، حکومت نے انہیں اس روایت کو بیان کرنے سے روکا، لیکن امام مالک نے پوری جرأت سے مجمع عام میں یہ حدیث بیان کی "لیس علیٰ مستکرہ طلاق" اس جرم میں آپ کو کوڑے لگائے گئے آپ کے ہاتھ اس طرح باندھے گئے کہ اس کی ہڈیاں ظاہر ہو گئیں۔ امام مالک کو یہ سزا کیوں دی گئی، اس سلسلہ میں متعدد روایتیں ہیں ایک تو وہی ہے، جس کا ذکر اوپر آیا۔ دیگر روایتوں کے ذکر کا یہ موقع نہیں۔ "موطا" آپ ہی کی تصنیف ہے، جس پر ان کے مذہب کی بنیاد ہے، یہ حدیث کی پہلی کتاب ہے، بہت سارے اہل علم موطا کو حدیث کی تمام کتابوں پر فوقیت دیتے ہیں۔ ==

شادی مبارک:

جن دنوں حضرت علامہ اپنے وطن کشمیر میں تھے، ان کے اہل خانہ نے آپ کی شادی کا ارادہ کیا، لیکن علامہ کی علمی شغف نے اس ارادے کو عمل کی صورت نہیں بننے دی۔ آپ شادی کے لیے بالکل ہی رضامند نہ ہوئے۔ غالباً یہ خیال تھا کہ شادی کی الجھنیں اور گھر گرستی کے جھمیلے انہیں علمی دنیا سے دور لے جائے گی۔ کتابوں کے عاشق کو کبھی تنہائی کے احساس نے نہیں ستایا، اس لیے انہوں

== حضرت امام شافعیؒ نے فرمایا کہ روئے زمین پر قرآن کریم کے بعد ''المؤطا'' صحیح ترین کتاب ہے، جب کہ جمہور علماء کی رائے ہے کہ بخاری و مسلم کے بعد ''مؤطا'' صحیح ترین کتاب ہے۔ امام شافعی، عبداللہ بن مبارک، ابن علی، عبدالرحمٰن قاسم، عبداللہ بن وہب، ابوداؤد الطیالسی، جیسے ائمہ آپ کے شاگرد ہیں۔ (دیکھیے: سیر اعلام النبلاء: 7/150، سیرت ابن کثیر ص، 18، تزیین الممالک بمناقب الامام مالک: جلال الدین سیوطی)

(۲) امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت بن زوطا بن مرزبان کی ولادت 80ھ/ 5/ستمبر 699ء کوفہ میں ہوئی۔ آپ کا لقب امام اعظم ہے، آپ فارسی النسل تھے۔ امام ابوحنیفہ کی تعلیم و تربیت کا زمانہ وہی ہے، جو بنو امیہ کی حکومت اور ملک بن مروان کے خلافت کا ہے، یہ وہ عہد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال انور سے اپنی آنکھیں روشن آنے والے بزرگوں میں سے چند بقید حیات تھے۔ آپ نے اپنے بچپن اور شباب کے زمانہ میں بعض صحابہ کو دیکھا تھا، حضرت انس بن مالک سے آپ کی ملاقات تھی، اس لیے آپ تابعی تھے۔ یہ اور بات ہے کہ کسی صحابی سے آپ کی کوئی روایت ثابت نہیں ہے۔ سلیمان بن عبدالملک کے زمانہ میں امام صاحب تحصیل علم میں مشغول ہوئے، یہ وہ دور تھا کہ ادب، علم انساب، ایام العرب، فقہ، علم حدیث، اور علم کلام کا ہر طرف چرچہ تھا۔ ہر طرف بحث و مباحثہ کا بازار گرم تھا، علم کلام کا زور تھا، امام صاحب نے اس فن میں کمال پیدا کیا۔ آپ فقہ حنفی کے بانی ہیں اور پوری دنیا میں سب سے زیادہ مسلمان آپ ہی کے فقہ کے پیروکار ہیں۔ آپ نے تدوین فقہ کی مجلس قائم کی، اس مجلس میں اپنے نامور شاگردوں کو شریک کیا، ہر مسئلہ پر کھل کر بحث ہوتی تھی اور ہر کسی کو کھل کر اپنی رائے رکھنے کی آزادی تھی۔ امام صاحب ان بحثوں کو خاموشی سے سنا کرتے تھے اور اخیر میں اپنا فیصلہ سناتے، اگر یہ فیصلہ سبھوں کو قبول ہوتا تو لکھ لیا جاتا، اگر امام صاحب کے فیصلہ کے بعد بھی لوگ اپنی رائے پر قائم رہتے تو ان کا اختلاف نوٹ کر لیا جاتا، اسی مجلس نے امام ابویوسف، امام محمد، امام زفر جیسے ممتاز فقہاء اور محدثین کو پیدا کیا۔ امام صاحب کی یہ مجلس کیا تھی، درحقیقت قانون سازی کا مدرسہ یا لاء کالج تھی۔ امام صاحب کی عقائد کے موضوع پر نہایت قیمتی تصنیف ''الفقہ الاکبر'' ہے۔ ملا علی قاری نے اس کی شرح لکھی ہے۔ بعض لوگوں نے امام صاحب کی طرف نسبت کو مشکوک قرار دیا ہے، لیکن یہ بات سچ ہے کہ امام صاحب سے پہلے فقہ مستقل اور مرتب فن نہ تھا، امام ابوحنیفہ ہی نے فقہ کی تدوین کا آغاز کیا اور ہزاروں مسائل قرآن کریم و حدیث سے مستنبط فرمائے۔ حضرت امام شافعی فرمایا کرتے تھے کہ پوری دنیا فقہ میں امام ابوحنفیہ کے خوشہ چیں ہے۔ 14/جون 767 میں آپ نے وفات پائی، بغداد میں آسودہ خواب ہیں۔

(تفصیل کے لیے دیکھیے: تبیض الصحیفة بمناقب أبی حنیفة: جلال الدین سیوط

نے شادی نہ کرنے کا تہیہ فرمالیا تھا۔ مدینہ ہجرت کے ارادے سے نکلے تھے، دیوبند میں اساتذہ نے انہیں قیام دارالعلوم پر مجبور کر دیا۔ تاہم مدینہ منورہ ہجرت کا طوفان اکثر آپ کے دل میں اُمڈتا رہتا تھا۔ اپنے مربیوں کی خواہش پر اپنی امنگوں کا خون تو کر ہی دیا تھا، لیکن کبھی کبھی یہ جذبہ سر اٹھاتا، کبھی دیارِ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا شوق انہیں پریشان کرتا، اکابر دارالعلوم کو بھی ان کی دلی کیفیت کا احساس تھا، اس لیے اکابر دارالعلوم نے سوچا کہ ان کے پاؤں میں شادی کی بیڑیاں ڈال دی جائے؛ تاکہ بیوی، بچوں کی وجہ سے وہ دیوبند نہ چھوڑ سکیں اور دارالعلوم دیوبند ان کے فیوض وبرکات سے کبھی محروم نہ ہو۔

دارالعلوم دیوبند کے نائب مہتمم علامہ حبیب الرحمٰن کو وہی تدبیر سوجھی؛ جو یمن والوں کو حضرت معمرؒ (۱) کے سلسلے میں سمجھ میں آئی تھی، یمن والوں نے اس خوف سے کہ وہ یمن چھوڑ کر نہ چلے جائیں، حضرت معمر کا یمن میں نکاح کر دیا تھا۔ علامہ حبیب الرحمٰن کی کوششیں رنگ لائیں اور بہت ہی ردوقدح اور مان منول کے بعد شیخ کشمیری کسی طرح شادی پر راضی ہو گئے۔ قاری طیب صاحب آپ کی شادی کا واقعہ بیان کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

> ''قیامِ دیوبند کی یہ صورت قائم ہو جانے پر حضرت شاہ صاحب نے باشارۂ اکابر درس وتدریس کا مستقل سلسلہ جاری تو فرمادیا؛ لیکن ہجرت کی پاک

---

(۱) امام ابوعروہ معمر بن راشد الازدی الیمنی کی ولادت 95یا96ھ میں ہوئی۔ امام زہری، امام قتادہ، عمرو بن دینار، حمام ابن منبہ ایسے اہل علم وفضل سے کسب فیض کیا۔ علم حدیث میں آپ کا درجہ بہت بلند ہے۔ حضرت عبد اللہ ابن مبارک، یزید بن ذریع، سعید ابن ابی عروبہ، محمد ابن حمید، عبد الرزاق ابن ہمام کے علاوہ ہزاروں لوگوں نے آپ سے حدیث پڑھی۔ خود آپ کے اساتذہ میں بھی بعض حضرات نے آپ سے روایت کی ہے۔ آپ کے حصول علم کی ابتدا حضرت حسن بصری کی وفات کے دن سے ہوئی۔ خود حضرت معمر کہتے ہیں کہ ''میں حضرت حسن بصری کے جنازہ میں شریک ہوا اور اسی سال سے میں نے پڑھنا شروع کیا''۔ اس وقت آپ کی عمر چودہ سال تھی، امام بخاری نے خود حضرت معمر کا یہ قول نقل کیا ہے کہ میں نے ان سالوں میں جو بھی حدیثیں سنیں ہیں؛ وہ گویا میرے سینہ میں لکھ دی گئی ہیں۔ حضرت معمر بصرہ کے رہنے والے تھے۔ ایک زمانہ میں وہ یمن تشریف لائے، یہاں ان کے علم کا شہرہ ہوا اور خلق خدا ان کے گرد حصول علم کے لیے جمع ہوگئی، لیکن حضرت معمر نے یہاں سے بھی ہجرت کی ٹھان لی، صنعاء یمن کے لوگوں نے حضرت معمر کو روکنے کی یہ تدبیر کی کہ ان کی شادی کرادی اور اس طرح حضرت معمر یمن کے ہوکر رہ گئے۔ 154ھ میں آپ نے وفات پائی۔ (دیکھئے: سیر اعلام النبلاء: 7/5، طبقات ابن سعد: 5/546، المکتبۃ الشاملۃ)

نیت سے دست بردار نہ ہوئے۔ اور برابر حاضریٔ حرم نبوی وحرم الٰہی کا جذبہ آپ کو دیوبند چھوڑنے کی طرف مائل کرتا رہتا تھا جس کا اظہار وقتاً فوقتاً ہوتا۔ اور یہ اکابر بلطائف تعبیر اسے ٹالتے جاتے؛ لیکن خطرہ انہیں بھی رہتا تھا، کہ نہ معلوم کس وقت یہ جذبہ غالب ہو جائے۔ اور دار العلوم کو ایسی جامع اور مستقبل کی بڑی بڑی امیدوں کی محور ہستی سے دست بردار ہونا پڑ جائے۔ اس لیے یہ حضرات بھی انہیں مستقل جما دینے کی تدبیر سوچتے رہتے تھے۔

آخر کار انہیں پابند بنانے کے لیے ان بزرگوں نے ان کے پیروں میں بیڑی ڈالنے کی تدبیر سوچ ہی لی، اور ارادہ کیا کہ حضرت ممدوح کا نکاح کر دیا جائے۔ ایک سید خاندان میں نکاح کر دیا گیا۔ میری دادی صاحبہ رحمۃ اللہ علیہا اور حضرت والد ماجد قدس سرہٗ نے اس کی کفالت فرمائی، اور نکاح کی اس تقریب کو اسی طرح انجام دیا؛ جس طرح وہ اپنی اولاد کی کوئی بھاری تقریب کر سکتے تھے۔ بھوپال بارات گئی، علماء کی ایک جماعت ساتھ تھی۔ بڑی پُر مسرت فضا میں نکاح ہوا۔ دلہن آئیں تو حضرت جدۂ مرحومہ نے اسی طرح گھر میں اتارا، جیسے اپنے گھر کی دلہن اتاری جا سکتی تھی۔ ولیمہ کی لمبی چوڑی دعوت کی اور احقر کے زنانہ مکاں کے بالا خانے پر حضرت شاہ صاحبؒ مع اہلیہ محترمہ فروکش ہوئے۔ (۱)

اللہ تعالیٰ نے اپنے اس عظیم بندے کو بڑی نیک صالح بیوی سے نوازا۔ حضرت علامہ نے نہایت ہی خوبصورت ازدواجی زندگی گزاری، آپ کو تین لڑکے اور دو لڑکیاں ہوئیں۔ ایک کی شادی بجنور کے ایک عالی حیثیت سے ہوئی، جب کہ دوسری کا نکاح علامہ نے اپنے خاص شاگرد سید احمد رضا بجنوری (۲) سے کیا۔ تین لڑکوں میں بڑے حضرت ازہر شاہ قیصر،

---

(۱) حیات انور، مضمون نور الانوار ص: ۲۰۵، ۲۰۶، قاری محمد طیب صاحب

(۲) مولانا سید احمد رضا بن پیر جی شبیر علی علامہ کشمیری اور مولانا مدنی کے شاگردوں میں تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے وطن بجنور میں حاصل کی۔ حدیث اور اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے دار العلوم دیوبند تشریف لائے، علامہ کشمیری اور دیگر اساتذہ فن سے کسب فیض کیا، پھر پنجاب کے کرنال کالج سے عصری علوم میں متعدد ڈگریاں حاصل کیں۔ رسمی علوم کی تکمیل کے بعد مجلس علمی، ہمنلک، گجرات سے وابستہ ہو گئے، کچھ دنوں بعد دار العلوم دیوبند تشریف لے آئے اور یہیں ==

محمد اکبر شاہ(۱) اور ماضی قریب کے بڑے محدث حضرت مولانا محمد انظر شاہ مسعودیؒ(۲) تھے۔ اکبر شاہ کم عمری ہی میں راہی ملک بقا ہو گئے، باقی حضرت شاہ صاحب کے یہ دونوں صاحبزادے اپنے وقت کے بڑے اور ممتاز علماء میں شمار ہوئے۔ پورے ملک نے ان کی علمی صلاحیت کا اعتراف کیا۔ ہر ایک صاحب تصنیف وتالیف ہیں۔ حضرت انظر شاہ نے اپنے والد ہی کی طرح علم حدیث کی خدمت کو اپنی زندگی کا نصب العین بنایا، دارالعلوم، پھر وقف دارالعلوم میں حدیث کی کتابیں پڑھائیں، آخری سانس تک بخاری کا درس دیتے رہے۔ آپ وقف دارالعلوم دیوبند میں شیخ الحدیث اور صدر مدرس تھے۔ آپ کے آبدار قلم سے متعدد کتابیں منظر عام پر آئیں۔ ازہر شاہ قیصر اور مولانا انظر شاہ دونوں ہی نے اپنے عظیم والد کی سوانح بھی لکھی۔(۳)

== علامہ انور شاہ کشمیری کے ملفوظات جمع کرنے کا سلسلہ شروع کیا، انوار الباری اور ملفوظات کشمیری آپ ہی کی محنت کا ثمرہ ہے۔ رمضان المبارک 1418ھ میں جب کہ آپ تہجد کی نماز میں اپنے رب کے حضور سجدہ ریز تھے، کہ رب کا بلاوا آ گیا۔ آپ کی وفات قابل رشک ہے۔ (دیکھئے: انوار الباری: ۱/۱)

(۱) علامہ انور شاہ کشمیری صاحب کے صاحبزادے تھے، والد کی وفات کے وقت بہت ہی کم عمر تھے، ابتدائی تعلیم دارالعلوم دیوبند میں حاصل کی، ابھی صرف چودہ سال کے تھے کہ اللہ کو پیارے ہو گئے، اپنے والد کے قدموں تلے آسودۂ خواب ہیں۔

(۲) علامہ انور شاہ کشمیری کے نامور فرزند، ان کے علوم ومعارف کے پرتو، بے مثال خطیب، بلند پایہ محدث، دارالعلوم وقف کے شیخ الحدیث، جامعہ امام انور کے بانی حضرت مولانا سید انظر شاہ مسعودی کشمیری کی پیدائش 6/ دسمبر 1927ء کو دیوبند میں ہوئی۔ ابھی صرف چار سال کے تھے، کہ عظیم والد کا سایہ سر سے چھن گیا، مکمل تعلیم دارالعلوم دیوبند میں حاصل کی۔ حضرت مولانا حسین احمد مدنی، شیخ الادب مولانا اعجاز علی امروہوی سے بطور خاص استفادہ کیا۔ دارالعلوم کے اختلاف کے بعد 1982ء میں دارالعلوم وقف تشریف لے آئے اور تادم حیات یہاں کے شیخ الحدیث اور صدر مدرس رہے۔ 1997ء میں جامعہ امام محمد انور کی بنیاد رکھی۔ 2003ء میں عربی زبان وادب کی خدمات پر صدر جمہوریہ ایوارڈ سے سرفراز ہوئے۔ آپ نے سیاست میں بھی بڑی دل چسپی لی، 2004ء میں یوپی کانگریس کے نائب صدر منتخب کیے گئے۔ 26/اپریل 2008ء کو بھرپور علمی زندگی گزارنے کے بعد سر گنگا رام ہسپتال دہلی میں جان جان آفریں کے حوالہ کر دی۔ اپنے والد کے پہلو میں آسودہ خواب ہیں۔ اللہ نے آپ کو قلم کی دولت سے بے پناہ نوازا تھا، آپ کے گوہر بار قلم نے متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ تقریر شاہی (تفسیر) الفیض الجاری، اسماء حسنیٰ کے برکات، نوادرات امام کشمیری، تذکرہ اعزاز، لعل وگل، نقش دوام، خیر المجالس وغیرہ آپ کی قلمی یادگار ہیں۔ (دیکھئے: پس مرگ زنداں، از نور عالم خلیل امینی، وہ جو بیچتے تھے دوائے دل؛ خالد سیف اللہ رحمانی)

(۳) تفصیل کے لیے دیکھئے: پس مرگ زندہ، نور عالم خلیل امینی ص: ۸۱۶، نقش دوام ص: ۲۷، نفحۃ العنبر ص: ۲۱

دارالعلوم سے علاحدگی:

۱۳۴۵ھ میں دارالعلوم دیوبند میں طلبہ اور انتظامیہ میں بعض غلط فہمیاں پیدا ہوئیں، جس کی وجہ سے دارالعلوم کے حالات معمول پر نہ رہے۔ علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ طلبہ کے مطالبات کو حق بجانب سمجھتے تھے؛ انہوں نے شعبان کے پہلے ہفتے میں دارالعلوم کی مسجد میں طلبہ کی حمایت میں تقریریں کیں۔ امام کشمیری کے حامیوں میں مفتی عزیز الرحمٰن (۱) صاحب، علامہ شبیر احمد عثمانی اور بعض دیگر اساتذہ بھی تھے۔ دوسری طرف انتظامیہ کی نظر میں یہ مطالبہ بے جا تھا۔ بہر کیف ۱۳۴۶ھ میں وہ ہنگامہ جو گزشتہ سال دب گیا تھا؛ دوبارہ اٹھ کھڑا ہوا۔ ذی قعدہ ۱۳۴۵ھ میں علامہ کشمیر تشریف لے گئے اور صفر ۱۳۴۶ھ میں وہیں سے اپنا استعفیٰ ارباب اہتمام کو بھیج دیا۔

۲ ربیع الاول کو حضرت شاہ صاحب مستعفی ہو چکے تھے، اس لیے درس کا آغاز نہیں فرمایا۔ (۲)

دارالعلوم سے علامہ کے استعفیٰ کی خبر جنگل کی آگ کی طرح ملک کے کونے کونے میں پھیل

---

(۱) ہندوستان کے مشہور علمی خاندان کے گل سر سبد دارالعلوم دیوبند کے مایہ افتخار، زہد و قناعت، تقویٰ وللہیت، علم و دانش، فضل و کمال، معصومیت اور سادگی کے پیکر زیبا حضرت مفتی عزیز الرحمٰن دارالعلوم کے ان مایہ ناز فرزندوں میں ہیں، جن پر بجا طور پر دارالعلوم فخر کر سکتا ہے۔ طبیعت میں عجیب فیاضی، اور دل میں جذبہ خدمت خلق ہر وقت موجزن رہتا تھا۔ دارالعلوم کی مصروفیتوں سے جوں ہی فرصت پاتے کسی نہ کسی محلّہ میں تشریف لے جاتے، بیوہ اور یتیموں کی دادرسی کرتے، محلّہ کی عورتیں اپنا جھولا ان کے ہاتھوں میں تھما تیں اور وہ بازار میں خواتین کے سامان کی خریدگی کے لیے دھکے کھاتے پھرتے، بسا اوقات خواتین کہتی کہ میں یہ نہیں، یہ کہا تھا لانے کو، دوبارہ بازار جاتے اور مطلوبہ چیز لے کر ضرورت مندوں تک پہونچاتے۔ یہ تھے ہمارے مفتی عزیز الرحمٰن عثانی، آپ کا درس بالکل خاموش ہوا کرتا تھا، طلبہ عبارت پڑھتے، حکم ہوتا حاشیہ پڑھ لو، حاشیہ خوانی ہوتی، اگر کسی طالب علم نے کچھ دریافت کیا، تو ارشاد ہوتا کہ فلاں کتاب کھولو اور اس کی یہ عبارت پڑھو، بس یہی تھا ان کا انداز درس، اس طرح وہ طلبہ میں تحقیقی صلاحیتیں اجاگر کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ طلبا کا اصرار بڑھا، تو جلالین کے درس میں آپ نے تقریر فرمائی، یہ تقریر کیا تھی؟ وہبی علوم کا طلاطم تھا، جو ان کی زبان سے نکل کر طلبہ کے ساحل ذہن سے ٹکرا رہا تھا۔ حضرت شاہ صاحب کی علالت کے زمانہ میں کچھ دنوں کے لیے جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں شیخ الحدیث رہے۔ آپ کے فتاوے ''فتاویٰ دارالعلوم'' میں شامل ہیں، جسے جی چاہے وہاں دیکھے اور آپ کے تبحر علمی کا اندازہ لگالے۔ 1928ء میں وفات پائی اور مقبرہ قاسمی میں آسودہ خواب ہوئے۔ علامہ شبیر احمد عثانی، مولانا حبیب الرحمٰن عثانی مہتمم دارالعلوم آپ ہی کے بھائی تھے۔

(۲) تفصیل کے لیے دیکھیے: تاریخ دارالعلوم دیوبند: ۱/۲۷۰-۲۷۳

گئی۔ علامہ کو لگاتار مختلف یونیورسٹیوں اور جامعات سے خطوط اور مراسلے آنے لگے، جس میں بڑی بڑی تنخواہوں کی پیشکش اور بڑے بڑے عہدے اور مناصب کے وعدے تھے۔ علامہ اقبال کو جب معلوم ہوا کہ حضرت کشمیری دار العلوم سے مستعفی ہو چکے ہیں، تو انہوں نے امام کشمیری کو خط لکھا اور فقہ اسلامی کی جدید تدوین کے لیے تشریف لانے کی درخواست کی۔ امام کشمیری اس سلسلے میں کسی قدر راضی بھی ہو گئے تھے؛ لیکن انھی دنوں گجرات کے علماء کا ایک وفد حاضر خدمت ہوا اور مدرسہ تعلیم الدین ڈابھیل گجرات کی مسند صدارت اور شیخ الحدیث کے عہدے کو قبول کرنے کی باصرار درخواست کی۔ ایک تو علم حدیث سے فطری شغف دوسرے علمائے گجرات کا اصرار اس قدر بڑھا کہ آپ نے ڈابھیل جانا قبول فرمالیا۔ اس چھوٹے سے مدرسہ کی قسمت کا ستارہ امام کشمیری کی آمد کی خبر کے ساتھ ہی سریا پر پہنچ گیا۔ علم حدیث کے طلبہ کی بھیڑ جمع ہونے لگی، بلکہ بہت سے وہ طلبہ؛ جو دار العلوم دیوبند میں زیر تعلیم تھے، امام کشمیری کے ساتھ ہی ڈابھیل پہنچ گئے۔ مدرسہ تعلیم الدین کی شہرت آفاق جہاں میں پہنچی، ہزاروں طالبان علوم نبوت نے فیضان انوری سے اپنے دل کو منور کیا۔ علم کا آفتاب گجرات میں اپنی کرنیں بکھیر رہا تھا، اس لیے روشنی کے متلاشی بھی جوق در جوق پہنچ رہے تھے۔ (۱)

امام کشمیری کی عمر بھی اب آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی۔ تضرع اور گریہ زاری کا غلبہ ہو چکا تھا؛ اس لیے دوران تدریس اکثر رو پڑتے تھے۔ جنت و دوزخ اور برزخ کے ذکر پر آنکھیں چھلک پڑتی تھیں۔

امام کشمیری نے ڈابھیل میں علم حدیث کی خدمت اور لوگوں کی اصلاح میں پانچ سال سے زائد کا عرصہ بتایا؛ لیکن ان پانچ سالوں میں کبھی بھی آپ کو گجرات کی فضا راس نہ آئی۔ آپ کو یہاں آ کے سخت بیماریوں کا سامنا رہا؛ جس کی وجہ سے آپ انتہائی کمزور ہو گئے، لیکن اس کے باوجود علم و قلم کے اس مسافر کا سفر تیز گامی سے جاری رہا۔ بیماریاں اپنی جگہ، لیکن درس کا سلسلہ جاری رہا، علم و تحقیق کا کام چلتا رہے، راہ علم کے مسافر کو کسی بیماری نے منزل سے نہیں بھٹکایا۔ تحقیق کی موتیاں صفحہ قرطاس پر بکھیرتے رہے۔ علامہ کا آبدار قلم نئی نئی تحقیقات دنیا کو روشناس کراتا رہا، آپ کے متعدد رسائل میں تصنیف فرمائے، جو مجلس علمی سے شائع ہوئے۔ عشق نبی سے سرشار دل اقوال محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے اشاعت میں ہمہ تن مصروف رہا، لیکن حالات بگڑتے گئے، قویٰ کمزور ہوتا چلا گیا۔ بالآخر مرض کی

---

(۱) دیکھیے: نقش دوام، ص: ۷۵

شدت نے مجبور کیا اور آپ دوبارہ ۱۳۵۱ھ میں بغرض علاج دیوبند واپس تشریف لے آئے؛ لیکن بستر مرض پر بلکہ مرگ پر بھی کبھی مشغلہ علم سے ایک لمحہ کے لیے بھی چشم پوشی نہیں فرمائی۔ بیماریاں رنگ دکھاتی رہیں، دوا چلتی رہی، شمع انور کے پروانے حاضری دیتے رہے اور اپنے اپنے ظرف کے مطابق فیضان انوری سے مستفیض ہوتے رہے۔ کوئی ایسا دن نہیں گزرا جب طلبہ کی بھیڑ آپ کے حجرے میں نہ ہوتی۔ ان متلاشیان علم میں وقت کے بڑے بڑے فضلاء بھی ہوتے اور دار العلوم کے عام طلبہ بھی۔ انہیں دنوں کا ایک واقعہ آپ کے ایک ممتاز شاگرد حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب اس انداز میں ذکر کرتے ہیں۔ پڑھیے اور آپ کی ذکاوت وذہانت پر سر دھنیے:

> ''میں اپنے اسی معمول بہ دستور کے مطابق حضرت شاہ صاحب قدس سرہٗ کی خدمت میں ان کے دولت خانہ پر حاضر ہوا۔ مرض وفات اپنی آخری حد پر پہنچ چکا تھا اور دو تین ہفتہ بعد ہی وصال ہونے والا تھا۔ کمزور بے حد ہو چکے تھے، لیٹنے بیٹھنے میں بے حد تکلیف ہوتی تھی۔ اطلاع کرنے پر مجھے حسب معمول گھر میں بلا لیا اور عادت تھی کہ جب بھی میں پہنچتا؛ تو کسی نہ کسی چیز سے تواضع فرماتے۔ فوراً چائے بنانے کا حکم دیا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ حضرت ممدوح کا دار العلوم سے کوئی تعلق نہیں تھا اور میں اس زمانہ میں عہدۂ اہتمام دار العلوم پر تھا، لیکن حضرت ممدوح کے اس رسمی تعلق کے انقطاع؛ بلکہ اس سے بھی پہلے فتنہ ۴۶ھ کے زمانہ میں میرا تعلق ان سے وہی رہا جو پہلے سے تھا۔ حتیٰ کہ آمد ورفت بھی منقطع نہیں ہوئی۔ اسے حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ بھی محسوس فرماتے اور قدر کی نگاہ سے دیکھتے۔ پھر یہ تعلق کوئی رسمی یا دنیوی نہ تھا، جو قطع ہو جاتا؛ بلکہ روحانی تھا اور قدیم تھا جو ناممکن الانقطاع تھا۔ گو درمیانی مدت میں قضاء قدر سے وہ مستور اور مغلوب سا ہو گیا تھا اور تکوینی طور پر ''إن نزغ الشيطان بيني و بين أخوتي'' فتنہ زا منظر کا ظہور ضرور ہوا، تاہم وہ سب سطحی بات تھی قلبی طور پر محبت وعقیدت کا علاقہ بدستور قائم تھا اور اس میں جتنا کچھ رخنہ پڑ گیا تھا۔ مرور ایام سے اس میں بھی اضمحلال آ چکا تھا، اس لیے از اول تا آخر میرے لیے حضرت ممدوح کے قلب مبارک میں کافی گنجائش تھی، جس کا ظہور میری گاہ بگاہ

حاضری پر ہوتا رہتا تھا۔ اس موقع پر بھی حسب معمول اس بزرگانہ شفقت سے پیش آئے، چائے وغیرہ سے فراغت کے بعد متوجہ ہوئے۔ فرمایا مولوی صاحب کیسے تشریف لائے۔ میں نے عرض کیا، حضرت ابو الحسن کذاب کا ترجمہ نہیں ملتا، اس کے بارے میں نشان معلوم کرنے حاضر ہوا ہوں۔ فرمایا ادب و تاریخ کی کتابوں میں فلاں فلاں مواقع کا مطالعہ کر لیجئے۔ تقریباً آٹھ دس کتابوں کے نام لے دیئے اوران کے مظان و مواقع کی نشاندہی فرمادی۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت مجھے اس شخص کی پوری تاریخ معلوم کرنی نہیں، صرف ان کی صفت کذب و دروغ گوئی کے حالات معلوم کرنے ہیں، مگر اسی طرح کا کوئی عنوان کسی کتاب میں نہیں ملتا؛ کہ اس کے نیچے ان خاص واقعات کا مطالعہ کر لوں۔

فرمایا مولوی صاحب آپ نے بھی کمال کیا۔ صفت کذب کونسی صفت مدح ہے؛ کہ لوگ اس پر عنوانات قائم کر کے اس کے واقعات دکھلائیں۔ ایسی مذموم صفات وافعال کا تذکرہ تو ضمناً اور استطراداً آجاتا ہے۔ عنوان ہمیشہ کمالات پر قائم کئے جاتے ہیں، نہ کہ نقائص وعیوب پر۔ ان کتب میں فلاں فلاں مقام دیکھ لیجئے۔ ضمناً اس کی صفت کذب کا بھی تذکرہ کہیں نہ کہیں مل ہی جائے گا۔

میں نے عرض کیا کہ حضرت مجھے، تو کتابوں کے اتنے اسماء بھی یاد نہ رہیں گے، چہ جائیکہ ان کے یہ مظان اور مواقع محفوظ رہیں۔ نیز انتظامی مہمات کے بکھیڑوں میں اتنی فرصت بھی نہیں کہ چند جزوی مثالوں کے لیے اتنا طویل و عریض مطالعہ کروں۔ بس آپ ہی اس شخص کے کذبات اور دروغ گوئی سے متعلقہ واقعات کی دو چار مثالیں بیان فرمادیں۔ میں ان ہی کو آپ کے حوالہ سے جزو کتاب بنادوں گا۔ اس پر مسکرا کر ابو الحسن کذاب کی تاریخ اس کے سنہ ولادت سے، سن وار بیان فرمانی شروع کر دی؛ اس کے جھوٹ کے عجیب وغریب واقعات بیان فرماتے رہے۔ آخر میں سن وفات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ شخص مرتے مرتے بھی جھوٹ بول گیا، پھر اس جھوٹ کی تفصیل بیان فرمائی۔

حیرانی یہ تھی کہ یہ بیان ایسے طرز سے ہو رہا تھا کہ گویا حضرت ممدوح نے آج کی شب میں مستقلاً اسی کی تاریخ کا مطالعہ کیا ہے، جو اس بسط سے سن وار واقعات بیان فرمارہے ہیں۔

میں نے تعجب آمیز لہجہ میں عرض کیا کہ حضرت! شاید کسی قریبی ہی زمانہ میں اس کی تاریخ دیکھنے کی نوبت آئی ہوگی؟ سادگی سے فرمایا، جی نہیں! آج سے تقریباً چالیس سال کا عرصہ ہوتا ہے، جب میں مصر گیا ہوا تھا، خدیوی کتب خانہ میں مطالعہ کے لئے پہنچا تو اتفاقاً اسی ابوالحسن کذاب کا ترجمہ سامنے آگیا اور اس کا مطالعہ دیر تک جاری رہا۔ بس اسی وقت جو باتیں کتاب میں دیکھیں حافظہ میں محفوظ ہو گیا اور آج آپ کے سوال پر مستحضر ہوگئیں، جن کا میں نے اس وقت تذکرہ کیا۔

اللہ اکبر۔ یہ واقعات حدیث وتفسیر اور فقہ واصول کے ان مباحث سے تعلق نہ رکھتے تھے، جو ان کے متداول فنون اور روزمرہ کے مشاغل میں سے تھے، بلکہ ایک غیر متعلق بات اور وہ بھی چالیس سالہ مدت کی ذہن میں آئی ہوئی اور اوپر سے وہ بھی کسی اہتمام سے نہیں محض اتفاقی طور پر اور سرسری انداز سے ذہن میں آئی ہوئی چیز تھی، اس کا اتنا استحضار عام معتاد حافظہ سے بالاتر کرامتی حافظہ سے ہی تعبیر کیا جاسکتا ہے۔‘‘(۱)

تری لحد کو سلام پہونچے:

بیماریوں کے حملے نے امام کشمیری کی صحت کی عمارت میں شکست وریخت برپا کردی تھی، دیوار حیات اب ڈھنے کو تھی، رفیق اعلیٰ کی ملاقات کے لیے آپ کا پاکیزہ دل ہر پل تڑپ رہا تھا، دیدار یار کی خواہش اب بے قابو ہونے کو تھی۔ دن ورات علم وعمل کی دنیا میں مصروف مسافر کی منزل اب قریب آچکی تھی، راہ دین وعلم کے آبلہ پا مسافر کو اب قرار آنے کو تھا، قدرت کا ہاتھ اب تھپکیاں دے کر اپنے اس محبوب کو سلا رہا تھا۔ آخر وہ دن آہی گیا جب علم حدیث کا سورج صفر ۱۳۵۲ھ اتوار کی رات کو ہمیشہ کے لیے غروب ہوگیا۔ امام کشمیری دنیا سے جاچکے ہیں، لیکن ان کی

(۱) حیات انور، مضمون نورالانوار ص: ۲۲۶۔ ۲۲۹

بکھیری ہوئی کرنیں آج بھی علم کی ضیا پاشیاں کررہی ہیں۔امام کشمیری کو آخری دیدار کرنے والے کہتے ہیں کہ جس وقت ان کی وفات ہوئی ان کا چہرہ انتہائی روشن اور منور تھا۔ایسا محسوس ہورہا تھا کہ نور کی بارش ہورہی ہے اور بھلا کیوں کر نہ ہو؛ جب کہ خود آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بشارت سنادی ہے۔ ''اللہ اس شخص کو تروتازہ رکھے جس نے میری بات سنی، اسے یاد کیا اور دوسروں تک پہنچایا'' (۱) امام کشمیری سے بڑھ کر اس بشارت کا کون مستحق ہوسکتا تھا؛ تو اگر ان کے چہرہ انور پر نور کی چادر پڑی ہوئی تھی، تو اس میں کیا تعجب ہے؟

کوئی چیز کتنی ہی پیاری کیوں نہ ہو، اس کے مقدر میں فنا ہے۔باقی رہنے والی ذات صرف اللہ کی ہے۔امام کشمیری کو بھی اس حقیقت کا ادراک تھا، سو وہ اپنے رب سے جا ملے۔شہر دیوبند کی عیدگاہ کے قریب آپ کی تدفین عمل میں آئی۔جہاں آج ان کے ساتھ ان کی رفیق حیات اور ان کے نامور صاحبزادگان آسودہ خواب ہیں۔

تیری لحد پر خدا کی رحمت
تیری لحد کو سلام پہنچے

آپ کی وفات پر اکابر علماء کے تعزیتی بیانات:

آپ کی وفات نے پوری علمی دنیا کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔علم و تحقیق کی دنیا پر سناٹا چھا گیا، علمی دنیا کے لیے یہ ناقابل تلافی خسارہ تھا، راہ علم کے مسافروں کے سامنے تاریکی چھا گئی تھی۔ایسا غم تھا جس سے بڑا کوئی غم نہ ہو، جس کا اظہار اہل علم نے اپنے تعزیتی بیانات میں کیا۔آپ کے معاصرین اور تلامذہ نے آپ کو اپنے اپنے الفاظ میں بہترین خراج عقیدت پیش کیا۔مدرسہ اسلامیہ ڈابھیل میں آپ کی وفات پر تعزیتی نشست منعقد کی گئی، اس سے خطاب کرتے ہوئے علامہ شبیر احمد عثمانی نے بڑے وقیع الفاظ میں آپ کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے فرمایا:

''أیها السادة! قد ارخیت الیوم علیٰ العلم والفضل سدول الظلام، إذ قد نزلت داهیة عظیمة أصبحت أرباب الفضل قاطبة بها یتامیٰ، ما أرید أنّ الطلبة و أصحاب التحصیل أصبحوا یتامیٰ، بل

---

(۱) ابن ماجه رقم الحدیث: ۲۳۶

العلماء والشيوخ و أساتذة الطلبة أضحوا يتامىٰ، وفقدوا من يقوم بحل مشكلاتهم.

بلية قد غشيت العالم الإسلامي بأسره لم يبق لنا اليوم من يحل لنا مشكلات القرآن، و غوامض الحديث، فإلىٰ من يرجع في المعضلات، و ممن نستطب سقامنا، قد تزلزل اليوم أساس العلم، وانهدم عمود الملة الإسلامية، فهٰذهٖ ثلمة لا يرجىٰ سدادها، لوسألني أحد: هل رأيتَ الحافظ ابن حجر العسقلاني؟ وهل لاقيتَ الحافظَ تقي الدين ابن دقيق العيد؟ أو سلطان العلماء عز الدين بن عبد السلام رحمهم اللّٰه؟ فلو أجبتهٗ بقولي: نعم، لكنتُ صادقاً تشبيها و استعارة، ولا غرو، فإنه كان متصفا بتلك المزايا التي امتازوا اليوم بها في الأمة، ولو سمحتِ الأيام وبوجوده في تلك القرون المباركة لعد في طبقتهم، ولكان مثلهم اليوم في الأمة الحاضرة، فأحس أن اليوم قد توفي الحافظ ابن الحجر، و الحافظ ابن دقيق العيد، و سلطان العلماء، و حرمنا من استفادة علومهم و بركاتهم." (۱)

"محترم! آج علم وفضل کی دنیا پر تاریکی چھا گئی ہے۔ اہل علم وفضل پر بڑی مصیبت آن پڑی۔ آج صرف طلبہ ہی نہیں، بلکہ علماء ومشائخ اور بڑے بڑے اساتذہ علم وفضل یتیم ہو گئے ہیں۔ یہ ایسی مصیبت ہے، جس نے پورے عالم اسلام کو اپنی چپیٹ میں لے لیا ہے۔ اب کون مشکلات قرآن، حدیث کی گتھیوں اور مشکل ترین مسائل کو حل کرے گا، ہم کس سے اپنے درد کی دوا حاصل کریں گے۔ آج علم کی بنیادیں ہل گئی ہیں، ملت اسلامیہ کا ستون ڈھ گیا ہے، آپ کی وفات ایسی خلا ہے، جس کا پر ہونا ناممکن ہے، میں بلا مبالغہ عرض کرر ہا ہوں: کہ اگر کوئی مجھ سے پوچھے: کہ آپ نے حافظ ابن حجر عسقلانیؒ، علامہ ابن دقیق العید اور سلطان العلماء علامہ عز الدین عبد السلام کو دیکھا ہے، ان سے استفادہ کیا ہے، تو میں بلا تکلف جواب دوں گا، جی ہاں! میں نے انہیں دیکھا ہے اور میں بالکل سچ

(۱) ستة من فقهاء العالم الإسلامي، ص: ۳۳، شيخ عبد الفتاح أبو غده، ط: المكتبة الإسلامية، حلب

کہوں گا، اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ علامہ انہیں اوصاف وکمالات سے متصف تھے، جو اس وقت ان علما کا امتیاز تھا۔ اگر آپ اس دور میں ہوتے، تو آپ کا شمار بھی انہیں علماء واکابرین کے صف میں ہوتا، میرا احساس ہے کہ آج ابن حجر ،علامہ دقیق العید اور علامہ عز الدین عبد السلام کی وفات کا حادثہ پیش آیا ہے، ہم لوگ ان کے علوم وبرکات کے استفادہ سے محروم ہوگئے ہیں۔''

علامہ شبیر احمد عثمانی کے تاثرات صرف خوش اعتقادی نہیں، بلکہ حقیقت بیانی ہے۔ یقینی طور پر اگر امام کشمیری تیسری، چوتھی صدی یا ساتویں آٹھویں صدی میں ہوتے تو یقیناً ان کا شمار انہیں ائمہ کرام کی صف میں ہوتا، آپ مولانا گیلانی کا بیان پہلے سن چکے ہیں کہ ان کی درس گاہ میں بیچ کی صدیاں حذف ہوجایا کرتی تھیں، ان کی علمی نوک جھونک اگر کسی سے تھی تو انہیں صدیوں کے علماء اور محدثین اور ائمہ کرام سے تھی، اس لیے علامہ عثمانی نے بجا فرمایا ہے کہ امام کشمیری سے شرف لقا اور ان سے استفادہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی، تقی الدین ابن دقیق العید (۱) یا علامہ عز الدین بن عبد السلام رحمہم اللہ وغیرہ سے ہے۔

---

(۱) علامہ محمد ابن علی ابن وہب بن مطیع بن ابی الطاعہ القشیری القوسی کی ولادت 22 / جون 1228ء / 15 / شعبان 625ھ میں، بحر احمر کے ساحل پر واقع ایک خوبصورت جزیرہ ینبع میں ہوئی۔ دنیا آپ کو علامہ ابن دقیق العید کے نام سے جانتی ہے۔ آپ کی کنیت ابو الفتح ہے، حافظ ابن حجر کا بیان ہے کہ آپ کی ولادت محرم الحرام 625ھ میں مکہ مکرمہ کے راستے میں ہوئی، کہا جاتا ہے کہ آپ کے والد نے آپ کو اپنی گود میں لے کر کعبۃ اللہ کا طواف فرمایا اور ان کے لیے علم وعمل کی دعاء فرمائی۔ علامہ ابن دقیق العید اپنے وقت کے ائمہ میں ہیں، انہیں فقہ مالکی اور فقہ شافعی دونوں پر عبور حاصل تھا۔ انہوں نے قرآن کریم بچپن ہی میں حفظ کرلیا تھا، حدیث اپنے والد شیخ مجد الدین علی القشیری اور شیخ ابو الحسن بن ہبۃ اللہ الشافعی اور حافظ منذری وغیرہ سے پڑھی۔ علامہ ابن سید الناس کہتے ہیں کہ میں ان جیسا عبقری انسان میں نے نہیں دیکھا۔ وہ مختلف علوم وفنون میں ملکہ تامہ رکھنے والے تھے، اللہ تعالی نے ان کے ذہن میں استنباط کی صلاحیت کوٹ کوٹ کر بھر دی تھی۔ آپ سے ہزاروں لوگوں نے استفادہ کیا، سینکڑوں شاگردوں نے دنیا کے مختلف گوشوں میں شمع علم روشن کیا اور دین حنیف کی خدمت کی۔ آپ کی سب سے مشہور کتاب الالمام الجامع لأحاديث الأحكام ہے، جو بیس جلدوں میں ہے۔ اس کے علاوہ شرح كتاب الطبريزى فى الفقه، شرح مقدمه المطرزى ،الاقتراف في بيان الاصطلاح، اقتناص السوانح شرح مختصرابن الحاجب، أحكام الأحكام شرح عمدة الأحكام، شرح الأربعين للنووى ،علامہ کی وفات 5 / اکتوبر 1302ء / 11 صفر 702ھ جمعہ کے دن قاہرہ میں ہوئی۔ اور سنیچر کے دن سفح المقتم میں تدفین ہوئی۔
(دیکھئے: طبقات الشافعیہ الکبریٰ لتاج الدین السبکی 6/2,3)

آپ کی وفات حسرت آیات پر اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے علامہ کے معاصر اور فقیہہ مفتی کفایت اللہ دہلوی نے ارشاد فرمایا:

”یا للأسف! قد اختلست عنا القدرة الإلٰهية إلیٰ کنف رحمته العلامة الفاضل، أکمل الکملاء، أفضل الفضلاء، النحریر المقدام، والبحر الطمطام، رحلة العصر، و قدوة الدهر، أستاذ الأساتذه، و رئیس الجهابذة، المحدث الوحید، والمفسر الفرید، الفقیه، الإمام، ماهر العلوم النقلیة والعقلیة مولانا السید محمد أنور شاہ قدس سرہٗ، لاریب أن وفاة الشیخ و فاة أکمل عالم ربانی في العهد الحاضر لایرتجیٰ له المثل في الغابر و قد اعترف علماء عصره قاطبة بکمال فضله و ورعه و تقواه و تبحره الجامع في العلوم و استغنائه عن الخلق ثقة بالحق، حتیٰ أذعن به کلّ ودود وحاسد“(۱)

”آہ! قدرت کے زبر دست ہاتھوں نے علامہ، فاضل کامل، اکمل العلماء و اَفضل الفضلاء، صف اول کے ذہین وفطین، علم کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر، یگانہ زمانہ، زمانہ کے پیشوا، استاذ الاساتذہ، قائدین کے سردار، یکتائے روزگار، محدث، مفسر، فقیہ یگانہ، ماہر علوم نقلیہ وعقلیہ مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری قدس سرہ کو آغوش رحمت میں کھینچ لیا ہے اور ہم سے ظاہری طور پر ہمیشہ کے لیے جدا کردیا۔ حضرت شاہ صاحب کی وفات دورِ حاضر کے کامل ترین عالم ربانی کی وفات ہے، جن کی نظیر مستقبل میں متوقع نہیں، طبقہ علماء میں حضرت شاہ کا تبحر و کمال، فضل ورع وتقویٰ جامعیت اور استغنا مسلم تھا۔ موافق ومخالف ہر کوئی ان کے سامنے تسلیم وانقیاد سے گردن جھکاتا ہے“۔

آپ کی وفات پر دار العلوم دیوبند غم سے چور اور نڈھال تھا۔ دار العلوم دیوبند اور اہل دیوبند کی کیا کیفیت رہی ہوگی؛ اس کا اندازہ ہی کیا جاسکتا ہے۔

اس موقع پر دار العلوم میں ایک بڑا تعزیتی جلسہ ہوا، جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے شیخ

---

(۱) نفحة العنبر، ص: ۲۱۷

الاسلام حسین احمد مدنی نے فرمایا:

"میں نے حجاز، عراق، شام کے بڑے بڑے علماء سے ملاقاتیں کیں، ان کے علم وفضل کو دیکھا ہے، لیکن مجھے تبحر علمی اور تمام علوم وفنون پر دسترس کا حامل ان جیسا کوئی بھی عالم نظر نہیں آیا۔" (۱)

علامہ کشمیریؒ کی وفات پر ان اکابر علماء کے علاوہ متعدد شعراء اور ادباء نے فارسی اردو اور عربی میں طویل مرثیے کہے۔ جن میں آپ کی علمی عظمت کا اعتراف، آپ کی وفات سے علمی دنیا کو ہونے والے خسارے کا ذکر اور اپنے رنج وغم کا اظہار کیا گیا۔ آپ کے شاگرد رشید حضرت مفتی شفیع احمد دیوبندی مفتی اعظم پاکستان، علامہ یوسف بنوری، علامہ ادریس کاندھلوی، قاری محمد یامین سہارنپوری اور سید میرک شاہ (۲) وغیرہ کے مرثیے بڑے اہم ہیں۔ ان مرثیوں کو شیخ عبد الفتاح ابوغدہ نے عربی ادب کے لیے بہترین توشہ قرار دیا ہے۔ (۳) جی تو چاہتا ہے کہ ان تمام مرثیوں کو جمع کر دیا جائے، لیکن صفحات کی تنگ دامنی اس کی اجازت نہیں دیتی؛ تاہم مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہر مرثیہ کا ایک دو شعر ہدیہ قارئین کر دیا جائے۔ مفتی شفیع احمد دیوبندی علامہ کی تعزیت کرتے ہوئے کہتے ہیں:

---

(۱) نفحة العنبر، ص: ۲٦١

(۲) علامہ انور شاہ کشمیری کے مایہ ناز شاگرد، ادیب، شاعر اور فقیہ، حضرت تھانوی کے دست گرفتہ، مولانا سید میرک شاہ بن شاہ مصطفیٰ اندرابی کشمیری کی ولادت پاکستان کے زیر قبضہ کشمیر کے محلّہ میرہ میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم اور حفظ قرآن اپنے وطن میں کیا۔ درس نظامی کی تکمیل کے لیے دارالعلوم دیوبند تشریف لائے۔ 1336ھ مطابق 1918 میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوئے، دربھنگہ اور مرادآباد کے مختلف مدارس میں درس وتدریس کی خدمات انجام دیں۔ 1341ھ مطابق 1922ء میں دارالعلوم دیوبند میں مدرس ہوئے، سدھی اور سنگھی تحریکوں کی بیخ کنی کے لیے دارالعلوم نے انہیں ملکانہ کے علاقوں میں دعوت دین کے لیے مامور کیا۔ 1344ھ مطابق 1926ء میں لاہور چلے گئے، لاہور اورینٹل کالج میں تدریس سے وابستہ ہوگئے۔ مدرسہ اشرفیہ اور جامع اطہر میں تدریسی خدمات انجام دیں، آپ نے متعدد کتابوں کا ترجمہ کیا، جن میں صدرالدین شیرازی کی "اسفار اربعہ" شامل ہے، سبعہ معلقہ، قصیدہ بانت سعاد اور قصیدہ غوثیہ کی فارسی میں شرح لکھی۔ آپ کا سب سے بڑا علمی کارنامہ قرآن کریم کا کشمیری زبان میں ترجمہ ہے۔ (دیکھیے: تاریخ دارالعلوم، از محبوب رضوی 2/:133-132، معجم البابطين لشعراء العربية في قرنين تاسع عشر والعشرين، مؤسسة جائزة عبد العزيز السعود البابطين لإبداع الشعر

(۳) مقدمه التصريح بما تواتر في نزول المسيح، ص: ٢٦

نعىٰ بک ناعٍ سحرة الفجر فانبرىٰ
یضج السماء و الأرض و البدر و القریٰ

یہ مرثیہ باون (۵۲) اشعار کا ہے۔ آخری شعر میں آپ کی تاریخ وفات کا ذکر ہے۔

وعلة أبياتي حساب وفاته
و رابع عشر قرنه خذ محرّرا

علامہ ادریس کاندھلوی نے بھی آپ کی وفات پر طویل مرثیہ کہا۔ جس کا پہلا شعر

سلام علىٰ حفظ الكتاب و سنة
وحفظٍ و ضبطٍ بعد شيخٍ مبجلٍ

اسی مرثیہ کا یہ دردناک شعر بھی سنیئے اور آنسو روک سکتے ہیں، تو روک لیجئے:

ولو كان دفن الميت في الصدر
دفنتک في صدري ولم أتأمل

''اگر میت کو سینے میں دفن کرنے کا رواج ہوتا تو میں بلا جھجک آپ کو اپنے سینے میں دفن کر لیتا''۔
مولانا یاسین سہارنپوری نے بھی آپ کا مرثیہ کہا، جس کے آخری شعر میں آپ کی تاریخ وفات نکلتی ہے۔

تاريخ رحلته بشيخ العارفين
بدأ بفكر يرتضيه ضمير

اسی طرح سید میرک شاہ کشمیری اور مولانا محمد یوسف کامل پوری(۱) نے آپ کی وفات پر عربی زبان میں طویل مرثیے کہے، جب کہ آپ کے شاگرد رشید علامہ یوسف بنوری نے -جن پر

---

(۱) ادیب، شاعر دار العلوم دیوبند کے ممتاز فاضل مولانا محمد یوسف بن گوہر دین کی ولادت 1902ء میں ایک علمی خانوادے میں ہوئی۔ آپ کے والد کا شمار اپنے دور کے ممتاز نحویوں میں ہوتا تھا۔ ہندوستان کے گوشے گوشے سے طلبا آپ کے والد محترم سے نحو پڑھنے آیا کرتے تھے۔ آپ نے دار العلوم دیوبند، جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں علامہ کشمیری، علامہ شبیر احمد عثمانی سے حدیث وفقہ اور دیگر علوم وفنون کی تعلیم حاصل کی۔ عربی زبان وادب سے آپ کو گہرا لگاؤ تھا، یہی وجہ ہے کہ ایک دور آیا کہ جب آپ کا شمار عربی کے بلند قامت شعرا میں ہونے لگا۔ آپ نے علامہ کشمیری کا مرثیہ بھی لکھا ہے۔ مارچ 1964ء میں اپنے وطن اکھوری اٹک میں آپ کی وفات ہوئی۔ حاشية نصب الراية، الوسائل المالية للدولة الإسلامية، كتاب الوراثة اور تذكرة التابعين آپ کی جولانی قلم کا ثمرہ ہیں۔ (دیکھئے: علمائے پنجاب: از اختر راہی لاہور)

آپ کی وفات کا گہرا اثر تھا- نے دو دو طویل مرثیے لکھے۔ پہلا مرثیہ اس شعر سے شروع ہوتا ہے:

العين ذارفة والقلب حيران
والطير تشدوا فتبدوا منه أشجان
الشمس كاسفة والأرض مظلمة
والمزن تبكي فسالت منه بلدان

"آنکھیں اشک بار ہیں اور دل حیران و پریشان ہے، سورج میں گہن لگا ہوا ہے اور زمین تاریک ہو چکی ہے، زمانہ رو رہا ہے؛ جس کے آنسو سے شہر سیلاب کی زد میں ہے۔"(۱)

علامہ بنوری کا یہ مرثیہ انتہائی دردناک ہے۔ آپ نے اپنا دل نکال کر رکھ دیا ہے، پڑھنے والا بنوری کے سحر میں گرفتار ہو کر شاعر کے ساتھ غم کے سمندر میں ڈوب جاتا ہے، بنوری خود بھی روتے ہیں اور دوسرے کو بھی لاتے ہیں۔ آپ نے اس مرثیہ میں اپنے استاذ کو بہترین خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے ان کے خدمات کا اعتراف کیا ہے اور یہ بتلانے کی کوشش کی ہے کہ آپ کی وفات نے جو علمی دنیا کو نقصان پہنچایا ہے، اس کی تلافی ممکن نہیں۔

علامہ بنوری نے اپنا ایک اور مرثیہ بھی اسی طرح دل کے قلم کو فراق وغم کی سیاہی میں ڈبو کر لکھا ہے۔ اپنے بے صبر اور استاذ کے لیے ترقی ترجات کی دعا کرتے ہیں اور صاحب زرگان کے لیے اپنے والدین کی سیرت پر چلنے کی توفیق چند اشعار آپ بھی سنیے:

إلهي منک أسئل برد صدري — وأجراً وافياً عند اصطبار
واللّهم أنزل فوق قبره — عهاداً بالغوادي و السواري
واللّهم أكرم روح شيخي — برحم واسع في الأرض سار
و نعّمه بفضل وارض عنه — ففيض منک في الأقطار جار
وحامله وعامله بفضل — و أسكِنُه لديک في جوار
ونوّر قبره من نور قدس — و تجعل داره من خير دار
إلىٰ ما فاض دمع من عيون — وماتهوى القلوب هَوىٰ ازديار

---

(۱) نفحة العنبر، ص: ۲٤۱

ووفّق ولده سيراً بهديه — و بلغهم إلىٰ رتب كبار
إلٰهي قد دعوتك جوف ليل — بصدق، ثمّ قلب مستطار
أجبني دعوتي بقبول سؤلي — فسؤل منك محميّ الذمار
ملاذي ملجئي مولاي ربي — فأرجو منك سؤلي أنت
طلبت العام من فكري لفوظه — فناجتني القرونة بالبدار
إمام شيخ عصر للأنام — و شيخ العارفين بلا تمار (۱)
١٣٥٢ھ — ١٣٥٢ھ

علامہ کا سراپا اور سیرت وکردار:

کہتے ہیں کہ معاصرت نفرت کی جڑ ہے، کوئی معاصر اور ہمجولی کم ہی اپنے ہمجولی اور ساتھی کی عظمت کا اعتراف کرتا ہے، لیکن امام کشمیری کی عظمت کا اعتراف چھوٹوں نے تو کیا ہی ہے، ان کے معاصرین اور بڑوں نے بھی ان کے قصیدے پڑھے ہیں۔

امام کشمیری زیادہ لمبے نہ تھے، رنگ بالکل صاف گورا تھا، آپ پر اطمینان وطمانیت کی کیفیت رہتی تھی۔ انتہائی باوقار انداز ہوتا، اونچی آواز میں گفتگو نہیں فرماتے، لایعنی گفتگو سے بے پناہ دوری تھی، جب بھی گفتگو فرماتے تو علم اور دین کی ہی کے سلسلے میں گفتگو ہوتی۔ (۲) آپ کے شاگرد جنہوں نے اپنی زندگی کا بیش قیمت حصہ آپ کی خدمت میں گزارا، آپ کا خاکہ اس انداز میں پیش کرتے ہیں۔

"أجمل رجل منه فيما نرىٰ، آثره الله بجمال معجب ينحدر من محياه النور، و تبرق أسارير جبهته كالبرق المتهلل" (۳)

"جنہیں ہم نے دیکھا ہے، ان میں آپ سب سے زیادہ خوبصورت تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو حیرت انگریز خوبصورتی سے نوازا تھا، ان کی ذات سے نور ٹپکتا تھا، آپ کی پیشانی کی لکیریں بجلی کی طرح چمکتی تھیں۔"

امام کشمیری بلند اخلاق اور حسن سلوک کے پیکر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے دل بڑا نرم اور حساس عطا کیا تھا۔ طبیعت میں غنا اور غیرت تھی۔ وہ اللہ کے بندوں سے بے انتہا محبت کرنے والوں میں

(۱) نفحة العنبر، ص: ۲۵۹، کراچی.
(۲) دیکھئے: نزهة الخواطر، عبد الحي الكهنوی: ۹۲/۸، ط: دار عرفات
(۳) نفحة العنبر، ص: ۲۳۱

تھے۔ ہمیشہ فقراء اور مساکین کی دستگیری فرماتے۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ کوئی فقیر آپ کے در سے نامراد واپس ہوا ہو، لیکن اس کے باوجود تکبر سے دل پاک اور گھمنڈ سے کوسوں دور تھا۔ ایک دفعہ امام کشمیری امرتسر کے دوڑے پر تھے، وہاں آپ کی ملاقات شاعر مشرق علامہ اقبال (۱) سے ہوئی۔ علامہ مرحوم چوں کہ داڑھی نہیں رکھتے تھے، اس لیے امام کشمیری کے سامنے انہیں شرمندگی کا احساس ہوا۔ آپ نے علامہ کی شرمندگی محسوس کرتے ہوئے فرمایا" آپ اپنے آپ کو شرمندہ محسوس نہ کریں، ہم دونوں ہی دنیادار آدمی ہیں۔ آپ کا پیشہ شعر گوئی ہے؛ جس میں داڑھی کی کوئی ضرورت نہیں اور میری کمائی کا ذریعہ علم دین ہے، جہاں داڑھی رکھنا ضروری ہے"۔ (۲)

حالاں کہ سچائی تو یہ ہے کہ امام کشمیری نے علم دین کو کبھی کسب معاش کا ذریعہ نہیں بنایا۔ جاننے والے جانتے ہیں کہ دارالعلوم سے علاحدگی کے وقت کن کن عہدوں کی پیشکش کی گئی، کیسی کیسی بڑی تنخواہوں کی لالچ دی گئی، لیکن اس کے باوجود آپ نے اپنی حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کی نشر و اشاعت ہی کو اپنا مقصد بنایا اور ایک چھوٹے سے مدرسے کی مدرسی کو یونیورسٹیوں کے بڑے

(۱) مفکر، فلسفی، شاعر مشرق علامہ اقبال کی ولادت 9 رنومبر 1877ء کو سیالکوٹ پنجاب پاکستان میں ہوئی۔ علامہ اقبال فارسی و اردو کے صف اول کے شعراء میں تھے، آپ بیسویں صدی کے عظیم مفکر، سیاستداں اور تحریک پاکستان کے قائد تھے۔ فارسی اور اردو شاعری نے ان کی شہرت کو دوام بخشا، وہ دور جدید کے صوفی بھی تھے، اسلام اور علوم اسلامی سے بے پناہ محبت اور اس کی اشاعت ان کا تمغہ امتیاز تھا، علامہ اقبال کا تعلق کشمیر کے برہمن خانوادہ سے تھا۔ اورنگ زیب کے دور میں ان کے جد امجد نے اسلام قبول کیا تھا۔ ان کا خاندان کشمیر سے ہجرت کر کے سیالکوٹ پہونچا اور وہیں کا ہو کر رہ گیا۔ اقبال نے مشرق و مغرب کے علمی میخانوں سے اپنی تشنگی علم کا سامان کیا۔ اور بقول اقبال انہیں مغرب نے مسلمان کیا، ان کی شاعری نے انہیں شہرہ آفاق شخصیت بنایا، اقبال اردو، عربی، فارسی اور جرمن زبانوں کے ماہر تھے، لیکن انہوں نے اپنی تصنیفات اور شاعری کے لیے فارسی اور اردو کو منتخب کیا، ان ہی دونوں زبانوں میں ان کا سرمایہ علم و فکر خاص و عام تک پہونچا۔ اقبال کو اللہ نے جو قبولیت عطا کی تھی؛ اس میں شاید ہی کوئی شاعر ان کا شریک و سہیم ہو۔ علامہ اقبال کے زندگی کے مختلف گوشوں پر پوری دنیا میں سیکڑوں پی ایچ ڈی کی گئیں۔ آج بھی ان کی زندگی اور شاعری پر تحقیقات کا سلسلہ جاری ہے۔ علم الاقتصاد، ماوراء الطبعیات کا ارتقاء، تجدید فکریات اسلام، اسرار خودی، رموز بے خودی، پیام مشرق، بانگ درا، زبور عجم، ضرب کلیم، بال جبریل، ارمغان حجاز، ان کی زندہ جاوید شاعری کے مجموعے اور تصنیفات ہیں۔ علامہ اقبال گوئٹے، مولانا ابوالاعلی مودودی اور علامہ انورشاہ کشمیری سے بہت متاثر تھے۔ 21 راپریل 1938ء کو 61 رسال کی عمر میں لاہور میں انتقال فرمایا۔ اور وہیں مدفون ہوئے۔ (اقبال کے اسلامی افکار و نظریات اور ان کی زندگی کو سمجھنے کے لیے دیکھیے: روائع اقبال/نقوش اقبال؛ سید مولانا ابوالحسن علی ندوی)

(۲) دیکھیے: حاشیہ نقش دوام، ص:۲۵۴

بڑے عہدوں پر ترجیح دی۔ یہ ذکر بھی آئے گا کہ امام کشمیری نے دار العلوم سے زمانہ تک تنخواہ نہیں لی۔ ہاں جب اللہ تعالیٰ نے اولاد کی نعمتوں سے مالا مال کیا اور گھر گرستی کی ذمہ داریاں آ پڑیں، تو دار العلوم نے خود ہی بہ اصرار تنخواہ لینے پر مجبور کیا۔

امام کشمیری زیادہ تر خاموش رہتے، جب بھی گفتگو کرتے تو علمی گفتگو ہی فرماتے۔ ہونٹوں پر تبسم ہر وقت کھیلتی رہتی، کبھی کسی کی برائی ان کی زبان سے نہ سنی گئی، اگر کوئی ان کے سامنے کسی کی غیبت کرتا تو فوراً روک دیتے اور اسے ڈانٹتے۔ان کا دل آخرت کی فکر میں غمگین رہتا، گفتگو کا انداز نہایت ہی خوبصورت اور نرالہ تھا۔ ہمیشہ فصیح زبان میں اور کم لفظوں میں گفتگو کرنے کے عادی تھے۔(۱)

امام کشمیری کا علمی مقام بڑا بلند ہے۔آپ کا تقابل اہل علم نے ابن حجر اور علامہ ابن تیمیہ جیسے اماموں سے کیا ہے، لیکن اس کے باوجود ناموری اور شہرت سے ہمیشہ کنارہ کشی اختیار کرتے۔آپ کا زیادہ تر وقت کتب خانوں میں گزرا اور جو تھوڑا وقت مطالعہ سے بچا اسے اپنے اہل وعیال کی خدمت میں لگایا۔آپ کا دل شہرت کی تمنا سے پاک تھا۔آپ اپنا سارا کام صرف اللہ کی رضا کے لیے کرتے تھے، انہیں نہ ناموری کی تمنا تھی نہ دولت کی ہوس۔تواضع اور خاکساری کا یہ عالم تھا کہ اکثر دوران درس فرماتے کہ ''میری حیثیت منیر خان سے زیادہ نہیں ہے۔منیر خان (۲) بھی چکی چلاتا ہے اور میں بھی مدقق ہوں یعنی علم کی چکی چلاتا ہوں''۔(۳)

آپ کی خاکساری اور تواضع کا ایک واقعہ مولانا عبدالرحمٰن نے اپنی کتاب ''الأنــــور'' میں بیان کیا ہے۔

> ''مرة سافر الشيخ مدينة '' بهاولفور'' لأداء الشهادة للرد على القاديانية، والقىٰ في مسجد خطبة نفذت إلىٰ قلوب السامعين فذرفت عيونهم حتىٰ لم يبق أحد منهم غير متاثر و باك، فإثر إنتهاء الكلمة قام رجل ممن حضروها وأشاد بها و أثنىٰ علىٰ الشيخ، فنهض الشيخ بخطفة من البصر وقال: أنه أخطأ في مقاله، لست

---

(۱) دیکھیے: نزهة الخواطر: ۲۳۳/۸، نیز الأنور، ص: ۳۲۷ ،نفحة العنبر، ص: ۲۶۰

(۲) علامہ کے زمانہ میں دار العلوم میں آٹا چکی چلاتے تھے

(۳) دیکھیے: حیات انور، مضمون مولانا مناظر احسن گیلانی، علامہ انور شاہ کشمیریہ کی درسی خدمات، ص ۵۰۸

بكذا حقا، قد انكشف عليّ الأمر و علمت علم اليقين بأن كلب الزقاق خير من نفسي وأنا أدنىٰ منه"(۱)

"قادیانیت کے خلاف مقدمہ کی پیروی کی غرض سے علامہ بہاول پور تشریف لے گئے، مسجد میں خطاب فرمایا، یہ تقریر اس قدر دل پزیر تھی؛ کہ ہر شخص نے اپنے دل میں اس کا اثر محسوس کیا، سامعین کی آنکھیں اشک بار تھیں۔شاید ہی کوئی رہا ہو، جس کی آنکھیں نہ چھلک پڑی ہوں۔تقریر ختم ہوئی، تو ایک صاحب کھڑے ہوئے اور علامہ کی تعریف کرنے لگے، اچانک علامہ کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ"اس شخص نے غلط بیانی سے کام لیا ہے، میں اپنے آپ کو خوب جانتا ہوں، گلی کا کتا بھی مجھ سے بہتر ہے۔(اگر ہم نے قادیانیت کا قلع قمع نہ کیا)"

اسی طرح کا ایک واقعہ علامہ بنوری بیان کرتے ہیں کہ"ایک مرتبہ شیخ نے مجھے ایک فتویٰ املا کرایا، میں نے پوری تفصیل سے لکھا۔شیخ کے لیے"الحبر البحر"کے القاب استعمال کئے، امام کشمیری نے جب اسے دیکھا، تو سخت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ صرف مولانا محمد انور شاہ لکھا کرو۔اس کے علاوہ شیخ نے اپنے قلم سے اس فتوے میں کوئی تبدیلی نہیں کی اور اسے پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا"۔(۲)

ذوق مطالعہ:

کتابیں امام کشمیری کے لیے حرز جان تھیں، ان کے دل میں کتابوں کی محبت پیدا کرنے والے نے گھول کر پلا دی تھی۔ان کا سب سے محبوب مشغلہ اور سب سے پیارا اور پسندیدہ کام مطالعہ تھا۔ہمہ وقت دن ورات، ہر گھڑی کوئی نہ کوئی کتاب ان کے ساتھ ہوا کرتی تھی۔کتابیں ان کی ایسی رفیق تھیں، جس سے ایک لمحہ کے لیے بھی جدائی انہیں برداشت نہیں تھی۔اگر ان اوقات کو الگ کر دیا جائے؛ جن میں انسانی ضرورتیں پوری کی جاتی ہیں تو کہا جا سکتا ہے کہ آپ دن ورات چوبیس گھنٹے کتابوں کے مطالعہ میں غرق رہتے تھے۔ہاں عبادات، نوافل اور اوراد و وظائف کے اوقات اس سے مستثنیٰ ہیں۔آپ کے ذوق مطالعہ کا ذکر آپ کے رفیق حجرہ

---

(۱) الأنور، ص:۲۱۳

(۲) ستة من فقهاء العالم الاسلامي، ص:۲۵

مولانا مشیت اللہ بجنوریؒ (۱) کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"آپ صرف جمعہ کی رات کو لیٹ کر سوتے تھے، بقیہ ایام میں پوری پوری رات کتابوں کے مطالعہ میں وقت گزارتے۔ ہاں نیند کا جب غلبہ ہوتا؛ تو بیٹھے ہی بیٹھے آنکھوں کو بند ہونے کی اجازت دیتے تھے۔" (۲)

آپ کا اصل موضوع علم حدیث، تفسیر اور فقہ تھا؛ لیکن مطالعہ کا عالم یہ تھا؛ کہ کسی بھی فن کی خواہ کوئی بھی کتاب کہیں بھی نظر آجاتی پوری کتاب کا مطالعہ کئے بغیر سکون نہیں ملتا۔ مخطوطات ہو یا مطبوعات ہر طرح کی کتابیں ان کی روح کی تسکین کا سامان فراہم کرتی تھیں۔ کبھی کبھی تو ایسی کتابیں بھی پڑھتے تھے: جسے عام طور پر غیر اہم خیال کیا جاتا ہے۔ اپنے مطالعہ کی کہانی خود سناتے ہیں:

"کبھی کبھی میں بعض کتابوں کی ضخیم ضخیم جلدیں پڑھ جاتا ہوں، لیکن مجھے کوئی بھی نئی چیز نہیں ملتی، ہاں البتہ کبھی کبھی پوری کتاب کے مطالعے کے بعد معمولی فائدہ محسوس ہوتا ہے یا کوئی نئی چیز نظر آجاتی ہے، اسے بھی میں غنیمت جانتا ہوں اور خیال ہوتا ہے کہ میری سعی رائیگاں نہ گئی۔" (۳)

امام کشمیری کے مطالعہ کا طریقہ عام اساتذہ کی ڈگر سے الگ تھا۔ عام طور پر لوگ زیر درس کتابوں کے انہیں اوراق کا مطالعہ کرتے ہیں، جن کا کل سبق پڑھانا ہے، لیکن آپ صرف اسی کتاب

---

(۱) علامہ کشمیری کے ہم جولی اور دارالعلوم دیوبند کے سابق مہتم حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن کے والدگرامی مولانا مشیت اللہ کی ولادت بجنور کے ایک انتہائی مالدار گھرانے میں ہوئی۔ آپ نے بڑے ہی نازونعم میں پرورش پائی۔ دارالعلوم دیوبند تشریف لائے، یہیں ان کی ملاقات علامہ انور شاہ کشمیری سے ہوئی، آپ کشمیری سے بے پناہ متاثر ہوئے اور ایسی دوستی ہوئی کہ آخری سانس تک دوستی اور محبت کا یہ رشتہ باقی رہا، گو کہ آپ بڑے ہی مالدار خانوادہ کے چشم و چراغ تھے، جب کہ علامہ کشمیری غریب طلبہ میں تھے، لیکن اس کے باوجود مولانا بجنوری علامہ کشمیری کی خدمت کیا کرتے تھے۔ فراغت کے بعد انہوں نے علامہ کو اپنے گھر آنے دعوت دی اور وہاں بڑی خاطر و مدارت اور احترام سے ان کے گھر والے علامہ کے ساتھ پیش آئے، ضیافت میں کوئی کسر باقی نہ رکھی۔ آپ تاعمر دارالعلوم کے رکن شوریٰ رہے۔ آپ کے سب سے چھوٹے صاحب زادے مولانا مرغوب الرحمٰن دارالعلوم دیوبند کے مہتمم ہوئے اور ان کے دور اہتمام میں دارالعلوم نے بے پناہ ترقی کی۔ (دیکھئے: نقش دوام، ص 32-30، از انظر شاہ کشمیری)

(۲) مجموعہ رسائل علامہ کشمیری: ۲/۶۔ مرتب: مولانا یوسف بنوریؒ

(۳) نفحۃ العنبر، ص: ۹۸

کا مطالعہ نہیں فرماتے؛ بلکہ اس کے متعلقات خواہ اس کا تعلق کسی بھی فن سے کیوں نہ ہو، ان تمام چیزوں کا مطالعہ کرتے تھے۔ جیسا کہ ان کے شاگردوں کا بیان ہے کہ آپ کا درس میں صرف ایک فن سے متعلق نہیں ہوتا؛ بلکہ اس درس کا تعلق تمام علوم وفنون سے ہوا کرتا تھا۔ آپ کے شاگرد قاری محمد طیب صاحب آپ کے ذوق مطالعہ کے سلسلے میں تحریر کرتے ہیں:

''اوقات کا بڑا حصہ مطالعہ کتاب میں گزرتا تھا۔ ذوق مطالعہ کا یہ عالم تھا؛ کہ طبعی اور شرعی ضروریات کے علاوہ کوئی وقت کتب بینی یا افادہ سے خالی نہ رہتا تھا۔ ایک دفعہ فرمایا کہ فتح الباری کا (جو تیرہ جلدوں کی کتاب ہے) تیرہویں مرتبہ مطالعہ کررہا ہوں۔ اور یہ بھی فرمایا کہ میں درس کے لئے کبھی مطالعہ نہیں دیکھتا۔ مطالعہ کا مستقل سلسلہ ہے اور درس کا مستقل، اس لیے ہر سال درس میں نئی نئی تحقیقات آتی رہتی تھیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اس درس کے لئے مطالعہ کی ضرورت ہی کیا تھی؟ جب وقت کے تمام گوشے مطالعہ سے پُر تھے۔ گویا مطالعہ لامحدود تھا، تو محدود مطالعہ کی ضرورت بھی کیا تھی؟ کتب درسیہ اور بالخصوص کتب حدیث کے فنی مباحث طبیعت ثانیہ بن چکے تھے۔ اور ہمہ وقت کے مطالعہ سے ان میں روز بروز بسط وانبساط کی کیفیات پیدا ہوتی چلی جارہی تھیں اور مباحث درس گھٹنے یا قائم رہنے کے بجائے خود ہی یوماً فیوماً بڑھتے رہتے تھے، تو انہیں جزوی مطالعہ سے بڑھانے کے کوئی معنی بھی نہ تھے؛ بلکہ شاید یہ مقررہ جزوی مطالعہ علوم کے بڑھتے ہوئے بسط میں کچھ نہ کچھ حارج اور حد بندی ہی کا سبب بن جاتا۔

پھر یہ عام مطالعہ محض کتب درسیہ یا شروح وحواشی اور متعلقات درس تک ہی محدود نہ تھا؛ بلکہ تمام فنون کی ہر میسر آمدہ کتاب تک پھیلا ہوا تھا، جن میں کسی علم وفن کی تخصیص نہ تھی۔ ذہن کسی ایک فن کے ساتھ مقید نہ تھا؛ بلکہ مطلقاً علم کے بارہ میں ہل من مزید کا ذوق رکھتا تھا اور حدیث ''منهمان لا يشبعان'' کا صحیح مصداق تھا۔ مصر تشریف لے گئے، تو اوقات کا بڑا حصہ کتب خانہ خدیویہ کی کتب

کے مطالعہ میں صرف ہوتا۔ حجاز حاضر ہوئے، تو حرمین کے کتب خانے کنگھال ڈالے اور فرائض وتطوعات کے بعد گویا آپ کی عبادت یہی کتب بینی تھی۔ مرض وفات میں اطباء نے مطالعہ کی ممانعت کر دی، لیکن جب بھی موقع ملا کتب بینی شروع کر دی۔ اطباء نے کہا کہ حضرت اس سے مرض بڑھ جائے گا۔ فرمانے لگے کہ بھائی یہ کتب بینی خود ہی میرا مستقل مرض ہے اور لا علاج ہے۔

مطالعہ کے اس سلسلہ میں فنون عصریہ فلسفہ جدید، ہیئت جدید حتی کہ فن رمل اور جفر کی کتابوں کو بھی مطالعہ سے نہ چھوڑا۔(۱)

کثرت مطالعہ کے ساتھ ساتھ دینے والے نے آپ کو سرعت مطالعہ کی بے بہا دولت سے بھی نوازا تھا۔ آپ اس تیزی سے مطالعہ فرمایا کرتے تھے، کہ دنیا میں شاید ہی باید اس کی نظیر ہو۔ تدریسی مشغولیت کے باوجود مسند احمد- جو حدیث کی اہم ترین کتابوں میں ہے- کا آپ نے پوری دقت نظر کے ساتھ یومیہ دوسو صفحات کا مطالعہ فرمایا۔ دوران مطالعہ آپ نے اس کی سند اور معانی کے مشکلات کو بھی حل فرمایا۔ اپنے مطالعہ کا ایک قصہ خود بیان کرتے ہیں:

''۱۳۳۱ھ میں انہوں نے محقق کمال الدین ابن ہمام کی مشہور زمانہ کتاب ''فتح القدیر'' اور ''تکملہ فتح القدیر'' کا مطالعہ صرف بیس (۲۰)، بائیس (۲۲) دنوں میں فرمایا اور صرف مطالعہ ہی نہیں فرمایا؛ بلکہ اس کی ایک بہترین تلخیص بھی ''کتاب الحج'' تک لکھ ڈالی۔ جس میں آپ نے صاحب ہدایہ پر ابن ہمام کے اعتراضات کا تنقیدی جائزہ بھی پیش فرمایا''(۲)

جاننے والے جانتے ہیں کہ ابن ہمام کی ''فتح القدیر'' متعدد ضخیم جلدوں میں ہے۔ یہ کتاب فقہ حنفی کی اہم ترین مراجع میں سے ایک ہے۔

عام طور پر زیادہ پڑھنے لکھنے والوں سے کتابوں کی بے حرمتی ہو جاتی ہے۔ کبھی ایسا موقع بھی آتا ہے، کہ جسم کو آرام دینے کے لیے مطالعہ کے دوران ہی لیٹ جاتے ہیں، ٹیک لگا کر مطالعہ کرنا، تو

---

(۱) حیات انور، ص: ۲۲۳-۲۲۴

(۲) ستة من فقهاء العالم الاسلامي، ص: ٢٤

عام بات ہے، لیکن امام کشمیری کبھی لیٹ کر یا ٹیک لگا کر مطالعہ نہیں کرتے تھے۔ وہ کتابوں کا انتہائی احترام کیا کرتے تھے۔ زیادہ تر ان کے مطالعہ میں متقدمین علماء کی کتابیں ہوا کرتی تھیں۔ مولانا بدرالحسن قاسمی تحریر فرماتے ہیں:

”أن الشيخ الكشميري كان عالماً موسوعياً بكل معنى الكلمة من معنى، يحمل في صدره مكتبة واسعة في العلوم العقلية والنقلية والقديمة و الحديثة، و كانت ذاكرته تزخر بأنواع من الدرر و اللآلي من جميع الفنون التي اجتمعت لديه من مطالعات واسعة عميقة في كتب المتقدمين و المتخصصين في العلوم الطبيعية والفنون الإلٰهية وكتب الحقائق والتصوف والهندسة و التاريخ و العلوم العربية من النجوم و الرمل والجفر والموسيقى و الرياضي بفنونها إلىٰ جانب من العلوم الإسلامية من التفسير و الفقه وأصولهما، أما العلم الذي عاش فيه وعاش عليه وعاش له فهو علم الحديث النبويه، فكان راسخ القدم في متونه حاذقاً للفقه و الخلاف حسب المسالک المختلفة، مطلعاً علىٰ مناقشات العلماء و آراء الأئمة.(۱)

”واقعی علامہ کشمیری اپنے تمام تر معانی ومفہوم میں موسوعی عالم تھے، علوم عقلیہ ونقلیہ (حدیث وقرآن) اور جدید وقدیم علوم کا ان سینہ وسیع ترین کتب خانہ تھا۔ ماہرین فن، متقدمین علماء کی کتابوں کے وسیع اور گہرے مطالعہ کی وجہ سے ان کے حافظہ میں مختلف علوم وفنون کے ہیرے جواہرات جمع ہو گئے تھے۔ ان کا گہرا مطالعہ صرف تفسیر، حدیث، فقہ اور اصول فقہ تک محدود نہیں تھا، بلکہ اس کا دائرہ طبعیات، الٰہیات، فلسفہ، تصوف، ہندسہ، ریاضی اور موسوقی جیسے علوم وفنون تک وسیع تھا، ہاں علم حدیث ان کی زندگی کا مقصد تھا اور اسی فن مبارک کے لیے وہ جیتے تھے، متون حدیث میں انہیں مہارت حاصل تھی۔ علامہ فقہ کے اختلافی مباحث میں پوری مہارت رکھتے تھے، وہ تمام مسالک کے اصول وفروع میں مہارت رکھتے تھے۔ علماء اور ائمہ کے آراء ان کی نظروں کے سامنے تھے“۔

(۱) الداعی، دارالعلوم دیوبند خصوصی نمبر، مارچ، اپریل ۱۹۸۰ء ص ٦١

بےنظیر قوت حافظہ:

محدثین کی ذکاوت وحافظہ کے قصے، تو آپ نے سنے ہی ہوں گے۔ ہمارے امام ترمذی کثرت مطالعہ کی وجہ سے بینائی سے محروم ہو گئے۔ ایک سفر میں سواری پر سوار تھے، کہ اچانک ایک جگہ اپنی گردن جھکا لی، ساتھیوں نے عرض کیا حضرت ایسا کیوں کیا؟ یہاں تو کچھ نہیں ہے، فوراً سواری سے اتر آئے اور فرمایا کہ پتا لگاؤ کہ یہاں کوئی درخت تھا، جس کی شاخ سڑک پر اس طرح آتی تھی؛ کہ سوار اگر نہ جھکے تو ٹکرا جائے، میں برسوں پہلے یہاں سے گزرا تھا، اگر ایسا ہے، تو ٹھیک ورنہ آج حدیث بیان نہیں کروں گا۔ پتا لگایا گیا تو وہاں کے باشندوں نے تصدیق کی واقعی یہاں درخت تھا، کچھ ہی دن ہوئے اسے مسافروں کی پریشانی دیکھتے ہوئے کٹوا دیا گیا۔ امام بخاری کے اس قصہ سے شاید ہی کوئی صاحب قلم ناواقف ہو کہ جب امام بخاریؒ بغداد پہونچے تو لوگوں نے آپ کا امتحان اس طرح لیا کہ دس اصحاب نے سند ومتن کو بدل کر آپ کو سنایا اور آپ نے ہر ایک بارے میں لاعلمی کا اظہار کیا، پھر بعد کو ایک کے بعد ہر ایک روایت کو صحیح سند سے بیان فرمایا، لوگ آپ کے حافظہ کو دیکھ کر حیران ششدر رہ گئے۔ (۱) ائمہ حدیث کے حفظ وذکاوت کے انوکھے اور نادر ومحیر العقول واقعات تاریخ میں محفوظ ہیں۔ علامہ کشمیری کا حافظہ ان کہانیوں کی تصدیق کرتا ہے۔

علامہ انور شاہ کشمیری کو قدرت نے اپنے خزانہ سے بےمثال قوت حافظہ عطا کیا تھا۔ جو تحریر یا جو بات ایک دفعہ آپ کے ذہن کی قیدی بن جاتی، وہ برسوں برس تک آپ کے ذہن سے نہیں نکلتی تھی۔ علامہ کشمیری کو دیکھنے والوں کا یہ احساس تھا کہ گویا پچھلی صدیوں کا کوئی فرد راہ بھٹک کر اس صدی میں آگیا ہے۔ آپ کے بےنظیر قوت حافظہ کا ذکر کرتے ہوئے علامہ عبدالحی لکھنوی (۲) کہتے ہیں:

---

(۱) دیکھئے: تاریخ بغداد للخطیب: ۲/ ۲۰۔ ۲۱

(۲) چودھویں صدی ہجری کے نامور مؤرخ، ادیب، نقاد نزہۃ الخواطر جیسی شہرہ آفاق کتاب کے مصنف سید عبدالحی بن فخر الدین بن عبدالعلی الحسنی کی ولادت 21 دسمبر 1869ء/ 18 رمضان المبارک 1341ھ میں رائے بریلی کے ایک معروف علمی خانوادہ تکیہ کلاں میں ہوئی۔ آپ کے جد امجد قطب الدین بغداد سے منگولوں کے فتنہ کے زمانہ میں ہجرت کر کے ہندوستان تشریف لائے اور رائے بریلی کے تکیہ کلاں کو اپنا مستقر بنایا۔ جہاں ان کا خانوادہ آباد ہے، اسے زاویہ سید علم اللہ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ ابتدائی تعلیم شیخ محمد نعیم فرنگی محلی اور شیخ فضل اللہ وغیرہ سے حاصل کی۔ پھر بھوپال تشریف لے گئے اور تمام علوم وفنون کی کتابیں قاضی عبدالحق اور ریاضی علی احمد دیوبندی سے جب کہ حدیث حسن بن محسن الانصاری الیمانی سے ==

"كان الشيخ أنور نادرة عصره في قوة الحفظ، يستظهر ما قرأه في ريعان شبابه، وما طالعه في مكتبة، يسرد منه العبارات وينقل منه فلا يخل بمعنى.(۱)

آپ کی بے نظیر ذکاوت اور حافظہ کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے؛ کہ ایک مرتبہ کشمیر کے علماء کا کسی مسئلہ میں اختلاف ہوا، ہر گروپ نے ایک دوسرے کے خلاف فتوے دیئے، کشمیر والوں کی خوش قسمتی سے امام کشمیری ان دنوں کشمیر کے دوڑے پر تھے۔ دونوں ہی جماعت کے علماء نے حضرت کے سامنے اپنے فتوے پیش کئے اور فیصلے کی خواہش ظاہر کی۔ آپ نے فتویٰ پر ایک نگاہ ڈالی، ایک گروپ کے علماء نے اپنے فتویٰ کی تائید میں فتاویٰ عمادیہ کی عبارت سے استدلال کیا تھا۔ آپ نے فتوے کو دیکھتے ہی فرمایا: میں نے فتاویٰ عمادیہ کے مخطوطہ کا مطالعہ دار العلوم کے کتب خانہ میں کیا ہے، اس کتاب میں یہ عبارت ہرگز نہیں ہے۔ یا تو اس جماعت نے عبارت میں کاٹ چھانٹ کی ہے یا کچھ عبارتوں کو حذف کر دیا ہے، لوگ حیرت زدہ رہ گئے، غلطی کرنے والوں کو منہ کی کھانی پڑی۔ (۲)

آپ کی بے نظیر ذہانت اور بے مثال یادداشت کا ایک واقعہ قاری محمد طیب قاسمی صاحب نقل کرتے ہیں:

"میں نے عرض کیا حضرت ابوالحسن کذاب کا ترجمہ نہیں ملتا، اس کے بارے میں نشان معلوم کرنے حاضر ہوا ہوں۔ فرمایا ادب و تاریخ کی کتابوں میں

== اور علوم طب کی تعلیم علی عبدالعلی سے حاصل کی۔ حصول علم کے لیے دہلی، سہارنپور، سرہند اور دیوبند کا سفر کیا۔ حضرت رشید احمد گنگوہی، محدث نذیر حسین دہلوی، وغیرہ سے اجازت حدیث حاصل کی۔ شیخ کبیر حضرت فضل رحمٰن گنج مرادآبادی سے بیعت ہوئے۔ وہ فکر ندوہ کے اولین داعیوں میں تھے اور ایک عرصہ تک ندوۃ العلماء کے ناظم رہے۔ آپ نے اردو عربی دونوں زبانوں میں متعدد کتابیں لکھیں، آپ کی مشہور تصنیفات میں نزہۃ الخواطر وبھجۃ المسامع والنوازل، (آٹھ جلدیں) جس میں ساڑھے چار ہزار علماء، فقہاء، محدثین، ادباء اور مختلف میدانوں سے تعلق رکھنے والی شخصیات کا تعارف ہے۔ اس کے علاوہ گل رعنا، الثقافۃ الاسلامیۃ فی الھند، الھند فی عھد الاسلامی، معارف العوارف وغیرہ ہیں۔ یکم فروری 1923ء کو 53 رسال کی عمر میں وفات پائی۔ دائرہ شاہ علم اللہ تکیہ کلاں رائے بریلی میں محو استراحت ہیں۔ (دیکھئے: الأعلام للزرکلی، العلامۃ السید عبدالحی الحسنی عصرہ حیاتہ و مؤلفاتہ للسید قدرۃ اللہ الحسینی)

(۱) نزهة الخواطر: ۹۲/۸

(۲) ستة من فقهاء العالم الإسلامي، ص: ۲٦

فلاں فلاں مواقع کا مطالعہ کر لیجئے۔ تقریباً آٹھ دس کتابوں کے نام لے دیئے، اور ان کے مظان و مواقع کی نشاندہی فرمادی۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت مجھے اس شخص کی پوری تاریخ معلوم کرنی نہیں۔ صرف ان کی صفت کذب و دروغ گوئی کے حالات معلوم کرنے ہیں، مگر ان کا کوئی عنوان کسی کتاب میں نہیں ملتا کہ اس کے نیچے ان خاص واقعات کا مطالعہ کرلوں۔

فرمایا مولوی صاحب! آپ نے بھی کمال کیا۔ صفت کذب کونسی صفت مدح ہے؛ لوگ اس پر عنوانات قائم کر کے اس کے واقعات دکھلائیں۔ ایسی مذموم صفات و افعال کا تذکرہ تو ضمناً ہی آجاتا ہے۔ عنوان ہمیشہ کمالات پر قائم کئے جاتے ہیں، نہ کہ نقائص و عیوب پر۔ ان کتب میں فلاں فلاں مقام دیکھ لیجئے۔ ضمناً اس کی صفت کذب کا بھی تذکرہ کہیں نہ کہیں مل ہی جائے گا۔

میں نے عرض کیا کہ حضرت مجھے؛ تو کتابوں کے اتنے اسماء بھی یاد نہ رہیں گے؛ چہ جائیکہ ان کے یہ مظان و مواقع محفوظ رہیں۔ نیز انتظامی مہمات کے بکھیڑوں میں اتنی فرصت بھی نہیں، کہ چند جزوی مثالوں کے لیے اتنا طویل و عریض مطالعہ کروں۔ بس آپ ہی اس شخص کے کذبات اور دروغ گوئی سے متعلقہ واقعات کی دو چار مثالیں بیان فرمادیں۔ میں انہی کو آپ کے حوالہ سے جزو کتاب بنا دوں گا۔ اس پر مسکرا کر ابوالحسن کذاب کی تاریخ، اس کے سن ولادت سے سن وار بیان فرمانی شروع کر دی، جس میں اس کے جھوٹ کے عجیب و غریب واقعات بیان فرماتے رہے۔ آخر میں سن وفات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ شخص مرتے مرتے بھی جھوٹ بول گیا۔ پھر اس جھوٹ کی تفصیل بیان فرمائی۔

حیرانی یہ تھی کہ یہ بیان ایسے طرز سے ہو رہا تھا، کہ گویا حضرت ممدوح نے آج کی شب میں مستقلاً اسی کی تاریخ کا مطالعہ کیا ہے، جو اس بسط سے سن وار واقعات بیان فرما رہے ہیں۔

میں نے تعجب آمیز لہجہ میں عرض کیا؛ کہ حضرت شاید کسی قریبی ہی زمانہ

میں اس کی تاریخ دیکھنے کی نوبت آئی ہوگی؟ سادگی سے فرمایا، جی نہیں! آج سے تقریباً چالیس سال کا عرصہ ہوتا ہے جب میں مصر گیا ہوا تھا۔ خدویوں کے کتب خانہ میں مطالعہ کے لیے پہنچا، تو اتفاقاً اسی ابوالحسن کذاب کا ترجمہ سامنے آگیا اور اس کا مطالعہ دیر تک جاری رہا۔ بس اسی وقت جو باتیں کتاب میں دیکھیں حافظہ میں محفوظ ہوگیا اور آج آپ کے سوال پر مستحضر ہوگیں، جن کا میں نے اس وقت تذکرہ کیا۔" (۱)

اندازہ کیجئے کہ ایک غیر ضروری بات؛ جس پر اتفاقی نظر پڑ گئی، وہ بھی آپ کی حافظہ کی گرفت سے چالیس سالوں تک نہیں نکل سکی۔ کیا مجال کہ کوئی چیز ایک بار جو آپ کی ذکاوت کے قید خانہ میں آجائے اسے زندگی کی کسی بھی حصے میں رہائی نصیب ہو۔ یہ معمولی اور غیر ضروری باتیں جب چالیس چالیس سال تک اس طرح ذہن میں تازہ ہوں، جیسے ابھی اور آج پڑھا ہو؛ تو قرآن و حدیث اور اسلامی علوم وفنون کا کیا کہنا ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ اس کی کوئی بات کشمیری کے نہا خانہ ذہن سے نکل جائے؟

علامہ کشمیری ایک واقعہ خود ہی بیان کرتے ہیں:

"میں چار سال کا تھا، میں نے دو آدمیوں کو اس بات پر بحث کرتے ہوئے سنا؛ کہ کیا عذاب روح کو ملے گا یا جسم کو؟ یا پھر دونوں کو؟ ان میں سے ایک آدمی نے بطور مثال کہا کہ مان لو کہ ایک اندھا ہے اور ایک لنگڑا ہے، دونوں نے ارادہ کیا؛ کہ وہ باغ جا کر پھل توڑے۔ اندھا دیکھ نہیں سکتا، لنگڑا چل نہیں سکتا۔ اندھے نے لنگڑے کو اپنے کاندھے بٹھلایا اور دونوں ایک دوسرے کی مدد کرتے ہوئے باغ پہنچے اور پھل توڑا؛ تو ظاہر ہے کہ پھل کی چوری میں دونوں ہی شریک ہوئے، تو سزا دونوں ہی کو ملے گی، یہی حال جسم اور روح کا ہے۔ بدن روح کے بغیر بے کار ہے اور روح بدن کے بغیر کوئی کام نہیں کرسکتی، دونوں ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔ اس لیے عذاب وثواب میں دونوں شریک ہوں گے۔ پینتیس

(۱) حیات انور، ص: ۲۲۷۔ ۲۲۸

(۳۵) سالوں بعد میں نے بعینہٖ یہی مثال قرطبی میں دیکھی، وہاں ابن عباسؓ (۱) کے حوالے سے لکھا ہوتھا۔'' (۲)

اندازہ کیجئے! علامہ نے چار سال کی عمر میں ایک بات سنی اور وہ پینتیس سالوں بعد بھی ذہن میں متحضر رہی۔ اس سے آپ کے قوت حافظہ کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

کوئی کہاں تک بیان کرے اور کن کن واقعات کو زیر داستان لائے۔ سچ تو یہ ہے کہ عام ذہن یہ قبول کرنے کو بسا اوقات تیار نہیں ہوتا؛ کہ ایک شخص کو مبدأ فیاض سے حفظ کی ایسی بے نظیر دولت عطا کی گئی ہو، لیکن ؎

لیس علی اللہ بمستنکر　　　أن یجمع العالم في واحد

آپ کے ناقابل یقین یادداشت کا ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے مولانا منظور نعمانی تحریر کرتے ہیں:

''ایک دفعہ کی حاضری میں ترمذی شریف کی عبارت کا میں نے حوالہ دیا، کہ اس عبارت میں یہ اشکال ہے۔ بہت غور کیا؛ لیکن حل نہیں ہو سکا۔ فرمایا مولوی صاحب! آپ کو یاد نہیں رہا، مجھے خوب یاد ہے، جس سال آپ دورہ میں تھے؛ اس

---

(۱) حبر الأمہ، ترجمان القرآن، سیدنا عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب ہاشمی کی ولادت باسعادت ہجرت سے تین سال پہلے 618ء میں ہوئی۔ آپ جلیل القدر صحابی، فقیہ، عظیم محدث، اور مفسر تھے۔ آپ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی اور محبوب شاگرد تھے، اپنے والد حضرت عباسؓ کے ساتھ فتح مکہ سے قبل ہجرت فرمائی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جحفہ میں شرف ملاقات حاصل کی۔ وہیں سے لوٹے فتح مکہ میں شریک ہوئے، غزوہ حنین اور طائف میں اپنی بہادری کے جوہر دکھلائے۔ آپ دن رات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چمٹے رہتے تھے۔ اور نور نبوت سے اپنے قلب ونظر کو منور کیا کرتے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو دعاء دی کہ'' اے اللہ! انہیں دین کی سمجھ دے اور انہیں تأویل کا علم سکھا''، اسی طرح آپ نے یہ دعاء دی'' اے اللہ انہیں کتاب اور حکمت کا علم عطا فرما''۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت آپ کی عمر صرف 13 رسال تھی۔ آپ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے 1660 روایت کیں ہیں۔ سیدنا حضرت عمرؓ حضرت ابن عباسؓ سے اہم معاملوں میں مشورہ کیا کرتے تھے۔ اور وہ کہتے تھے کہ نوجوانوں میں عقل کے اعتبار سے بوڑھے ہیں۔ ''فتی الکھول'' کے لقب سے یاد کرتے تھے، جب کہ صحابہ انہیں ترجمان القرآن، حبر الأمۃ، الحبر والبحر کے وقیع القاب سے پکارا کرتے تھے۔ 68ھ میں طائف میں وفات پائی۔ رضی اللہ عنہ ورضواعنہ۔

(۲) فیض الباری، علامہ انورشاہ کشمیری: ۱۱۵/۴، ط: المکتبۃ الوقفیہ

موقع پر میں نے بتایا تھا کہ یہاں ترمذی کے اکثر نسخوں میں یہ غلطی واقع ہوگئی ہے،
لیکن لوگ سرسری طور پر گزر جاتے ہیں، اور نہیں پتہ نہیں چلتا۔ ورنہ جو اشکال آپ
کو پیش آیا سب کو پیش آنا چاہئے۔ پھر فرمایا صحیح عبارت اس طرح ہے.........بس
سارا اشکال جس نے چکر میں ڈال رکھا تھا، ایک منٹ میں دفع ہوگیا۔ اللہ اکبر یہ
بات بھی یاد رہتی تھی؛ کہ فلاں سال اس موقع پر سبق میں یہ بات بتلائی تھی۔"(۱)

علامہ کشمیری اقلیم علم کے وہ تاجدار ہیں، جس پر قدرت نے علم کی بارش کردی تھی۔ ایسا محسوس ہوتا ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے فقہ حنفی سے الزامات کے غبار کو صاف کرنے اور اسے حدیث سے مؤید کرنے کی غرض سے آپ کو پیدا فرمایا تھا، اس لیے آپ کو ایسا حافظہ عطا فرمایا، جس نے امام بخاری و مسلم اور ابن تیمیہ و شافعی کی یاد تازہ کردی۔

آپ کا نوٹ بک:

علامہ کشمیریؒ اپنی بے پناہ ذکاوت اور عدیم المثال قوت حافظہ کے باوجود دوران مطالعہ نوٹ بک ساتھ رکھا کرتے تھے۔ ان کے زیادہ تر اوقات کتابوں کے ساتھ گزرتے تھے۔ دوران مطالعہ اگر کوئی خاص بات نظر آجاتی یا کوئی مسئلہ کسی حدیث سے خود مستنبط فرماتے، یا کوئی نفیس تحقیق نگاہوں کے سامنے آجاتی، تو اسے قید تحریر میں لے آتے تھے۔ حالاں کہ یہ سچائی بھی اپنی جگہ ہے؛ کہ اس نوٹ بک کی طرف مراجعت کی نوبت شاید کبھی نہیں آتی؛ کیوں کہ ان کا ذہن خود ہی ایک کتب خانہ تھا؛ جس کی الماریوں میں مختلف علوم وفنون کی کتابیں خالق نے سجادی تھی اور انہیں جب جس کتاب کی جہاں ضرورت ہوتی نکالتے اور کھول کر سامنے رکھ لیتے۔ شیخ یوسف بنوری تحریر فرماتے ہیں:

"کلما اطلع علىٰ شيئ نفيس وتحقيق عال حاول ضبطه في
مذكرته وكان يقيده بالكتابة"(۲)

ہاں! اتنا ضرور ہے کہ آپ ہر انوکھی بات کو قید تحریر میں نہیں لاتے، بلکہ اس سلسلہ میں ان کا ایک خاص اصول تھا۔ وہ انہیں باتوں کو اپنی نوٹ بک میں جگہ دیتے؛ جو قرآن وحدیث، فقہ، اصول فقہ

---

(۱) حیات انور، ص ۱۳۹

(۲) نفحة العنبر، ص: ۹۹

وغیرہ کے مشکل مقامات کے حل کا ذریعہ بنتے ہوں۔ شیخ بنوری اپنے استاذ کا یہ اصول نقل کرتے ہیں:

"إنه كان يقيد ما ينحل به عقدة من مشكلات القرآن و الحديث أو الفقه و الأصول، و كذالک من العلوم الأخرىٰ الهامة، أوما يفيد في حل تلک المعضلات استشهاداً و سنداً، كذالک إذا سنح له دليل للمذهب الحنفي أو مايفيده في تاييده، كان يقيده في مذكرته. و ثالثاً إذا كان للعلامة فكرة و تحقيق خاص في مسالة أو مشكلة بالعكس ماذهب إليه الجمهور، ثم أبان مطالعته، ظهر له شيء يؤيد تلک الفكرة، أويفيد في تلک المسالة فكان يكتبه في مذكرته" (۱)

لیکن علامہ کشمیریؒ کے اس نوٹ کی تیاری میں اپنا ایک خاص انداز تھا۔ اگر کوئی تحقیق اپنی ہوتی تو انتہائی فصیح اور مختصر الفاظ میں اسے قلم بند کرتے، اگر کسی دوسرے عالم کی ہوتی؛ تو کبھی تو بعینہٖ ان ہی کے الفاظ میں نقل فرماتے اور کبھی اپنے الفاظ میں اس کی تلخیص فرماتے۔ (۲)

آپ کے بعض اساتذہ

شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی:

علامہ کشمیری نے امام حریت حافظ حدیث شیخ الہند محمود حسن دیوبندی سے بخاری شریف، ترمذی شریف، ابوداؤ شریف کے علاوہ ہدایہ آخرین پڑھی۔ ہندوستان ہی نہیں پوری دنیا حضرت شیخ الہند کی شخصیت اور ان کی عظمت سے واقف ہے۔ جہاد آزادی میں آپ کی بیش بہا قربانی کا ذکر کیا جائے یا پھر علم حدیث اور فن اسماء رجال پر آپ کی دسترس کی داستان سرائی کی جائے، یا پھر آپ کے زہد وتقویٰ، ذوق عبادت، اتباع سنت، ملت کی تڑپ کی کہانی لکھی جائے، ہر ایک کے لیے ایک دفتر درکار ہے۔ حضرت شیخ الہند کی متعدد سوانح لکھی گئی ہیں، یہاں تو صرف ان کے ذکر سے حصول تبرک

---

(۱) نفحة العنبر، ص: ۹۹

(۲) نفحة العنبر، ص: ۱۰۰

کی مقصود ہے۔اس لیے انتہائی اختصار سے سیرت محمود کی جھلک پیش کی جاتی ہے۔مورخ سید عبد الحی لکھنوی ''نزهة الخواطر ''میں آپ کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''الشيخ العالم الكبير العلامة المحدث محمود حسن بن ذو الفقار علي الحنفي الديوبندي، أعلم العلماء في العلوم النافعة، و أحسن المتأخرين ملكة في الفقه و أصوله، و أعرفهم بنصوصه و قواعده.''(۱)

شیخ الہند کی ولادت باسعادت ۱۲۶۸ھ مطابق ۱۸۵۱ء میں بریلی شہر میں ہوئی؛ جہاں آپ کے والد ایک کالج میں تدریسی خدمات انجام دے رہے تھے؛ لیکن آپ اپنے شہر دیوبند میں پلے بڑھے۔عربی کی ابتدائی کتابیں اپنے چچا شیخ مہتاب علی سے پڑھیں۔پھر جب دیوبند میں امام نانوتوی نے دار العلوم کی بنیاد رکھی،تو پہلے طالب علم بننے کی سعادت آپ کو حصہ میں آئی۔اپنے ہم نام استاذ ملا محمود کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔اس طرح دار العلوم کی تاریخ کے روشن باب کا آغاز دو محمودوں سے ہوا''ملا محمود''اور''محمود حسن دیوبندی''۔جوں جوں دار العلوم کی عظمت کا ستارہ چڑھتا گیا،آپ کی عظمت بھی آسمان چھوتی رہی۔حضرت ملا محمود کے علاوہ آپ نے مولانا محمد یعقوب نانوتوی (۲) اپنے والد شیخ ذو الفقار علی دیوبندی سے بھی کسب فیض کیا۔بخاری، مسلم اور حدیث کی

(۱) نزهة الخواطر: ۸/۴۶۵

(۲) دار العلوم دیوبند کے سب سے پہلے صدر مدرس،معقولات ومنقولات کے امام حضرت مولانا یعقوب بن مملوک علی صدیقی نانوتوی نانوتہ سہارنپور میں 13/صفر 1249ھ مطابق 1833ء میں پیدا ہوئے۔

صرف 13/سال کی عمر میں حفظ قرآن مکمل کیا، فارسی وعربی کی ابتدائی کتابیں نانوتہ ہی پڑھیں، پھر دہلی تشریف لے گئے، اور دہلی کالج میں جہاں آپ کے والد استاذ تھے، داخلہ لیا اور یہیں اپنی تمام تر تعلیم مکمل کی، شاہ عبد الغنی مجددیؒ، شیخ احمد علی سہارنپوری امام نانوتوی سے حدیث وفقہ کی اجازت حاصل کی۔

اجمیر کے ایک سرکاری کالج میں کچھ دنوں تک تدریسی خدمات انجام دی، پھر ایک دوسرے سرکاری ادارے میں آپ کا ٹرانسفر ہوگیا، لیکن جب 1857ء میں انگریزوں کے خلاف انقلاب برپا ہوا، تو آپ نے استعفی دے دیا اور اپنے گھر تشریف لے آئے۔

دار العلوم دیوبند کے قیام کے بعد 1866ء مطابق 1283ھ، حضرت نانوتوی نے آپ کو دار العلوم دیوبند کا پہلا صدر مدرس بنایا، اس دن سے وفات تک آپ دار العلوم دیوبند کے صدر مدرس اور استاذ حدیث کے طور پر علم حدیث اور دینی خدمت انجام دیتے رہے۔3/ربیع الاول 1302ھ مطابق 1884ء میں آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔

آپ فقہ، علم حدیث، سلوک ومعرفت میں بڑا بلند مقام رکھتے تھے، آپ کی ذات ملت کے لیے منارہ نور کی حیثیت رکھتی تھی۔(دیکھئے: تاریخ دار العلوم دیوبند، از محبوب رضوی: 2/151)

دیگر کتابیں امام محمد قاسم نانوتوی اور حضرت گنگوہی سے پڑھیں۔ جب کہ براہ راست آپ کو حضرت شاہ عبد الغنی مجددی (۱) سے بھی اجازت حاصل تھی۔ قاسمی مشرب کی ہر سند کا سرا شیخ الہند سے جا ملتا ہے۔ دار العلوم سے آپ کی فراغت ۱۲۹۰ھ میں ہوئی اور دار العلوم ہی میں استاذ مقرر ہوئے۔ (۲) ۱۳۰۸ھ میں دار العلوم کے شیخ الحدیث اور صدر مدرس کے منصب علیا پر فائز کیے گئے۔ اس دوران آپ نے مختلف علوم وفنون کی اہم ترین کتابوں کا درس دیا۔ شیخ الحدیث ہونے کے بعد بخاری، مسلم، ترمذی اور مشکوٰۃ المصابیح آپ کے زیر درس رہیں۔ (۳)

آپ کے شاگردوں کی تعداد ہزاروں میں ہے۔ ان شاگردوں میں آسمان علم کے آفتاب و ماہتاب ہیں، جن کی ضیاپاش کرنوں نے پوری دنیا کو منور کیا۔ ان میں محدثین، فقہا، مفسرین، ادباء و شعراء اور دین اسلام پر مر مٹنے والے مجاہدین سب ہیں، برصغیر میں دین حنیف کی جو باد نسیم چل جو رہی ہے، وہ آپ ہی کے شاگردوں کی مجاہدانہ کاوشوں کا ثمرہ ہے۔ فکر محمود کے دست گرفتہ اور اسیروں میں حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی ہیں۔ امام کشمیری، شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی، مفتی کفایت اللہ دہلوی، شیخ الاسلام حسین احمد مدنی، مولانا اصغر حسین دیوبندی، مولانا اعزاز علی دیوبندی، مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی، مجاہد اسلام مولانا عبید اللہ سندھی (۴)، شاہ قلم مولانا مناظر احسن

---

(۱) شاہ عبد الغنی مجددی بن شاہ ابوسعید مجددی کی ولادت 25/ شعبان 1234ھ/ 9/ جون 1819ء کو مغل پورہ دہلی میں ہوئی۔ تمام تر علوم وفنون شاہ اسحاق اور اپنے والد گرامی نیز دیگر مشائخ دہلی سے حاصل کیے۔ والد محترم کے ساتھ حرمین شریفین کا سفر کیا، وہاں کے مشائخ سے کسب فیض کیا، وہاں سے واپسی پر اپنی مسند درس دہلی میں بچھائی، ہزاروں بندگان خدا کو علم حدیث کی تعلیم دی، امام محمد قاسم نانوتوی اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی آپ ہی کے شاگرد ہیں اور آپ ہی کے واسطے سے علماء دیوبند کی سند امام ولی اللہ تک پہنچتی ہے۔ ہندوستان پر جب انگریزوں کا تسلط ہو، اتو آپ نے غلام ملک میں رہنا پسند نہیں کیا اور حجاز مقدس ہجرت فرما گئے، کچھ دن مکہ مکرمہ میں قیام فرمایا پھر مدینہ منورہ جوار رسول میں اپنی پوری زندگی تمام کر دی، وہاں آپ سے ہزاروں علماء و مشائخ نے استفادہ کیا، زہد وتقویٰ، علم وعمل، تضرع وگریہ زاری، خشیت الٰہی، عشق رسول، کتاب وسنت پر سختی سے عمل، حسن اخلاق، اور بندہ خدا کے بھلائی کی فکر کرنا آپ کی زندگی کا امتیازی وصف ہے۔ 7/ محرم 1296ھ/ 30/ دسمبر 1878ء کو مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ (دیکھئے: نزہۃ الخواطر: 7/ 320)

(۲) داریخ دار العلوم دیوبند: ۲/ ۳۴

(۳) اکابر علماءِ دیوبند، ص: ۳۰، اکبر شاہ نجیب آبادی، ط: دیوبند

(۴) امام انقلاب، شیخ الہند کے تربیت یافتہ اوران کی تحریکوں کے دست وبازو مولانا عبید اللہ سندھی 12/ محرم 1289ھ/ 10/ مارچ 1872ء کو جمعہ کے دن سیالکوٹ پاکستان کے قریب ایک گاؤں چیان والی میں پیدا ہوئے۔ ==

گیلانی وغیرہ ایسے ائمہ فن اور عبقری شخصیات ہیں، جن کے کارناموں سے علم وفکر کی دنیا اور قربانیوں سے دین حنیف کی فصلیں پوری دنیا میں لہلہارہی ہیں۔ شیخ الہند کے شاگردوں میں ایسی ایسی عبقری شخصیات ہیں جس کی نظیر پیش کرنے سے دنیا بانجھ ہے۔ وہ چاہتے تو کہہ سکتے تھے

"أولئک أبنائي فجئني بمثلهم"

لیکن آپ کی ذات فخر ومباہات سے کوسوں دور تھی، ان کا ہر کام صرف رب کی خوشنودی کے لیے تھا۔

آپ نے امام رشید احمد گنگوہی کے دست حق پرست پر بیعت فرما کر تصوف وسلوک کے مدارج طے کیے۔ متعدد عمرے اور حج فرمائے اور اس دوران آپ نے حجاز وحرمین کے اکابر علماء سے استفادہ کیا۔(۱)

یہ وہ دن تھے؛ جب ہندوستان پر انگریزوں کا قبضہ تھا۔ ہندوستان غلامی کی زنجیر میں جکڑا ہوا کراہ رہا تھا۔ حضرت شیخ الہند کو ان حالات نے تڑپا دیا اور انہوں نے ہندوستان سے انگریزوں

== شکم مادر ہی میں تھے کہ ولادت سے چار ماہ پہلے والد کا انتقال ہوگیا۔ آپ کی پیدائش سکھ گھرانے میں ہوئی۔ دو سال کی عمر میں دادا کا انتقال ہوگیا، ان کی والدہ انہیں لے کر اپنے میکہ ڈیرا غازی خان چلی آئیں۔ 1878ء میں تعلیمی سلسلہ کا آغاز ہوا۔ ریاضی، الجبرا، اقلیدس اور تاریخ وغیرہ میں جلد ہی مہارت حاصل کرلی۔ 1884ء میں قسمت نے یاوری کی ایک نو مسلم عالم دین عبید اللہ مالیر کوٹلی کی کتاب "تحفۃ الہند" کے مطالعہ کا موقع ملا، اس کتاب نے دل کی دنیا بدل دی، کفر کے بادل چھٹے اور آپ مشرف بہ اسلام ہوگئے۔ کتاب کے مصنف کے نام پر اپنا نام عبید اللہ رکھا۔ 1888ء میں حافظ محمد صدیق بھرچونڈی سے بیعت کی انہوں نے حضرت سندھی کو اپنا بیٹا بنالیا اور خصوصی تربیت فرمائی۔ آپ کے اساتذہ میں مولانا احمد حسن کانپوری، مولانا حافظ احمد مہتمم دار العلوم دیوبند، حضرت شیخ الہند، حضرت گنگوہی وغیرہ ہیں۔ 1919ء میں مستقل طور پر دیوبند میں قیام فرمایا، یہیں جمعیۃ الانصار قائم کی اور اس کے زیر نگرانی دار العلوم کے فارغین طلبہ کی تعلیم وتربیت شروع کی، انہیں تحریک آزادی میں حصہ لینے پر ابھارا، مولانا سندھی حضرت شیخ الہند کے تحریک ریشمی رومال کے اہم سپاہیوں میں تھے۔ آپ ہی نے افغانستان کی آزادی کا منصوبہ بنایا، اس جرم میں آپ کو پچیس سالوں تک جلاوطن رہنا پڑا۔ آپ کی پوری زندگی علم وعمل، اور تحریک آزادی سے عبارت ہے۔ ذاتی ڈائری، خطبات ومقالات، شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ، فکر ولی اللہی کا تاریخی تسلسل، قرآنی شعور انقلاب، قرآن کا مطالعہ کیسے کیا جائے، شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک، تفسیر امام سندھی وغیرہ آپ کی اہم تصنیفات ہیں۔ 2/رمضان المبارک 1363ھ/ 22/اگست 1944ء منگل کے دن دین پور، ضلع رحیم یار خان، پاکستان میں آپ کی وفات ہوئی اور وہیں آسودہ خواب ہوئے۔ (دیکھئے: خطبات مولانا عبید اللہ سندھی، ص 146، مرتب محمد سرور، کابل میں سات سال، از مولانا سندھی، مولانا عبید اللہ سندھی؛ پروفیسر محمد سرور)

(۱) نزھۃ الخواطر: ۴۹۲/۸

کے ناپاک قدم اکھاڑنے کے لیے ''ریشمی رومال'' کی تحریک شروع کی۔ کاش یہ تحریک کامیاب ہوتی تو آج ہندوستان کا نقشہ کچھ اور ہوتا۔ اپنوں ہی کی بے وفائی نے ٹھیک اس وقت راز فاش کر دیا جب کامیابی قدم بوسی کرنے کو تھی۔

قسمت تو دیکھ ٹوٹی ہے جا کر کہاں کمند کچھ دور اپنے ہاتھ جب بام رہ گیا

وہی ہوا، جو ہندوستان کی تقدیر میں ازل ہی سے لکھ دیا گیا تھا۔ اس جرم میں شیخ الہند گرفتار کر لیے گئے اور جزیرہ مالٹا میں نظر بند کر دیے گئے۔ آپ نے مالٹا میں تین سال اور دو مہینے قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں، لیکن یہ ایام آپ نے افسوس اور ہائے ہائے کرتے ہوئے نہیں بتایا، بلکہ ان فرصت کے لمحات کو غنیمت جانا قرآن کریم کا ترجمہ اور الابواب والتراجم کی تالیف فرمائی۔

جمادی الآخر ۱۳۳۸ھ مطابق جنوری ۱۹۲۰ء میں قید فرنگ رہائی نصیب ہوئی۔ ۹ رمئی کو آپ ممبئی پہنچے، جہاں آپ کا تاریخی استقبال عوام و خواص نے کیا، اسی موقع پر آپ کو شیخ الہند کے لقب سے سرفراز کیا گیا۔ ہندوستان کے جس شہر سے آپ گزرے آپ کا اس انداز میں استقبال ہوا؛ جس کی نظیر پہلے کبھی دیکھنے میں نہیں آئی۔

زندگی کے آخری دنوں میں علی گڑھ کی تعلیمی منہج کی خرابیوں کو دیکھتے ہوئے آپ نے دہلی میں اکتوبر ۱۹۲۰ء کو جامعہ ملیہ اسلامیہ کی بنیاد رکھی۔ سرسید کے افکار و نظریات میں بہت کچھ انحراف ہے۔ ظاہر ہے کہ ان کے افکار کے اثرات سے ان طلبہ کا متاثر ہونا ضروری تھا، جو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں زیر تعلیم تھے۔ شیخ الہند نے عصری درس گاہوں کے طلبہ کو فکری ارتداد و انحراف سے بچانے اور ان کے متاع دین کی حفاظت کی غرض سے اپنے رفقاء کے ساتھ جامعہ ملیہ اسلامیہ کی بنیاد رکھی۔ اس جامعہ نے ملک و قوم کے بڑی خدمت انجام دی ہے اور دے رہی ہے، لیکن کیا جامعہ اپنے مقصد میں کامیاب ہے، کیا شیخ الہند کا خواب شرمندہ تعبیر ہو سکا؟ یہ مستقل بحث کا موضوع ہے، پھر کبھی۔

مرض کا حملہ:

مرض کی شدت بڑھتی گئی، حتیٰ کہ اسی مرض میں ۱۸ ر ربیع الاول ۱۳۳۹ھ مطابق ۳۰ ر نومبر ۱۹۲۰ء کو آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ آپ کا جسد خاکی دیوبند لایا گیا۔ لاکھوں علماء اور فرزندان توحید نے جنازہ کی نماز میں شرکت کی، مزار قاسمی میں اپنے استاذ امام محمد قاسم نانوتوی

کے پہلو میں مدفون ہوئے۔(۱)

آپ کی وفات نے علم و سیاست کو شدید نقصان پہنچایا۔ دار العلوم کو تو آپ کے بدل کی صورت میں امام کشمیری مل گئے، لیکن ہندوستانی سیاست کو آپ کا کوئی ثانی نہ ملا۔ آپ کی وفات سے پوری دنیا جہاں سوگوار ہوئی وہیں انگریزوں کو بڑا سکون ملا۔ تاہم آپ کے شاگرد رشید شیخ الاسلام حسین احمد مدنی نے تحریک آزادی کی کمان سنبھال لی۔

حضرت شیخ الہند نے متعدد کتابیں تصنیف فرمائی، جن میں سب سے اہم آپ کا ترجمہ قرآن پاک ہے، جو ترجمہ شیخ الہند کے نام سے معروف ہے۔ دوسری تصنیفات میں سنن ابو داؤد پر آپ کے تعلیقات، جامع ترمذی پر آپ کے امالی، **الجهد المقل في تنزيه المعز و المذل، الأدلة الكاملة في جواب السوالات العشرة للشيخ محمد حسين البتالوي، ايضاح الأدلة في جواب مصباح الأدلة، الأبواب و التراجم ، الافادات المحمودية** اور قدوری پر آپ کا حاشیہ وغیرہ سرمہ چشم بنانے لائق ہے۔(۲)

علامہ خلیل احمد سہارنپوری:

امام کشمیری نے علامہ سہارنپوریؒ سے مؤطا امام مالک بن انس اور مؤطا امام محمد بن حسن شیبانی پڑھی۔ حافظ شیخ خلیل احمد علم حدیث میں سند کی حیثیت رکھتے ہیں۔ برصغیر ہی نہیں پوری دنیا میں فن حدیث میں کمال، تفقہ فی الدین، اتباع سنت، بدعت سے نفور، اور زہد وتقویٰ میں آپ اپنی مثال آپ تھے۔ شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی تحریر کرتے ہیں:

> **" وهو الثقة المثبت الحجة الحافظ الصدوق محيي السنة السنية قامع البدع الشنيعة... حاز قصبات السبق في ميادين الفضل و الكمالات، فاعي الأقران، نبعت من إفاداته عيون العلم و النهي، و تجفرت من إفاضاته أنهار الإحسان و التقىٰ ... أبو حنيفه زمانه و شبلي عصره و دورانه، الشيخ خليل أحمد السهارنفوري."(۳)**

---

(۱) نزهة الخواطر: ۴۹۱/۸، تاریخ دار العلوم دیوبند: ۳۴/۲

(۲) دیکھئے: مساهمة علماء ديوبند في الأدب العربي، ص: ۲۵۴، زبیر احمد فاروقی

(۳) مقدمة بذل المجهود: ۷۲/۱، ط: دار البشائر الإسلامي، لبنان، ۲۰۰۶ء

”وہ ثقہ، حجت، حافظ حدیث،سنت کو زندہ کرنے والے، بدعت کی بیخ کنی کرنے والے ہیں۔فضل وکمال کے میدانوں میں اپنے ہم عصروں پر سبقت لے جانے والے ہیں۔ان کے افادات سے علم وعقل احسان وتقویٰ کے چشمے پھوٹتے ہیں،وہ ابوحنیفہ وقت،شبلی زمانہ شیخ خلیل احمد سہارنپوری ہیں“

آپ کی سیرت وکردار کا ذکر کرتے ہوئے محقق عبدالحی لکھتے ہیں:

” كان جميلًا وسيماً، مربوع القامة مائلاً إلىٰ الطول، أبيض اللون يغلب في الحمرة، نحيف الجسم، ناعم البشرة، أزهر الجبين، دائم البشر، خفيف شعر العارضين، يحب النظافة و الإناقة، جميل الملبس، نظيف الأثواب في غير تكلف أو إسراف.(١)

”لمبا قد،سرخی مائل گورا رنگ،کمزور جسم،نرم ونازک کھلتی ہوئی پیشانی، باریک ابرو، ہمیشہ چہرے پر کھلتی مسکراہٹ آپ بڑے وجیہ اور خوبصورت شخصیت کے مالک تھے۔خوبصورتی اور پاکیزگی کو پسند فرماتے تھے،اور خوش پوشاک تھے، لیکن اس میں اسراف نہیں ہوتا تھا“

آپ کی ولادت باسعادت اپنے ماموجان کے گھر نانوتہ میں ۱۲۶۹ھ میں ہوئی۔آپ کی پرورش وپرداخت اپنے گاؤں امبیٹھ سہارنپور میں ہوئی۔ابتدائی تعلیم عام روایت کے مطابق اپنے والد ماجد شاہ مجید علی سے حاصل کی۔چھوٹی سی عمر میں تعلیم وتعلم کا آغاز ہوگیا تھا۔آپ کے چچا شیخ انصار علی آپ کی تربیت کا بڑا خیال رکھتے تھے۔اسی لیے آپ کو اپنے ساتھ گوالیار لے گئے؛وہیں آپ نے ابتدائی درسی کتابیں پڑھیں۔گوالیار سے آپ کے والد نے آپ کو واپس بلوایا اور آپ کی تعلیمی ذمہ داری شیخ سعادت علی کے سپرد کی۔پھر آپ دارالعلوم دیوبند تشریف لے آئے؛وہاں آپ نے اپنے ماموجان شیخ یعقوب علی نانوتوی-جو ان دنوں دارالعلوم کے صدر مدرس تھے- سے مختلف علوم وفنون کی کتابیں پڑھیں۔تاہم دارالعلوم سے فراغت کی نوبت نہیں آئی اور مظاہرالعلوم تشریف لے گئے، جو انہیں دنوں قائم ہوا تھا۔وہاں آپ نے صحاح ستہ کی تکمیل مولانا مظہر نانوتوی سے کی۔انیس سال کی عمر میں رسمی تعلیم سے فراغت حاصل کرلی۔دوبارہ دارالعلوم دیوبند تشریف لائے اور ۱۲۸۹ھ میں دارالعلوم دیوبند سے باضابطہ فراغت حاصل کی۔دارالعلوم سے فراغت کے بعد عربی

---

(۱) نزهة الخواطر: ١٤٨/٨

زبان و ادب سے بے پناہ رغبت و دلچسپی کی وجہ سے امام لغت و ادب مولانا فیض الحسن سہارنپور کی خدمت میں تشریف لے گئے، وہاں چند مہینے قیام کر کے عربی زبان و ادب میں مہارت حاصل کی؛ حتیٰ کہ آپ کو عربی نظم ونثر پر دسترس حاصل ہوگئی۔(۱)

تعلیم سے فراغت کے بعد آپ نے منگلور، بھوپال، سکندرآباد، بھاولپور وغیرہ کے مدارس میں تدریسی خدمات انجام دیے۔ آپ بریلی میں تھے؛ کہ آپ کو دارالعلوم دیوبند طلب کرلیا گیا، دارالعلوم دیوبند میں استاذ اور بعد کو آپ دارالعلوم کے نائب صدر مدرسین مقرر کئے گئے۔

۱۳۱۴ھ میں مظاہر العلوم کے اصرار پر آپ مظاہر العلوم تشریف لے گئے: جہاں آپ نے صدر مدرس اور شیخ الحدیث کے طور پر مظاہر العلوم کو علمی دنیا میں نئی پہچان عطا کی، چند ہی سالوں میں وہ دارالعلوم کے مقابلہ کا ادارہ سمجھا جانے لگا۔ آپ کے نام پر طلبہ جوق در جوق علم حدیث کے حصول کے لیے مظاہر العلوم پہنچنے لگے۔ ۱۳۲۵ھ مطابق ۱۹۰۷ء کو آپ مظاہر العلوم کے ناظم اعلیٰ مقرر ہوئے۔

۱۳۴۴ھ میں آپ نے سفر حج فرمایا، حرم شریف کی زیارت کی، مدینہ منورہ پہنچے، روضہ اقدس کے دیدار سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کیں، دیار حبیب ہی میں رہ پڑے، واپسی کا ارادہ ترک کر دیا اور وہیں اپنے حبیب کے دیار میں جان جاں آفریں کے حوالے کر دی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ اہل بیت کے پاکیزہ جوار جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔(۲)

حضرت شیخ سہارنپوری کے تلامذہ میں اقلیم علم کے بڑے بڑے ستون نظر آتے ہیں۔ آپ کے خاص شاگردوں میں علامہ یحیٰ کاندھلوی، حضرت شیخ محمد الیاس کاندھلوی (۳)،

---

(۱) دیکھئے تفصیل کے لیے تذکرۃ الخلیل، ص: ۳۸-۴۰، محمد عاشق الٰہی میرٹھی، مقدمہ بذل المجہود: ۱/۷۵

(۲) نزھۃ الخواطر: ۱۴۸/۸

(۳) دل دردمند، فکر ارجمند، شب بیدار، امت کے غم میں گھلنے والے دماغ کے مالک داعی الی اللہ، بانی جماعت تبلیغ، شیخ الہند کے شاگرد رشید، حضرت مولانا رشید گنگوہی کے دست گرفتہ مولانا الیاس کاندھلوی بن مولانا محمد اسماعیل کاندھلوی کی ولادت 1303ھ مطابق 1885ء میں کاندھلہ مظفر نگر میں ہوئی، تاریخی نام ''الیاس اختر'' آپ کے والد ماجد بلند پایہ بزرگ تھے۔ بچپن کا زمانہ ننیہال کاندھلہ اور والد کے ساتھ حضرت نظام الدین دہلی میں گزرا۔ داعیوں کا یہ خانوادہ اپنی دین داری، وضع داری اور سادگی میں مشہور ہے۔ قرآن کریم کی تعلیم کاندھلہ کے مکتب میں حافظ منگو سے حاصل کی، حفظ کی تکمیل اپنے والد صاحب کے پاس حضرت نظام الدین میں کی۔ یہیں ابتدائی کتابیں والد محترم اور مولانا ابراہیم کاندھلوی سے پڑھیں۔ ==

شیخ الحدیث زکریا کاندھلوی (۱)، محدث کبیر عاشق الٰہی بلند شہری (۲)، شیخ فیض الحسن گنگوہی (۳)،

== 1326ھ مطابق 1908ء میں دارالعلوم دیو بند آئے اور شیخ الہند کے حلقہ درس میں شامل ہوئے، بخاری اور ترمذی شیخ الہند سے پڑھی، پھر اپنے منجھلے بھائی فاضل بے مثل مولانا محمد یحییٰ سے حدیث کی سند لی۔شوال 1328ھ مطابق 1910ء میں مظاہر علوم میں استاذ ہوئے، متوسطات تک کی کتابیں آپ کے زیر درس رہیں، آپ ایک کامیاب مدرس تھے، جن کا درس بڑا مقبول تھا۔اسی دوران 1333ھ مطابق 1915ء میں حج کا فریضہ ادا کیا۔1334ھ مطابق 1916ء کو اپنے برادر اکبر مولانا محمد کی وفات بعد علامہ خلیل احمد سہارنپوری کی ایما پر حضرت نظام الدین تشریف لے آئے اور بھٹکی ہوئی انسانیت کو ہدایت کی منزلیں دکھلانا اپنا مشن بنایا۔آپ نے 1340ھ مطابق 1926ء میں الہامی جماعت اور "تبلیغی جماعت" کی بنیاد رکھی۔

حضرت الیاس محبت کے ایسے سوداگر تھے، جن کی رگوں میں امت کا پیار خون بن کر دوڑتا تھا، جن کا دل دردمند ہر گھڑی امت کے لیے تڑپتا اور پھڑکتا رہتا تھا، جن کی آنکھیں خلق خدا کے غم میں شب و روز آنسوؤں سے وضو کیا کرتی تھیں، جن کی زبان سنت موسوی کی عقیدت مند تھی، لیکن ایمان و اخلاص کی حرارت اور سینے میں جو آگ جل رہی تھی، وہ زبان کی لکنت کے باوجود لوہے کو موم اور شعلہ کو شبنم بنانے میں کامیاب ہوئی۔

ان کی ہر نقل و حرکت اور تگ و دو کا محور امت کی اصلاح اور اللہ کے بندوں کو جہنم سے بچانے کی فکر کا تھا؛ اسی اخلاص کا ثمرہ ہے کہ آج یہ تحریک دنیا کی سب سے بڑی دینی و دعوتی تحریک بن گئی۔

21رجب المرجب 1362ھ مطابق یکم جون 1944ء کو دہلی میں دین کا یہ عظیم سپاہی، علم و عمل اور اخلاص کا پیکر جمیل اپنے رب سے جا ملا اور وہیں دہلی میں آسودہ خواب ہوا۔(دیکھیے: تاریخ دارالعلوم دیو بند، نیز الداعیة الکبیر محمد الیاس الکاندھلوی ودعوتہ الی اللہ؛ سید ابوالحسن علی الحسنی الندوی)

(۱) عالم اسلام کے ممتاز محدث شیخ الحدیث محمد زکریا بن یحییٰ بن شیخ اسماعیل کاندھلوی مدنی کی ولادت 11رمضان المبارک 1315ھ/2فروری 1898ء میں مظفر نگر کے ایک مشہور گاؤں کاندھلہ میں ایک ایسے خانوادہ میں ہوئی، جو اپنے علم وفضل، تقویٰ اور معرفت الٰہی کی وجہ سے پورے ملک میں مشہور تھا۔ابتدائی تعلیم گنگوہ میں حاصل کی، کچھ دنوں بعد 1328ھ میں اپنے عظیم والد کے ساتھ سہارنپور تشریف لے آئے اور ہمہ تن حصول علم میں مصروف ہو گئے۔حدیث کی متعدد کتابیں اپنے والد ماجد سے پڑھی۔بخاری اور ترمذی علامہ خلیل احمد سہارنپوری سے پڑھی۔علامہ خلیل احمد سہارپوری کے ساتھ دن ورات علم حدیث کی خدمت میں مصروف ہو گئے، ان کی مشہور شرح بذل المجھود کی تالیف میں اپنے استاذ کے معاون بنے۔علامہ کی وفات کے بعد طالبان علوم نبوت کے لیے حضرت شیخ الحدیث ہی سہارنپور میں مرجع تھے۔آپ نے حضرت رشید احمد گنگوہی سے شرف تلمذ حاصل کیا، دیگر اکابر وقت سے بھی آپ نے کسب فیض کیا۔آپ تبلیغی جماعت کے سرکردہ علماء میں تھے۔وہ نہ صرف اس تحریک کے مؤید تھے، بلکہ اس تحریک کو پوری دنیا میں متعارف کرانے والوں میں تھے، آپ نے افریقہ، پاکستان، سعودی عرب وغیرہ کا دعوتی سفر کیا، اخیر عمر میں دیار نبی مدینہ منورہ کو اپنا دائمی مستقر بنایا اور وہیں اپنی مسند درس سجائی۔آپ کی علمی خدمات کو دیکھتے ہوئے اس وقت کی سعودی حکومت نے انہیں سعوی شہریت دی۔ہزاروں علماء، آپ کے شاگردوں میں ہیں۔آپ کے مشہور تلامذہ میں مولانا عاشق الٰہی وغیرہ ہیں۔24مئی 1983ء/یکم شعبان 1402ھ پیر کے دن میں 85سال کی عمر میں مدینہ منورہ میں وفات پائی ==

== اور اپنے استاذ علامہ خلیل احمد سہارنپوری کی پہلو میں جنت البقیع میں محو استراحت ہیں۔
شیخ الحدیث حضرت زکریا کی 140 رسے زائد تصنیفات ہیں، جس میں سب سے ضخیم اور مشہور موطا امام مالک کی بے نظیر شرح اوجز المسالک الی موطا امام مالک ہے۔ (18 رجلدیں) تعليقات علىٰ بذل المجهود، تعليقات علىٰ اللامع الدراري علىٰ جامع البخاري، تعليقات الكواكب الدري علىٰ جامع الترمذي، حجة الوداع وجزء عمرات النبي، أسباب سعادة المسلمين و شقائهم، الشريعة و الطريقة، المودودي ماله وماعليه. شرح شمائل الترمذي، حكايات الصحابة، اور فضائل اعمال وغیرہ آپ کی اہم تصنیفات ہیں۔)

(۲) مفسر، محدث مولانا عاشق الٰہی بلندی شہری کی پیدائش 1343ء میں بلند شہر کے ایک گاؤں میں ہوئی۔ آپ کے اباو اجداد راجپوت تھے۔ اللہ تعالی نے ہدایت نصیب فرمائی، آپ کے جد امجد مشرف با سلام ہوئے۔ آپ کے والد محمد صدیق کاشتکاری کیا کرتے تھے۔ آپ کے والد محترم کے ماموں حضرت گنگوہی سے بیعت تھے اور اسی مناسبت سے آپ کے گھر کا ماحول بڑا دینی تھا۔ مظاہر علوم میں آپ نے تعلیم حاصل کی اور شیخ الحدیث مولانا زکریا سے بطور خاص استفادہ کیا اور آپ ہی سے بیعت ہوئے۔ اللہ تعالی نے علم حدیث میں آپ کو بلند مقام عطا فرمایا تھا۔ مولانا عاشق الٰہی نے اردو، عربی دونوں زبانوں میں متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ مولانا کی تصنیفات عام فہم زبان اور خوبصورت اسلوب میں ہیں۔ جس کی وجہ سے اس سے استفادہ عام لوگوں کے لیے بھی آسان ہے۔ آپ اپنی عربی تصنیفات میں اپنے نام کے ساتھ البرنی اور اردو تصنیفات میں بلندی شہری لکھا کرتے تھے۔ آپ کی تصنیفات تقریباً ایک سو (100) ہیں، جن میں تفسیر انوار القرآن نوجلدوں میں ہے اس تفسیر کا انگریزی، فرانسیسی، ہندی، بنگالی زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ حدیث میں مجاني الأثمار من شرح معاني الآثار، بهجة الراوي في تخريج أحاديث الطحاوي، إنعام الباري في شرح أشعار البخاري، کے علاوہ التسهيل الضروري في مسائل القدوري، زاد الطالبين، المواهب الشريفة في مناقب الإمام أبي حنيفة، وغیرہ ہیں، جب کہ اردو میں سیرت سرور کونین (تین جلدیں) شرح اربعین، امت مسلمہ کی مائیں، تذکرۃ الرشید وغیرہ آپ کی مشہور تصنیفات ہیں۔ ہندوستان سے پاکستان ہجرت فرمایا، پھر وہاں سے مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور دیار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا مستقر بنایا۔ 13 ر رمضان المبارک 1422ء/ 1999ء کو مدینہ منورہ میں وفات پائی اور جنت البقیع میں محو خواب ہیں۔ (دیکھئے: یادگار صالحین: مفتی عبد الرحمٰن کوثر مدنی)

(۳) مولانا حکیم فخر الحسن کے فرزند مولانا فیض الحسن کا تعلق گنگوہ سے تھا۔ آپ علامہ خلیل احمد سہارنپوری کی شریک حیات کے حقیقی بھتیجے تھے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد کانپور میں اپنے والد سے عربی زبان وادب کی کتابیں پڑھی، رسمی تعلیم سے فراغت کے بعد کتابوں کی تجارت کا پیشہ اپنایا، کتابوں سے تعلق اور مطالعہ کی وجہ سے وہ مختلف علوم وفنون میں اچھی خاصی دستگاہ رکھتے تھے۔ بڑے بلند کردار انسان تھے۔ قرآن کی تلاوت بڑی دل جمعی اور خوش الحانی سے کیا کرتے تھے۔ (دیکھئے: حکایات خلیل، حصہ دوم، ص 178)

شیخ عبداللہ گنگوہی (۱) کے علاوہ امام کشمیری جیسے جبال العلم شامل ہیں۔(۲)

آپ نے تصنیف وتالیف کومشغلہ نہیں بنایا اور نہ اس طرف کچھ خاص توجہ دی۔ البتہ طلبہ اور اہل علم کے مطالبوں پر بعض کتابیں ضرور تصنیف کیں۔ ان کی ہر کتاب ان کی تبحر علمی، مختلف علوم وفنون پر آپ کی دسترس اور آپ کی امامت کا آئینہ دار ہے۔ ان کی اہم اور مشہور کتابوں میں ''المهند علی المفند''، ''مطرقة الكرامة علىٰ مرأة الامامه'' اور ہدایات الرشید الی افهام العنید'' آخر الذکر دونوں کتابیں آپ نے اہل تشیع کے عقائد باطلہ کی تردید میں لکھی ہیں۔ آپ نے ان کی گمراہیوں کو علمی اسلوب میں دلائل سے آشکار کیا۔ اس کے علاوہ آپ کی کتابوں میں ''نشيط الآذان''، ''اتمام النعم علىٰ تبويب الحكم'' بھی اہم ہیں۔ لیکن وہ کتاب جس نے آپ کو پوری دنیا میں عظمت وشہرت اور دوام بخشا، جس کا اعتراف عرب وعجم نے کیا، وہ کتاب جسے ہر صاحب علم نے آنکھوں سے لگایا، وہ ''عظیم تصنیف بذل المجہود فی حل سنن ابی داوٗد'' ہے۔ اس کتاب کی تالیف حضرت شیخ نے ۱۳۳۵ھ میں شروع کی۔ پانچ ضخیم جلدوں میں اس کی تکمیل ۱۳۴۵ھ میں ہوئی۔ گویا یہ کتاب ایک امام وقت اور حافظ حدیث کی دس سالہ محنت اور علم کا نچوڑ ہے۔ اس تصنیف میں آپ کے شاگرد رشید شیخ الحدیث محمد زکریا کاندھلوی آپ کے معاون رہے۔(۳)

مولانا محمد اسحاق امرتسری:

آپ علامہ کشمیری کے استاذ تھے۔ خود امام کشمیری کا بیان ہے کہ انہوں نے آپ سے

---

(۱) مولانا عبداللہ گنگوہی کی ولادت 1298ھ میں ہوئی۔ بڑے نیک، صالح اور اللہ والے تھے۔ حضرت مولانا یحیٰ کاندھلوی جو ان دنوں گنگوہ ہی میں رہا کرتے تھے، ان کی ترغیب پر دینی تعلیم کا آغاز کیا، ابتدائی تعلم مولانا یحیٰ کاندھلوی سے حاصل کی۔ گنگوہ سے فراغت کے بعد خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں 9 روپے تنخواہ پر تقرری ہوئی۔ تدریسی خدمات کے ساتھ کتابوں کی تجارت بھی شروع کی، حضرت تھانوی کے مواعظ بھی آپ نے قلم بند فرمائے۔ حضرت علامہ خلیل احمد سہارنپوری سے بیعت بھی ہوئے اور خلافت بھی حاصل کی۔ اتمام النعمۃ ترجمہ تدریب الحکم آپ ہی کا رسالہ ہے، جو تصوف اور سلوک کی راہ میں آبلہ پائی کرنے والوں کے لیے بڑا مفید ہے۔ (دیکھئے: تذکرہ اکابر گنگوہ جلد دوم ص 494۔ مولانا مفتی خالد سیف اللہ قاسمی)

(۲) مقدمہ بذل المجہود: ۲۰۴/۱

(۳) حوالہ سابق: ۸۱/۱

صحیح مسلم، سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ پڑھی۔ آپ شیخ خیر الدین آلوسی کے شاگرد تھے، آپ کی متعدد کتابیں ہیں، جن سے اہل علم فائدہ اٹھارہے ہیں، **الجواب الفصیح لمالفق عبد المسیح، بلوغ الأرب**، اور "**جلاء العینین في محاکمة بین الأحمدین**"

علامہ انور شاہ کشمیری آپ کی کتاب "**الجواب الفصیح**" کی بہت تعریف کیا کرتے تھے۔ شیخ محمد اسحاق مدینہ منورہ ہجرت کر گئے تھے اور وہیں، ان کی وفات 1322ھ میں ہوئی۔ کوشش کے باوجود آپ کی حیات کے بارے میں مجھے زیادہ معلومات حاصل نہ ہوسکی۔

شیخ غلام رسول ہزاروی:

علامہ کشمیری نے مولانا غلام رسول ہزاروی سے متعدد علوم وفنون کی کتابیں پڑھی تھی۔ آپ ہزارہ کشمیر کے رہنے والے تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں حاصل کی۔ 1303ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوئے اور 1308ھ میں دارالعلوم ہی میں استاذ مقرر ہوئے۔ 30ر سالوں تک مختلف علوم وفنون کا درس دیتے رہے۔ محرم 1337ھ میں دارالعلوم ہی میں آپ کی وفات ہوئی اور وہیں آسودہ خواب ہوئے۔

آپ کو علوم عقلیہ اور نقلیہ دونوں پر مکمل عبور حاصل تھا، آپ کا درس انتہائی مقبول تھا، آپ کے درس کی شہرت سن کر دور دراز سے تشنگان علم دیوبند تشریف لاتے اور آپ کے حلقہ درس میں شامل ہو کر فخر محسوس کیا کرتے تھے۔ مختلف مدارس اور یونیورسیٹیوں سے آپ کو بڑی بڑی تنخواہوں کی پیش کش ہوئی؛ لیکن علم دین اور دارالعلوم کی محبت میں ان پیش کشوں کو ٹھکرادیا۔

مولانا ہزاروی بڑے ظریف انسان تھے۔ ظرافت ان کی رگوں میں خون کی طرح بہتی تھی۔ طلبہ عام طور پر ان سے پر مزاح گفتگو کرتے اور لطف اندوز ہوا کرتے تھے۔ ایک دفعہ ان کے ایک شاگرد نے عرض کیا آپ اب بوڑھے ہو گئے ہیں، پڑھانے کی صلاحیت کھو چکے ہیں، پھر تنخواہ کیوں لیتے ہیں۔ علامہ کشمیری کو دیکھئے، کتنے بڑے علامہ ہیں، ان کا درس کتنا عمدہ اور تحقیقی ہوتا ہے وہ عربی میں درس دیتے ہیں اور ایک آپ ہیں؟ انھوں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا، اگر یہی بات ہے تو میں کہتا ہوں کہ کشمیری کو کچھ نہیں آتا ہے اور عربی میں گفتگو شروع کردی۔ ایک طالب علم نے

عرض کیا علامہ کشمیری فارسی بھی بولتے ہیں، تو فارسی میں گفتگو شروع کردی۔(۱)

یہ تھے علامہ کشمیری کے نابغہ روزگار اساتذہ کرام، جن کی فیض صحبت نے علامہ کشمیری کو علم کا ثریا عطا کیا۔

علامہ کشمیری کے چند نامور شاگرد:

دار العلوم کے مسند درس پر بیٹھ کر امام کشمیری نے اٹھارہ سالوں تک علم حدیث کے جام چھلکائے۔ میکدہ کشمیری سے آسودگی حاصل کرنے والوں کی تعداد دو ہزار سے زائد ہے۔ یہ وہ طلبہ ہیں؛ جنہوں نے براہ راست امام کشمیری سے استفادہ کیا۔ آپ کے بہت سے شاگرد ہیں؛ جنہوں نے اپنے اپنے علاقوں میں علم اور دین کی گمنام خدمت انجام دی۔ بہت سے وہ ہیں، جنہیں شہرت و ریا سے فطری نفور کی وجہ سے دنیا نہ جان سکی۔ تاہم ایک بڑی فہرست فیضان انوری سے مستفید ہونے والوں کی ایسی بھی ہے؛ جنہوں نے آسمان علم پر اپنے روشن نقوش چھوڑے ہیں۔ اقلیم علم وفن اور فکر ونظر کے تاجدار بن کر دنیا کی قیادت کی۔ ان کے رشحات قلم سے کتب خانے آباد ہوئے، عرب وعجم نے ان کی تحقیقات کو سر آنکھوں پر رکھا، انہیں مشعل راہ بنا کر علم کی سنگلاخ وادیوں میں اقبال مندی کا پرچم لہرایا۔ ان کا اعتراف ہے کہ یہ سب امام کشمیری کی توجہات کا صدقہ ہے۔ ''والفضل یرجع إلی صاحب الدار'' آپ کے تمام شاگردوں کے حالات اور کارناموں کے ذکر کا یہ موقع نہیں ہے، اس کے لیے تو سینکڑوں جلدیں درکار ہیں۔ اس لیے آپ کے صرف چند نامور شاگردوں کے مختصر تعارف پر اکتفا کرنا کوتاہ علم مصنف کی مجبوری ہے۔

۱۔ محدث العصر علامہ محمد یوسف بنوری:

کہکشان علم کے نیز تاباں، محقق، ادیب، شاعر اور عظیم محدث، علامہ کشمیری کے علوم و معارف کے امین ومحافظ علامہ سید محمد یوسف بنوری کی پیدائش پشاور کے ایک گاؤں بنور میں 4/ربیع الثانی 1326ھ مطابق 1906ء کو ہوئی۔

ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد اور ماموں سے حاصل کی۔ کچھ دنوں کابل کے ایک مکتب میں عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ 1940ء میں اپنی تشنگی علم کو بجھانے کے لیے دار العلوم دیوبند تشریف لائے۔ 1947ء میں جب علامہ کشمیری انتظامیہ سے اختلاف کی وجہ سے دار العلوم سے

---

(۱) تاریخ دار العلوم دیوبند، از محبوب عالم 2/62، نقش دوام، انظر شاہ 33

علاحدہ ہوکر جامعہ اسلامیہ ڈابھیل تشریف لے گئے، تو آپ بھی ان کے ہمراہ فیضان انوری سے اپنا کشکول علم بھرنے ڈابھیل آگئے، فراغت کے بعد یہیں استاذ ہوئے، بعد کو صدر مدرس اور شیخ الحدیث کے باوقار عہدے پر فائز ہوئے۔

قیام پاکستان کے بعد آپ پاکستان تشریف لے گئے، دارالعلوم ٹنڈو الہ یار میں شیخ التفسیر کے عہدے پر فائز ہوئے۔3 رسال کے بعد کراچی تشریف لائے اور یہاں جامعہ علوم اسلامیہ کی بنیاد رکھی۔ یہ ادارہ جس علاقہ میں واقع ہے، حکومت پاکستان نے اس پورے خطے کا نام آپ کی نسبت سے علامہ بنور ٹاؤن رکھ دیا، اب یہ شہر اسی نام سے مشہور ہے۔

علامہ بنوری حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی سے بیعت ہوئے اور انہیں سے آپ کو خلافت بھی حاصل ہے۔

آپ کا قلم نہایت پاکیزہ اور شگفتہ تھا، آپ کی تصنیفات ادب عربی کا مرقع ہیں، جن پر خود عرب علما محو حیرت رہا کرتے تھے۔ آپ متعدد بیش قیمت تحقیقی وادبی کتابوں کے مصنف ہیں۔ آپ کی شہرہ آفاق تصنیف ''معارف السنن'' اہل علم کے لیے علمی خزانہ سے کم نہیں، یہ کتاب ترمذی شریف کی چھ جلدوں پر مشتمل بے مثال شرح ہے۔ کاش علامہ کی زندگی نے وفا کی ہوتی اور یہ کتاب مکمل ہو پاتی۔ ''نفحة العنبر في حياة إمام العصر الشيخ محمد أنور'' یہ کتاب علامہ بنوری کا قلمی معجزہ ہے۔ اس کتاب میں آپ نے اپنے محبوب ومربی استاذ علامہ کشمیری کے علمی کمالات و حالات، امتیازات وخصوصیات، علامہ کے اشعار، علماء واکابر کی علامہ کے بارے میں رائے کو ادب کا حسین مرقع بنا کر پیش کیا۔ اس کتاب میں آپ کے قلم کی جولانی اپنے ثریا پر ہے۔ یہ کتاب عربی ادب کا اعلیٰ ترین نمونہ ہے۔ اس ادبی شاہکار کو دیکھ کر ایک عرب عالم نے برجستہ کہا تھا ''قرأت كتابك وسجدت لبيانك'' آپ کی کتاب پڑھی اور آپ کا البیلے اسلوب بیان کے سامنے سرنگوں ہو گیا۔ ان کتابوں کے علاوہ، يتيمة البيان في شئ من القرآن، بغية الأريب في مسائل القبلة والمحاريب، عوارف المنن، الأستاذ المودودي وشئ من حياته و أفكاره، القصائد البنورية، المقدمات البنورية. وغیرہ آپ کی علمی یادگار ہیں۔

علامہ بنوری دین کے معاملہ میں بہت سخت اور متصلب مزاج تھے۔ شریعت کے معاملہ میں

وہ کسی کی پرواہ نہیں کرتے تھے، قادیانیت کے خلاف تو وہ شمشیر برہنہ تھے۔ آپ کی کوششوں سے ہی پاکستان میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا۔ آپ پوری دنیا کے متعدد علمی فکری ودینی اداروں کے رکن۔ وسرپرست اور ذمہ دار تھے۔

17/اکتوبر 1977ء مطابق 3/ذی قعدہ 1397ھ علم وعمل کا یہ آفتاب اتوار کے دن غروب ہوگیا۔(۱)

۲۔شیخ الحدیث مولانا فخر الدین احمد مرادآبادی:

دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث مولانا فخر الدین احمد مرادآبادی کی ولادت راجستھان کے مشہور شہر اجمیر میں 1307ھ/ 1889ء کو ہوئی۔ ان دنوں اجمیر ہی میں ان کے دادا جان محکمہ پولس میں تھے۔ نحو وصرف اور ابتدائی تعلیم اپنے خاندان ہی کے بافیض عالم شیخ خالد احمد سے حاصل کی، پھر منبع العلوم میں زیر تعلیم رہے۔ اعلیٰ تعلیم اور حدیث پڑھنے کی غرض سے دارالعلوم دیوبند تشریف لے آئے، حضرت شیخ الہند، علامہ انور شاہ کشمیری سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ 1328ھ میں دارالعلوم سے سند فراغت حاصل کی اور دارالعلوم ہی میں استاذ مقرر ہوئے۔ کچھ دنوں کے بعد مدرسہ شاہی تشریف لے گئے، جہاں تقریباً نصف صدی تک مختلف علوم وفنون کا درس دیا، مولانا حسین احمد مدنی کی وفات کے بعد شیخ الحدیث بن کر دارالعلوم دیوبند تشریف لائے۔ جب تک صحت نے ساتھ دیا دارالعلوم کی مسند درس پر بیٹھ کر علم حدیث کا جام چھلکایا۔ ان کے درسی تقریروں کا مجموعہ "ایضاح البخاری" ہے۔ 21-20/سفر 1392ھ/ 6-5/اپریل 1972 کی درمیانی رات میں راہی ملک بقا ہوئے۔ مرادآباد میں آپ کی آخری آرام گاہ ہے۔(۲)

۳۔فقیہ النفس مفتی عتیق الرحمٰن صاحب:

مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی کی پیدائش 1319ھ میں علم وفن کے شہر دیوبند میں ہوئی۔ ابتدا سے انتہا تک دارالعلوم کی تعلیم پائی۔ 1341ھ میں دارالعلوم سے رسمی تعلیم سے فراغت پائی، مختلف مدرسوں میں تدریسی خدمت انجام دی، دارالعلوم میں استاذ ہوئے۔ علامہ انورشاہ کشمیری جب دارالعلوم سے

---

(۱) دیکھئے: البینات خصوصی شمارہ علامہ یوسف بنوری نمبر

(۲) تفصیل کے لیے دیکھئے: تاریخ دارالعلوم دیوبند: 2/215-212

علاحدہ ہوکر ڈابھیل تشریف لے گئے، تو مفتی صاحب بھی دارالعلوم سے مستعفی ہوکر علامہ کے ہم رکاب ہوگئے۔ وہاں پانچ سالوں تک درس افتا کی خدمت انجام دی۔ کچھ دنوں کولکاتہ میں رہے۔ 1357/1938ء میں دہلی میں ندوۃ المصنفین کی بنیاد رکھی۔ ندوۃ المصنفین میں تصنیف وتالیف اور اسلامی علوم وفنون کی اشاعت کا بڑا کارنامہ انجام دیا۔ دوسو سے زائد کتابیں مفتی صاحب کے دور ہی میں ندوۃ المصنفین نے شائع کیں۔ مفتی صاحب علی گڑھ مسلم یونیورسیٹی کے سرپرستوں میں رہے، جمعیۃ العلماء ہند کے رکن عاملہ اور مجلس مشاورت کے صدر بھی رہے۔ مفتی صاحب بڑے عالم دین، بابصیرت مبصر اور بے باک رہنما تھے۔ تقریر وتحریر پر یکساں قدرت رکھتے تھے۔ 1984ء میں وفات پائی۔(۱)

۴۔ مفتی محمد شفیع صاحب عثمانی (مفتی اعظم پاکستان):

بلند پایہ فقیہ، محدث دارالعلوم کے قابل فخر فاضل حضرت مفتی محمد شفیع عثمانی بن مولانا محمد یٰسین دیوبندی 20 اور 21/شعبان 1314ھ مطابق 1896ء کے درمیانی شب میں دیوبند میں پیدا ہوئے۔ ابتداء سے مکمل تعلیم دارالعلوم دیوبند میں حاصل کی۔ علامہ انورشاہ کشمیری، علامہ شبیر احمد عثمانی، مفتی عزیزالرحمٰن وغیرہ سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ 1336ھ مطابق 1918ء میں سند فراغت حاصل کی۔ 1337ھ مطابق 1919ء میں دارالعلوم دیوبند کے مدرس ہوئے۔ 1350ھ مطابق 1931ء میں دارالعلوم میں مفتی کے عہدے پر فائز ہوئے۔

آپ نے دارالعلوم دیوبند میں 26/سال تدریس اور فتویٰ نویسی کی خدمت انجام دی۔ مفتی صاحب تحریک پاکستان کے صف اول کے قائدین میں تھے، نظریاتی طور پر مسلم لیگ کے حامی تھے۔ 16/ربیع الاول 1366ھ کو آپ نے علامہ شبیر احمد عثمانی کے ساتھ دارالعلوم دیوبند سے استعفی دے دیا، کیوں کہ آپ بھی علامہ عثمانی ہی کی طرح متحدہ قومی نظریہ کے خلاف پاکستان کے قیام کے کوشاں تھے۔ 1940ء کے انتخاب میں آپ نے کانگریس کے خلاف مسلم لیگ کے حق میں فتویٰ دیا۔

قیام پاکستان کے بعد آپ نے علامہ شبیر احمد عثمانی کی دعوت پر 20/جمادی الثانی

---

(۱) تفصیل کے لیے دیکھئے: تاریخ دارالعلوم، از محبوب رضوی: 2/147-146

1367ھ مطابق یکم مئی 1948ء کو اپنی اہلیہ اور چھوٹے بچوں کے ساتھ پاکستان ہجرت فرمایا اور کراچی میں قیام کیا۔ 1370ھ مطابق 1951ء میں دار العلوم، کراچی کی بنیاد رکھی، جواب پاکستان کا سب سے بڑا ادارہ ہے۔ شیخ الہند سے بیعت ہوئے، شیخ الہند کی وفات کے بعد حضرت تھانوی سے رجوع کیا اور انہوں نے خلافت واجازت سے سرفراز فرمایا۔ تفسیر، حدیث، فقہ، علم کلام اور سیاسیات اسلامیہ میں آپ نے تقریباً دوسو کتابیں تصنیف فرمائیں، جن میں ''معارف القرآن'' آپ کا زندہ جاوید کارنامہ ہے۔ جواہر الفقہ، ہدایۃ المہدیین، افادات اشرفیہ در مسائل سیاسیۃ، کانگریس اور مسلم لیگ کے متعلق شرعی فیصلے، دل کی دنیا، سیرت خاتم الانبیاء، احکام وتاریخ قربانی اور اس کی حقیقت، علامات قیامت اور نزول مسیح، دین وشریعت کی بنیاد اور فقہی اصول وضابطے، ختم نبوت، مجالس حکیم الامت وغیرہ آپ کی بیش قیمت تصنیفات ہیں۔

11/شوال 1396ھ/ 16/اکتوبر 1976ء کی شب میں آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا اور کراچی ہی میں آسودہ خواب ہوئے۔(۱)

۵۔ شاہ قلم مولانا سید مناظر احسن گیلانی:

دار العلوم دیوبند کے مایہ ناز فرزند، البیلے انداز تحریر کے مالک، سلطان القلم، علامہ سید مناظر احسن گیلانی کی ولادت استھاواں، ضلع نالندہ کے ایک گاؤں گیلانی میں یکم اکتوبر 1892ء/ 9/ربیع الاول 1310ھ کو ہوئی۔ ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں گیلانی میں مکمل کی۔ 1324ھ/ 1906ء سے 1331ھ/ 1913ء تک مدرسہ خلیلیہ ٹونک راجستھان میں منطق، فلسفہ، فقہ، فلکیات، ریاضی وغیرہ کی تعلیم حاصل کی۔ 1331ھ میں دار العلوم تشریف لائے اور شیخ الہند، علامہ کشمیری، علامہ شبیر احمد عثمانی وغیرہ سے حدیث اور مختلف علوم وفنون کی کتابیں پڑھیں۔ 1334ھ میں دار العلوم دیوبند کے استاذ ہوئے، اور دار العلوم دیوبند سے نکلنے والے دو ماہنامہ رسالے ''القاسم'' اور ''الرشید'' کے ایڈیٹر بنائے گئے۔ 1338ھ میں عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد کے شعبہ دینیات سے وابستہ ہوئے۔ اسی شعبہ کے صدارت کے عہدہ پر فائز ہوئے۔ 1949ء کو وظیفہ یاب ہوئے۔ مولانا گیلانی کا علمی

(۱) پڑھیے: میرے والد میرے شیخ؛ مفتی تقی عثانی، البلاغ مفتی اعظم نمبر

میدان متنوع ہے۔وہ قرآن وحدیث ،فقہ، اصول فقہ،علم کلام،تذکیہ وتصوف جیسے مختلف میدانوں کے شہسوار تھے۔آپ اپنے طرز کے البیلے اور انوکھے ادیب تھے،ان کا قلم نئی نئی اصطلاحات وضع کرتا۔ادبی شہ پارے بکھیرتا،کبھی ان کا قلم خطابت کی گرمی دکھاتا،تو کبھی تصوف کی مستی ووارفتگی میں مچلتا تھا۔انہوں نے اردوادب کے دامن کو مالا مال کیا،مولانا دریابادی کے بقول وہ خاص طرز انشاء کے مالک وموجد تھے۔25رشوال 1375ھ/5رجون 1956ءکو دنیا قلم کی بارش سے محروم ہوئی۔یعنی حضرت گیلانی داغ مفارقت دے گئے۔گیلان میں محوخواب ہیں۔تصنیف وتالیف کے میدان میں ان کا شمار بڑے مصنفین میں کیا جاتا ہے۔،انہوں نے تنہاوہ کام کیا ہے جو بڑی بڑی اکیڈمیاں نہیں کرپاتی ہیں۔آپ کی سب سے البیلی،انوکھی اور بےنظیر تصنیف ’’النبی الخاتم‘‘ اور’’سیرت ابوذرغفاری‘‘ ہے۔کتاب کیا ہے،جگرپارے ہیں،لفظ لفظ عشق ومحبت کی وارفتگی وجانثاری کا درس ہے،حب نبی کا دریا ہے، جو قاری کو اپنے ساتھ بہالے جاتا ہے۔یہی کیفیت ابوذرغفاری کی ہے۔یہ کتاب نہیں،قتیل محبت ہے،اس کے علاوہ سوانح قاسمی (تین جلدیں) ہزارسال پہلے،احاطہ دارالعلوم میں بیتے ہوئے دن، اسلامی معاشیات،ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت (دوضخیم جلدیں) امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی،تدوین حدیث،تدوین قرآن،الدین القیم،تدوین فقہ،تذکرہ شاہ ولی اللہ،مقالات احسانی،دربارنبوت کی حاضری۔اس کے علاوہ ہزاروں مقالات ومضامین جوابھی بھی کتابی شکل میں طباعت کی منتظر ہیں۔(۱)

۶۔ابوالمآثر مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی:

بیسویں صدی کے عظیم محدث علامہ انورشاہ کشمیری کے نامورشاگرد،دسیوں علمی تحقیقی کتابوں کے مصنف،فقیہ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی کی ولادت مئوناتھ بھنجن میں 1319ھ کو ہوئی۔ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔متوسطات کی تعلیم گورکھپور اور بنارس میں شیخ عبدالغفار اور دیگر اساتذہ سے حاصل کی۔1337ھ/1918ء میں دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے اور علامہ کشمیری اور دیگر اساتذہ دارالعلوم سے کسب فیض کیا۔رسمی تعلیم سے فراغت کے بعد مدرسہ مظہرالعلوم بنارس سے اپنی تدریسی زندگی کا آغاز فرمایا۔ایک سال دارالعلوم ندوۃ العلماء میں

(۱) دیکھئے:وفیات ماجدص 77،ازعبدالماجد دریاباد،حیات گیلانی،ازمفتی ظفیرالدین مفتاحی

بخاری شریف کا درس دیا، لیکن اپنے وطن مئوناتھ بھنجن واپس آگئے اور دارالعلوم مئو کے صدر مدرس کے عہدہ پر فائز ہوئے۔ یہاں انہوں نے حدیث اور دیگر فنون کی کتابوں کا درس دیا، کچھ دنوں کے بعد مفتاح العلوم مئو کے شیخ الحدیث اور صدر مدرس کے عہدہ پر فائز ہوئے۔ 1369ھ تک مفتاح العلوم مئو کے شیخ الحدیث کے طور پر علم حدیث کی خدمت انجام دی۔ پھر اپنے کو تحقیق وتالیف کے لیے مکمل طور پر یکسو فرما لیا۔ آپ نے متعدد کتابوں کو اپنے بیش قیمت تحقیق وتعلیق کے ساتھ شائع فرمایا۔ محدث اعظمی کی کتابوں کو علمی حلقوں میں بے پناہ قبول حاصل ہوا۔ انہوں نے اپنی پوری زندگی علم حدیث اور علوم اسلامی کی خدمت کے لیے وقف فرما دی تھی۔ 10 رمضان المبارک 1412ھ/1992ء میں داعی اجل کو لبیک کہا اور آپ ہی کے قائم کردہ مرقاۃ العلوم مئو کی صحن میں آپ کی ابدی آرام گاہ ہے۔

آپ نے سرگرم سیاست میں بھی حصہ لیا۔ 1373ھ میں اتر پردیش کے رکن اسمبلی منتخب ہوئے۔

آپ نے جن کتابوں کو اپنی نادر تحقیق وتعلیق سے مزین کیا، ان میں احمد شاکر کی شرح مسند احمد بن حنبل، سنن سعید ابن منصور، مسند حمیدی، حضرت عبد اللہ بن مبارک کی کتاب ''کتاب الزہد، ابن حجر عسقلانی کی مختصر کتاب الترغیب والترہیب، اور مصنف عبدالرزاق جیسی حدیث کی اہم کتابیں ہیں۔ آپ کی تصنیفات میں "نصرة الحديث" الأعلام المرفوعة، الأزهار المربوعة، إرشاد الثقلين، الشارع الحقيقي، فوائد منطقاة من كتاب الألباني شذوزه وأخطائه، اور أحكام الله لأولياء الله وغیرہ میں اپنے موضوع پر بڑی قیمتی اور تحقیقی کتابیں ہیں۔(۱)

۷۔ محدث کبیر مولانا بدر عالم میرٹھی:

قدرت کی نیرنگی دیکھئے: جس کا پورا خاندان ہی عصری تعلیم کا دلدادہ تھا، جس گھر میں علم دین کا چرچا بھی نہ تھا، اسی گھر سے علامہ بدر عالم میرٹھی جیسے یکتائے زمانہ محدث کو پیدا ہوئے، آپ کے والد محترم محکمہ پولیس میں تھے اور بدایوں میں پوسٹیڈ تھے۔ وہیں 1316ھ/1898ء میں پیدا

(۱) دیکھئے: مشاہیر علماء دیوبند، از قاری فیوض الرحمٰن، تاریخ دار العلوم، از محبوب رضوی، اکابر علماء دیوبند: اکبر شاہ بخاری

ہوئے۔تعلیمی زندگی کا آغاز الہ آباد اسکول سے ہوا۔اسی زمانہ میں حضرت تھانوی کی مجلس میں شرف یابی کا موقع ملا۔ان کے دل میں علم دین کے حصول کی رغبت نے جگہ بنالی، والد سے مشورہ کیا اور مظاہر علوم سہارنپور تشریف لے آئے۔علامہ خلیل احمد سہارنپوری، علامہ ظفر احمد عثمانی جیسے عبقری شخصیتوں سے حدیث اور دیگر علوم وفنون کی تکمیل کی۔1336ھ میں مظاہر علوم سے فراغت حاصل کی، اور وہیں معین مدرس کی حیثیت سے درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا،لیکن طبیعت اچاٹ ہوئی اور دارالعلوم کی شہرت انہیں دیوبند کھینچ لائی۔علامہ انورشاہ کشمیری، مفتی عزیز الرحمٰن، علامہ شبیر احمد عثمانی، جیسے ائمہ فن سے حدیث پڑھنے لگے۔آپ ہی نے علامہ کشمیری کی بخاری شریف کی درسی تقریروں کو جمع کیا۔علامہ کشمیری کی معرکۃ الآراء شرح بخاری ''فیض الباری'' کے مرتب وجامع آپ ہی ہیں۔آپ نے عربی اور اردو میں متعدد کتابیں لکھی ہیں، جس میں ترجمان السنة، اور''البدر الساري إلىٰ فيض الباري '' ،جو ''فيض الباري''پرآپ کا قیمتی حاشیہ ہے۔علامہ ابن الہمام کی کتاب'' زادالفقير'' پرآپ کا حاشیہ ''مستزاد الحقير ''اور''جواهر الحكم '' وغیرہ آپ کی تصنیفات ہیں۔اخیر عمر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں دل کا قرار چھین لیا اور آپ مدینہ منورہ ہجرت کر گئے۔رجب 1385ھ/1965ء میں مدینہ منورہ میں آپ کی وفات ہوئی۔مسجد نبوی میں نماز جنازہ پڑھی گئی اور جنت البقیع میں صحابہ کے ساتھ مدفون ہیں۔(۱)

۸۔حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلوی:

داعی الی اللہ حضرت مولانا ادریس کاندھلوی کی ولادت مظفرنگر کی مشہور بستی کاندھلہ میں ہوئی۔ابھی عمر کی دس منزلیں بھی طے نہیں کی: کہ آپ نے قرآن کریم کے حفظ کا شرف حاصل کرلیا۔ابتدائی تعلیم حکیم الامت حضرت تھانوی کے مدرسہ تھانہ بھون میں حاصل کی، تھانہ بھون سے فراغت کے بعد مظاہر علوم سہارنپور تشریف لے گئے۔1336ھ مطابق 1917ء میں مظاہر علوم سہارنپور سے علم حدیث میں اختصاص کے بعد فراغت حاصل کی،لیکن علم کی تشنگی ابھی باقی تھی، دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے اور علامہ کشمیری کے درس میں شامل ہوئے۔1337ھ مطابق 1918ء میں دارالعلوم دیوبند سے سند فراغت حاصل کی۔

---

(۱) دیکھئے: اکابر علماء دیوبند، از اکبر شاہ بخاری، ص183، علماء مظاهر العلوم وخدماتهم العلمية والتصنيفية:3/2

1338ھ مطابق 1919ء میں مدرسہ امینیہ میں چند سال تدریسی خدمات انجام دیے، پھر دارالعلوم دیوبند میں مدرس بن کر تشریف لے آئے۔ 1338ھ مطابق 1919 سے 1339ھ مطابق 1927ء تک تدریسی کاموں میں مشغول رہے، پھر حیدرآباد تشریف لے گئے، 12/سالوں تک وہاں جویان علم حدیث وتفسیر کے مرادوں کا سامان کرتے رہے۔ دوبارہ آپ 1358ھ مطابق 1939ء میں دارالعلوم دیوبند تشریف لے آئے، یہاں حدیث وتفسیر کا درس دیا، تقسیم وطن کے بعد پاکستان کے شہر بہاول پور ہجرت کر گئے اور جامعہ عباسیہ کے شیخ اور ذمہ دار اعلیٰ طور پر آپ نے دو سال یہاں خدمت کی، بعد کو جامعہ اشرفیہ لاہور کے شیخ اور ذمہ دار بنائے گئے، جہاں آپ نے 23/سالوں تک علم کے جام چھلکائے۔

8/رجب المرجب 1394ھ مطابق 1974ء میں لاہور میں آپ کی وفات ہوئی اور وہیں مدفون ہوئے۔

حضرت کاندھلوی برصغیر کے صف اول کے علماء میں تھے، حدیث وتفسیر آپ کا خاص موضوع تھا۔ آپ متعدد وقیع علمی کتابوں کے مصنف ہیں۔ عربی اردو ہر دو زبانوں میں آپ کے اشہب قلم نے تیز گامی سے سفر کیا۔ تفسیر معارف القرآن، التعلیق الصبیح علی مشکاۃ المصابیح، سیرت مصطفیٰ، الفتح السماوی بتوضیح تفسیر البیضاوی، عقائد اسلام، علم الکلام، خلافت راشدہ، حجیت حدیث، تحفۃ القاری بحل مشکلات البخاری وغیرہ آپ کے علمی شاہکار ہیں۔ (۱)

۹۔ مولانا حفظ الرحمٰن، ناظم جمعیت علماء ہند:

مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی بجنور کے قصبہ سیوہار میں 30/جولائی 1901ء/1318ھ میں ایک زمیندار گھرانے میں پیدا ہوئے۔ سیوہار کے مدرسہ فیض عام اور شاہی مراد آباد میں تعلیم حاصل کی۔ 1341ھ میں وہاں سے رخت سفر باندھا اور دارالعلوم دیوبند میں ڈیرا ڈالا، حضرت شاہ صاحب اور دیگر اساتذہ سے دورحدیث کی تکمیل کی۔ علم کی تشنگی باقی رہی تو دوبارہ دورحدیث پڑھا۔ دارالعلوم دیوبند میں معین مدرس پھر مدرس ہوئے۔ یہاں سے چنئی پہونچے، تو غیر

---

(۱) دیکھئے: تذکرہ مولانا ادریس کاندھلوی، از محمد میاں صدیقی

مقلدین کے سامنے سینہ سپر ہو گئے، ''حفظ الرحمٰن لمذہب النعمان'' کی اصطلاح اسی زمانہ کی یادگار ہے۔ طلاقت لسانی ان کا خاص امتیاز ہے، جہاں پہونچتے میر مجلس ہوتے، جس کارواں میں شریک ہوئے امیر کارواں بن گئے۔ دار العلوم میں جب اصلاحی تحریک کا آغاز ہوا، تو دیوبند تشریف لے آئے۔ اس تحریک کو اپنے گرمیٔ عمل اور شرر گفتار سے شعلہ بنادیا۔ چند سال ڈابھیل میں مدرس رہے، کہ گاندھی جی نے ڈانڈی مارچ شروع کیا۔ آپ اس تحریک میں کود پڑے اور جیل پہنچ گئے، عجیب خدامست آدمی تھے، نہ گھر کی فکر، نہ اہل وعیال کا ملال، نہ آج کا غم نہ اندیشہ فردا، ملت پر نثار، اس قدر کہ بقول حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری:

''مولانا حفظ الرحمٰن میری عمر بھر کی عبادت لے لیں اور اس کی عوض 1947ء کے بعد انہوں نے ملت کی جو خدمت کی ہے، وہ مجھے دے دیں، تو سودے میں نفع پورے طور پر مجھ کو ہی ملے گا''۔

جرأت وبیباکی اور حق گوئی میں بے نظیر، آزاد ہندوستان کی پارلیامنٹ میں مسلمانوں کی سب سے مضبوط آواز، گفتگو مدلل، سیاست میں ایسی فراست کہ بڑے بڑے وکلاء بھی انگشت بدنداں رہ جاتے تھے۔ 12 / اگست 1962ء کو داعیٔ حق کو لبیک کہا۔ دہلی میں حضرت شاہ ولی اللہ کے مزار کے قریب محو خواب ہیں۔ لوح مزار پر کسی نے یہ شعر کندہ کیا ہے، جو واقعی آپ کی زندگی کا ترجمان ہے۔

آگ تھے ابتدائے عشق میں ہم میر ☆ اب جو ہیں خاک انتہاء یہ ہے۔ (۱)

۱۰۔ حکیم الاسلام قاری محمد طیب قاسمی:

علوم قاسمی کے امین، اسرار شریعت کے شارح خانوادہ قاسمی کے گل سرسبد، آسمان علم کے نیر تاباں حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب قاسمی کی ولادت باسعادت محرم 1315ھ مطابق مئی 1894ء کو دیوبند میں یکشنبہ کو ہوئی۔ آپ کا تاریخی نام ''ظفر الدین'' تجویز ہوا، سات سال کی عمر میں دار العلوم میں داخل ہوئے، دو سال میں حفظ اور قراءت وتجوید مکمل کی۔

1337ھ مطابق 1918ء میں دار العلوم دیوبند سے رسمی تعلیم کی تکمیل کی۔ دار العلوم میں شیخ الہند، علامہ انور شاہ کشمیری، علامہ شبیر احمد عثمانی، مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی، حضرت تھانوی، علامہ

(۱) دیکھئے: مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن ایک سیاسی مطالعہ، علماء حق کے مجاہدانہ کارنامے: 2/598

خلیل احمد سہارنپوری جیسے عبقری شخصیتوں اور ائمہ فن سے کسب فیض کیا۔ 1339ھ مطابق 1921ء میں شیخ الہند سے بیعت ہوکر تصوف میں کمال پیدا کیا۔ شیخ الہند کی وفات کے بعد علامہ کشمیری سے رجوع کیا۔

1350ھ مطابق 1931ء، حضرت تھانوی کی خلافت سے سرفراز ہوئے۔ 1337ھ مطابق 1919ء سے 1343ھ مطابق 1934ء تک مختلف علوم وفنون کی کتابیں پڑھائیں۔ 1343ھ مطابق 1924ء میں دارالعلوم کے نائب مہتمم کے منصب پر فائز ہوئے۔ 1348ھ مطابق 1929ء میں حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی کی وفات کے بعد آپ نے مسند اہتمام کو زینت دی۔ آپ پانچ دہائیوں تک دارالعلوم دیوبند کے مہتمم رہے، آپ کا دور اہتمام دارالعلوم کا زرین دور ہے۔ اسی زمانہ میں دارالعلوم دیوبند کی شہرت پوری دنیا میں پہونچی، ایشیاء کے حدود سے نکل کر دارالعلوم کی شہرت نے افریقہ اور یورپ میں قدم رکھا۔ آپ نے اپنے حسن انتظام سے دارالعلوم کو عروج بخشا، آپ کی ذات ہی پوری دنیا میں دارالعلوم کے تعارف کا ذریعہ بنی۔ اللہ تعالیٰ نے فصاحت اور طلاقت لسانی کا بیش بہا خزان عطا فرمایا تھا، خیالات ومعانی دونوں آپ کے حضور دستہ بستہ کھڑے رہتے تھے، اہم فقہی اور خشک تر کلامی مسائل پر آپ دو دو تین تین گھنٹے بلا تکلف خطاب فرمایا کرتے تھے۔ سامعین سراپا گوش برآواز ہوتے، اسرار شریعت کے بیان اور احکام شریعت کی حکمتوں کو دلوں میں اتارنے میں آپ کو مہارت حاصل تھی۔ آپ ہی کے دور میں دارالعلوم دیوبند کا تاریخی، بے نظیر جشن صد سالہ جمادی الآخر 1400ھ مطابق مارچ 1980ء میں منعقد ہوا، جس میں پوری دنیا سے کم وبیش 30/لاکھ مسلمانوں نے شرکت کی۔ آپ تقریباً سو کتابوں کے مصنف ہیں۔ سائنس اور اسلام، دین وسیاست، اسلامی آزادی کا مکمل پروگرام، الاجتهاد و التقليد، التشبه في الإسلام، حدیث کا قرآنی معیار، تعلیمات اسلام اور مسیحی اقوام، علم غیب، کلمہ طیبہ کی حقیقت، مسئلہ تقدیر، حجیت حدیث وغیرہ، اپنے موضوع پر نہایت جامع اور تحقیقی کتابیں ہیں۔ 1972ء میں جب مسلم پرسنل لاء بورڈ قائم ہوا، تو بالاتفاق اس کے صدر منتخب ہوئے، آپ تاحیات اس منصب پر فائز رہے۔ 6/شوال 1403ھ مطابق 17/جولائی 1983ء میں آپ رفیق اعلیٰ سے جاملے اور مقبرہ قاسمی میں آسودہ خواب ہوئے۔(۱)

(۱) دیکھیے: العالم الهندي الفريد المقرئ محمد طيب القاسمي؛ نور عالم خلیل امینی، تاریخ دارالعلوم دیوبند؛ محبوب رضوی: 2:178-175

۱۱۔رئیس القلم مولانا منظور احمد نعمانی:

بلاء کے ذہین و فطین، مبلغ، مناظر الفرقان کے چیف ایڈیٹر مولانا منظور نعمانی 18/شوال 1323ھ/ 15/دسمبر 1905ء کو سنبھل یوپی میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد صوفی محمد حسین زمیندار اور دولت مند تاجر تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے آبائی گاؤں کے مدرسہ سراج العلوم میں حاصل کی۔ متوسطات کی تعلیم دارالعلوم مؤ میں حاصل کی، وہاں سے دارالعلوم دیوبند تشریف لائے۔ علامہ کشمیری، مفتی عزیز الرحمٰن وغیرہ سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ 1927ء میں دارالعلوم سے فراغت حاصل کی۔ فراغت کے چند سالوں بعد مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی اصرار پر ندوہ تشریف لے آئے۔ چار سالوں تک ندوہ میں علم حدیث کا درس دیا۔ 1353ھ/ 1934ء میں بریلی سے ''الفرقان'' جاری کیا، بعد کو یہ علمی رسالہ لکھنؤ منتقل ہو گیا اور آج بھی لکھنؤ سے شائع ہو رہا ہے۔ جماعت اسلامی کے بانی مولانا ابوالاعلیٰ مودودی سے گہرے روابط تھے۔ 1941 میں جماعت اسلامی کی جب بنیاد رکھی گئی، تو مولانا مودودی اس کے امیر اور آپ نائب امیر منتخب ہوئے، لیکن 1942 میں مولانا مودودی سے فکری اختلاف کی بنیاد پر جماعت اسلامی سے اپنا رشتہ توڑ لیا اور تبلیغی جماعت سے وابستہ ہو گئے۔ آپ تا عمر دارالعلوم دیوبند کے رکن شوریٰ اور رابطہ ادب اسلامی کے رکن رہے۔ 5/مئی 1992ء میں وفات پائی۔ معارف الحدیث، اسلام کیا ہے، دین و شریعت، قرآن آپ سے کیا کہتا ہے، آپ حج کیسے کریں، ملفوظات حضرت الیاس، خاکسار تحریک، قادیانی کیوں مسلمان نہیں، وغیرہ آپ کی قلمی یادگار ہیں۔ (۱)

قاضی سجاد حسین، مولانا سعید اکبر آبادی (۲)، مولانا میرک شاہ کشمیری (صاحب دیوان

---

(۱) دیکھئے: تاریخ دارالعلوم: جلد 2 / از محبوب علی رضوی فتوحات نعمانیہ

(۲) ادیب، صحافی زودنویس مصنف، مولانا سعید اکبر آبادی آگرہ میں 1908ء میں پیدا ہوئے۔ وطنی تعلق گو کہ بچھرواں مراد آباد سے تھا، لیکن اپنے نام سے کے ساتھ ہمیشہ اکبر آبادی لکھا کرتے تھے۔ شاہی مراد آباد میں تعلیم حاصل کی، پھر دارالعلوم تشریف لائے۔ علامہ انور شاہ سے حدیث پڑھی، سینٹ اسٹیفن کالج دہلی اور اورینٹل کالج لاہور سے عصری علوم حاصل کیا۔ دارالعلوم میں ہنگامہ کے بعد؛ جس قافلہ علم نے دیوبند سے اٹھ کر ڈابھیل گجرات میں پڑاؤ کیا تھا، اس میں آپ بھی شریک تھے۔ وہاں چند سالوں تک تدریسی فریضہ انجام دیا، اضافہ تنخواہ کے معاملہ میں مہتمم صاحب سے اختلاف ہوا۔ اور مولانا نے مدرسہ کے نظام سے خود کو الگ کرنے کا فیصلہ کیا۔ انگریزی پڑھنے کی ٹھان لی، وداعی ملاقات کے لیے ==

شاعر) قاضی زین العابدین میرٹھی، مولانا محمد انوری (۱)، مولانا محمد میاں صاحب دیوبندی (۲) وغیرہ

== حضرت شاہ صاحب کے پاس تشریف لے گئے، شاہ صاحب نے فرمایا" جائیے مولوی صاحب! خدا آپ کو ایم اے کرے اور مناصب جلیلہ پر سرفراز فرمائے"۔ یہ بھی لطیفہ ہے کہ ان کی تعلیم ایم اے سے آگے نہ بڑھ سکی۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی یونیورسٹی آف کالی کٹ، میکیل یونیورسٹی، وغیرہ میں تدریسی خدمات انجام دیے، آپ علی گڑھ یونیورسٹی کے شعبہ دینیات کے ڈین کی حیثیت سے سبکدوش ہوئے۔ آپ صاحب طرز ادیب اور متعدد کتابوں کے مصنف تھے، فہم قرآن، غلامان اسلام، صدیق اکبر، مسلمانوں کا عروج وزوال، الرقیٰ في الإسلام، ہندوستان کی شرعی حیثیت، مولانا عبیداللہ سندھی اور ان کے ناقد، عثمان ذوالنورین، وحی الٰہی وغیرہ ان کی اہم تصنیفات ہیں۔ 24 رمئی 1985ء کو کراچی میں انتقال ہوا۔ (دیکھیے: مولانا سعید اکبرآبادی حیات وخدمات، از ڈاکٹر قیصر حبیب ہاشمی، میری محسن کتابیں: مولانا ابوالحسن علی حسنی ندوی)

(۱) مولانا محمد انوری کا تعلق پنجاب کے شہر لدھیانہ کے قریب ایک قصبہ سے تھا۔ دارالعلوم اپنے والد صاحب کے ساتھ آئے، در شیخ الہند پر حاضری دی۔ شیخ الہند آرام فرمارہے تھے اور ایک فرشتہ صفت انسان سرہانے کھڑا پنکھا جھل رہا تھا، شیخ الہند کے آرام میں خلل نہ ہو، اس لیے یہ فرشتہ صفت انسان باربار ملاقاتیوں سے سرگوشیوں میں آہستہ گفتگو کی التجا کررہا تھا۔ مولانا لائل پوری حیرت سے انہیں تک رہے تھے، تھوڑی دیر بعد پتہ چلا کہ جو شخص سرہانے میں کھڑا پنکھا جھل رہا ہے؛ وہ کوئی اور نہیں امام العصر حضرت کشمیری ہیں۔ یہ علامہ سے مولانا محمد کی پہلی ملاقات تھی اور اسی دن سے وہ انوری ہوگئے۔ دورہ حدیث حضرت شاہ صاحب سے پڑھا۔ آپ اپنے استاذ کے عاشق زار تھے، بیعت بھی حضرت شاہ صاحب سے ہی کی، خلافت حضرت شاہ عبد القادر رائے پوری سے حاصل کی۔ فراغت کے بعد لدھنانہ کو اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنایا۔ مقدمہ بھاگلپور میں مسلمان مظلوم لڑکی کی جانب سے حضرت شاہ صاحب نے آپ ہی کو وکیل بنایا تھا۔ آئینہ کمالات انوری جو حضرت شاہ صاحب کی بڑی خوبصورت سوانح ہے، آپ ہی کے تراوش قلم کا ثمرہ ہے۔ تقسیم وطن کے بعد لاہور پاکستان منتقل ہوگئے۔ وہاں مدرسہ انوریہ کی بنیاد رکھی۔ 70 رسال کی عمر میں وفات پائی، ان کا جنازہ لائل پور کی تاریخ کا سب سے بڑا جنازہ تھا۔ (دیکھیے: نقش دوام: ص 64-63 از انظر شاہ)

(۲) مشہور مؤرخ، دانشور ماہر تعلیم اور رزمگاہ سیاست کے شہسوار، تحریک آزادی کے سرگرم سپاہی مولانا سید محمد میاں دیوبندی بن سید منظور محمد 4 راکتوبر 1903ء کو شہر دیوبند میں پیدا ہوئے۔ ابتدا سے دورہ حدیث تک کی پوری تعلیم دارالعلوم دیوبند میں حاصل کی۔ 1343ھ میں دارالعلوم دیوبند سے رسمی تعلیم سے فراغت حاصل کی۔ دارالعلوم میں آپ نے علامہ انورشاہ کشمیری، علامہ شبیر احمد عثمانی، مفتی عزیز الرحمٰن، مولانا اعزاز علی امروہوی وغیرہ سے کسب فیض کیا۔ جہاد آزادی کے دوران قید خانوں میں جب دنیاوی جھمیلوں نے فرصت کے لمحات عنایت کئے تو حفظ قرآن کی طرف توجہ کی۔ 1964ء میں حافظ بھی ہوگئے۔ مدرسہ حنفیہ آرہ، مدرسہ شاہی مرادآباد، مدرسہ امینیہ دہلی وغیرہ میں تدریسی خدمت انجام دی۔ آپ کے فیض یافتہ تلامذہ میں قاضی اطہر مبارک پوری، مفتی محمود، مولانا نظام الدین اسیر ادروی، مولانا نور عالم خلیل امینی وغیرہ جیسے اہل علم ہیں۔ حضرت حسین احمد مدنی سے بیعت ہوئے۔ 16 رشوال المکرم 1395ھ/ 22 راکتوبر 1975ء بروز چہار شنبہ 74 سال کی عمر میں وفات پائی، دہلی میں مدفون ہوئے۔ مختلف موضوعات پر آپ کی ==

کو علامہ کشمیری کی شاگردی کا فخر حاصل ہے۔

یہ میکدہ انوری کے میخواروں کے چند حاضر باش ہیں، ویسے اس میکدہ علم کے بادہ نوشوں کی تعداد ہزاروں میں ہے، جن کے ناموں کا ذکر بھی اس کوتاہ دست کے لیے ممکن نہیں ہے۔

فتنہ قادیانیت اور امام کشمیری:

اسلام اپنے آغاز ہی سے طرح طرح کی سازشوں، فتنوں سے نبرد آزما رہا ہے، ظلمت کے متوالوں اور روشنی کے دشمنوں کو اسلام کبھی بھی ایک لمحہ کے لیے نہ بھایا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے آج تک آپ کے تمام نام لیواؤں اور جانشینوں کو فتنوں کی سرکوبی کے لیے کن کن سنگلاخ وادیوں میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنا پڑا ہے، اس کی داستان طویل ہے۔ یہ سچ ہے کہ تاریکی کے پجاریوں کو روشنی سے ہمیشہ ہی بیر رہا ہے، برائی کے خریداروں کی خیر اور اچھائی سے عداوت بھی جگ ظاہر ہے۔ ہر دور میں شرار بولہبی چراغ مصطفوی کو بجھانے کے درپہ رہا ہے، لیکن جس نور کے اتمام کا وعدہ اللہ نے کرلیا ہے، اسے کون بجھا سکتا ہے۔

محمد فداہ روحی وابی وامی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "لایزال اللہ یغرس في هذا الدين غرساً يستعملهم في طاعته." (۱) کہ اللہ تعالیٰ اس دین کی خدمت کے لیے پودے لگاتا رہتا ہے۔ خدا کے ان پودوں میں سے ایک پودا امام کشمیری کی ذات تھی۔ یا بقول امیر

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں امیر
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

کچھ لوگ صرف درد دل کے لیے پیدا کیے جاتے ہیں۔ دنیا کے کسی حصے میں اسلام اور مسلمانوں پر کوئی آفت آئے، وہ تڑپ اٹھتے ہیں۔ پتھر کہیں بھی کسی مسلمان پر پھینکا جائے، اس کی چوٹ اپنے سینے پر محسوس کرتے ہیں۔ اسلام کے خلاف کوئی آواز اٹھے، اس کے لیے وہ شمشیر برہنہ

== پچاس سے زائد تصنیفات ہیں۔ علماء ہند کا شاندار ماضی (۴ حصے) علماء حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے (دو حصے) مشکوۃ الآثار و مصباح الابرار، سیرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صالح جمہوریت اور تعمیر جمہوریت، صحابہ کرام کا عہد زریں، دین کامل، اسیران مالٹا، تاریخ اسلام وغیرہ آپ کی بیش بہا تصنیفات ہیں۔ (دیکھیے: تذکرہ سید الملت؛ مولانا ضیاء الحق خیرآبادی)

(۱) ابن ماجة، باب اتباع سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم، رقم الحديث: ۲۰۸

بن جاتے ہیں۔ امام کشمیری کی بھی یہی حالت تھی۔ وہ اللہ کے برگزیدہ بندوں کی اسی جماعت سے تعلق رکھتے تھے، جس کے لیے اسلام کے خلاف ہلکی سی آواز بھی ناقابل برداشت ہوتی تھی۔

قادیان کے ملعون غلام احمد (۱) نے اپنے انگریزی آقا کے حکم پر نبوت کے خوشنما لباس میں مسلمانوں کے متاع ایمانی پر شب خوں مارا، کذاب پنجاب کی کوشش تھی کہ ہندوستان کو اپنی جھوٹی نبوت کی تجربہ گاہ بنا کر عقیدہ ختم نبوت کی بیخ کنی کی جائے۔ انگریزوں کی مدد سے دھیرے دھیرے قادیانیوں نے جب ہندوستان میں اپنے بال و پر پھیلائے، سیدھے سادے ہندوستانی مسلمانوں کے متاع ایمانی پر ڈاکہ ڈالنے کی کوشش کی، تو علامہ کشمیری اس طوفان کے سامنے سینہ سپر ہو گئے۔

۱۳۴۰ھ کا زمانہ ہے، فتنہ قادیانیت پورے برصغیر اور خاص طور پر پنجاب میں ایک طوفان کی صورت میں اٹھا۔ قادیانیوں کو انگریزوں کی پشت پناہی حاصل تھی۔ برطانوی حکومت نے ملعون پنجاب کے لیے اپنا پورا خزانہ کھول دیا، برطانوی حکومت نے اسے حوصلہ دیا کہ وہ مسلمانوں کے مقابلہ میں کھل کر آجائیں؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں کو اس فتنہ کی سرکوبی کے لیے کھڑا کیا: جن میں حضرت شاہ صاحب پیش پیش ہی نہیں ؛ بلکہ تحفظ ختم نبوت کے ہراول فوج کے کمانڈر تھے۔ آپ کے شاگرد مفتی شفیع صاحب تحریر کرتے ہیں:

> ”بالخصوص حضرت شاہ صاحب قدس سرہ پر اس فتنہ کا بہت اثر تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس فتنہ کے مقابلے کے لیے ان کو چن لیا ہے۔ جیسا ہر زمانہ میں عادۃ اللہ یہی رہی ہے کہ ہر فتنہ کے مقابلہ کے لیے اس وقت کے علماء دین سے کسی کو منتخب کر لیا گیا اور اس کے قلب میں اس کی اہمیت ڈال دی گئی۔ فتنہ قادیانیت کے استیصال میں حضرت ممدوح کی شبانہ روز جد و جہد اور فکر و عمل سے ہر دیکھنے والے کو یقین ہو جاتا تھا؛ کہ اللہ تعالیٰ نے اس خدمت کے لیے آپ کو چن لیا ہے۔“ (۲)

---

(۱) لعین، کذاب پنجاب مرزا غلام احمد قادیانی 13 رفروری 1835ء کو پنجاب کے ایک شہر قادیان میں پیدا ہوا۔ ابتداءً اس نے اپنے کو مصلح اور محدث بتلایا، مہدی، مسیح موعود اور بعد میں نبی ہونے کا دعویٰ کیا، حد تو یہ ہے کہ اس شخص نے اپنے کو کرشن وغیرہ کا اوتار بھی بتلایا۔ 26 رمئی 1908ء میں واصل جہنم ہوا۔ پوری دنیا کے علماء اس کے کفر پر متفق ہیں

(۲) حیات انور، ص: ۲۵۰۔۲۵۱

فتنہ قادیانیت نے امام کشمیری کو بڑا پریشان کر رکھا تھا۔ ہر وقت اس فتنہ کی سرکوبی کے لیے فکر مند رہا کرتے تھے۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ امام کشمیری کتابوں کے بغیر خالی بیٹھے ہوئے ہوں؛ لیکن دیکھنے والوں نے دیکھا کہ ایک دن بہت متفکر اور پریشان بیٹھے ہوئے ہیں، مفتی شفیع صاحب نے عرض کیا کہ حضرت کیسا مزاج ہے؟ فرماتے لگے مزاج کیا پوچھتے ہو! قادیانیت کا فتنہ پھیلتا جا رہا ہے، ارتداد اور کفر کا سیلاب اُمڈتا آ رہا ہے، ہندوستان ہی نہیں عراق میں بھی اس فتنہ نے بال و پر پھیلائے ہیں؛ لیکن کسی کو اس کی طرف توجہ نہیں۔ میں نے جمعیت العلماء ہند میں یہ تجویز پیش کرائی تھی؛ کہ اس موضوع پر دس کتابیں عربی میں تصنیف کرائی جائیں اور اسلامی ممالک میں بھیج دیئے جائیں، لیکن کسی نے اس طرف توجہ نہیں دی۔ حضرت مفتی شفیع صاحب کو پھر حکم دیا کہ آپ ایک کتاب اس موضوع پر تصنیف کریں اور انہوں نے ''هدية المهديين في آية خاتم النبيين'' کے نام سے تصنیف فرمائی۔ پھر اپنے اہتمام میں اس کتاب کو طبع فرما کر مصر، شام، عراق وغیرہ بھیجا۔ (۱)

حضرت کشمیری کو اس فتنہ کا اس درجہ احساس تھا؛ کہ آپ نے اپنے شاگردوں کو مواد فراہم کرایا اور یہ کہتے ہوئے انہیں اس موضوع پر کام کرنے کا حکم دیا؛ کہ میرا اسلوب بہت ہی علمی اور عام لوگوں کو سمجھ سے بالاتر ہے، قادیانیت پر میری کتاب ''فصل الخطاب'' کے سلسلے میں یہی شکایت ملی کہ اس کو سمجھنا آسان نہیں۔ اس لیے آپ حضرات قادیانیت کے رد میں کتابیں تصنیف فرمائیں۔ چنانچہ اس سلسلہ میں مفتی شفیع احمد، مولانا بدر عالم میرٹھی، مولانا ادریس کاندھلوی، مولانا مرتضیٰ حسن چاند پوری وغیرہ نے ختم نبوت، حیات عیسیٰ اور خود غلام احمد قادیانی کی ناپاک زندگی پر عربی، اردو میں کتابیں لکھیں۔ حضرت شاہ صاحب نے ان تمام تصنیفات کی نگرانی فرمائی اور پھر اسے تقسیم فرمایا۔

قادیانیت کا فتنہ چوں کہ پنجاب سے اٹھا تھا، اس لیے حضرت شاہ صاحب نے ضروری سمجھا کہ اس کی سرکوبی خود پنجاب جا کر کی جائے۔ چنانچہ آپ نے ۱۳۴۳ھ میں خود پنجاب کا دورہ کیا، گاؤں گاؤں، قریہ قریہ گھوم گھوم کر مکار مرزا قادیانی کے دجل و فریب سے عوام کو واقف کرایا۔ سینکڑوں لوگوں نے قادیانت سے توبہ کی اور حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ اس سفر میں حضرت شاہ صاحب کے ساتھ اکابر علماء دیوبند کی ایک جماعت بھی تھی۔ علامہ شبیر احمد عثمانی، مولانا سید مرتضیٰ

---

(۱) حیات انور، ص: ۲۵۰۔۲۵۱

حسن ، قاری محمد طیب صاحب، مولانا بدر عالم صاحب، مولانا ادریس کاندھلوی، مولانا محمد نعیم لدھیانوی اور حضرت مفتی محمد شفیع صاحب وغیرہ شریک قافلہ تھے۔ علماء کی اس جماعت نے لدھیانہ، امرتسر، لاہور، گوجرانوالہ، راول پنڈی، ایبٹ آباد، مانسہرا ہزارا، کھوٹا وغیرہ کا دورہ کیا اور اپنی بصیرت افروز تقریروں سے دجال مرزا کے جھوٹ کا پردہ فارش کیا، جو آئے دن مناظرہ و مباہلہ کا چیلنج شائع کیا کرتا تھا۔ یہ جماعت جہاں جہاں پہنچی کفر وارتداد کے بادل چھٹتے گئے اور اسلام کا نور پھیلتا گیا۔ گویا"جاء الحق و زهق الباطل إن الباطل كان زهوقاً" کا منظر آنکھوں کے سامنے تھا۔

بہاول پور کا تاریخی مقدمہ اور علامہ کشمیری:

۱۴ر جولائی ۱۹۲۶ء میں احمد پور شرقیہ ریاست بہاول پور (پاکستان) کی ایک خاتون نے اپنے شوہر کے قادیانی ہو جانے کی وجہ سے عدالت میں فسخ نکاح کا دعویٰ کیا۔ سات سال تک یہ مقدمہ بہاول پور کی ذیلی اور اعلیٰ عدالتوں میں زیر سماعت رہا۔ اخیر میں دربار معلّیٰ بہاول پور پہنچا۔ ۱۹۳۲ء میں دربار معلّیٰ نے پھر عدالت میں یہ لکھ کر واپس کیا، کہ میرے خیال میں اس مسئلہ کی پوری تحقیق ضروری ہے۔ دونوں فریق کو موقع دیا جائے کہ وہ اپنے مذہب کے علماء کی شہادتیں پیش کریں اور دونوں طرف کے مکمل بیانات سننے کے بعد اس مسئلہ پر کوئی آخری فیصلہ لیا جائے۔

مدعیٰ علیہ عبد الرزاق قادیانی نے اپنی حمایت کے لیے قادیان کی طرف رجوع کیا۔ قادیان کا بیت المال اور پورا قادیانی کارندہ اس مقدمہ کی پیروی کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ ادھر بے چاری مسلمان خاتون غلام عائشہ ایک غریب گھرانے سے تعلق رکھتی تھی، اس کے لیے یہ مشکل تھا: کہ وہ ملک کے مشاہیر علماء کو اپنے مقدمہ کی وکالت کے لیے مدعو کرے۔ لیکن بہاول پور کے غیور مسلمانوں کی انجمن مؤید الاسلام نے اس کا ذمہ لیا اور حضرت شاہ صاحب اور دیگر مشاہیر علماء کو خطوط لکھ کر اسلام کی وکالت کے لیے مدعو کیا۔

یہ واقعہ ۱۳۵۰ھ کا ہے، اس تاریخی مقدمہ کی پیروی کے لیے حضرت شاہ صاحب اپنے رفقاء کے ساتھ بہاول پور تشریف لیے گئے۔ ان دنوں حضرت کی طبیعت انتہائی خراب تھی، اور سخت علالت ہی کی وجہ سے ڈابھیل سے دیوبند تشریف لے آئے تھے، ڈاکٹروں نے اسفار وغیرہ سے سختی

کے ساتھ منع کر دیا تھا، مرض کی شدت کم ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی، لیکن حضرت شاہ صاحب نے اسلام کی حقانیت، ختم نبوت کی حفاظت اور فتنہ ارتداد کی سرکوبی کے لیے بہاول پور جانا اپنا فرض منصبی سمجھا۔ وہاں پہنچ کر آپ نے عدالت عالیہ میں مسلسل اپنے بیانات قلم بند کروائے، جس میں قادیانی دجل وفریب کا پردہ چاک کیا۔ یہ بیانات روزانہ گھنٹوں ہوا کرتے تھے، شاہ صاحب پورے پورے دن عدالت میں ہوتے اور جب واپس قیام گاہ میں تشریف لاتے، تو ایک دنیا آپ کی منتظر ہوتی۔ آپ ان کے سامنے بھی قادیانیوں کی مکاریوں، چالبازیوں اور فریب کو آشکار فرماتے۔ بہت کم آرام فرماتے؛ مقدمہ کی تیاری میں اپنے عزیزوں مفتی محمد شفیع صاحب، مولانا مرتضیٰ صاحب وغیرہ کی مدد فرماتے؛ البتہ اپنے بیانات کے لیے مطالعہ نہیں فرماتے اور نہ انہیں اس کی ضرورت تھی۔

اس تاریخی مقدمہ کی روداد مقدمہ کے عینی شاہد اور امام کشمیری کے شاگرد مولانا محمد صاحب انوری سے سنیئے:

”۲۵/اگست ۱۹۳۲ء کو حضرتؒ کا بیان شروع ہوا، عدالت کا کمرہ امراؤ ورؤساء ریاست وعلماء کی وجہ سے پر تھا۔ عدالت کے بیرونی میدان میں دور تک زائرین کا اجتماع تھا، باجودیکہ حضرت شاہ صاحب عرصہ سے بیمار تھے اور جسم مبارک بہت ناتواں ہو چکا تھا؛ مگر متواتر پانچ روز تک تقریباً پانچ پانچ گھنٹے یومیہ عدالت میں تشریف لاکر علم وعرفان کا دریا بہاتے رہے، مرزائیت کا کفر وارتداد اور دجل وفریب کے تمام پہلو آفتاب نصف النہار کی طرح روشن فرما دیئے۔ حضرت شاہ صاحبؒ کے بیان ساطع البرہان میں مسئلہ ختم نبوت اور مرزا کے ادعاء نبوت ووحی و مدعی نبوت کے کفر وارتداد کے متعلق جس قدر مواد جمع ہے اور ان مسائل وحقائق کی توضیح وتفصیل کے لیے؛ جو ضمنی مباحث موجود ہیں، شاید مرزائی نبوت کے رد میں اتنا علمی ذخیرہ کسی ضخیم سے ضخیم کتاب میں یکجا نہیں ملے گا۔ حضرت شاہ صاحب کے بیان پر تبصرہ کرنا خاکسار کے فکر کی رسائی سے باہر ہے۔ ناظرین بہرہ اندوز ہو کر حضرت شاہ صاحب کے حق میں دعا فرمائیں، کہ اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کا اعلیٰ علیین میں مدارج بلند فرمائے۔ آمین۔

حضرتؒ کا حافظہ اس وقت قابل دید وشنید تھا، جب حوالہ دیتے کتاب کھولتے ہی فوراً انگلی مبارک عبارت پر ہوتی، جج صاحب لکھئے! عبارت یہ ہے۔ بعض دفعہ احقر کو فرماتے کہ عبارت نکال کر دے، تاکہ دکھاؤں۔ بعض دفعہ صفحہ بھی ارشاد فرماتے، بیان بیٹھ کر فرماتے؛ لیکن حوالہ جات پیش فرماتے وقت کھڑے ہو جاتے، توراۃ شریف کی بعض آیات عبرانی الفاظ میں سنائیں اور اپنے دست مبارک سے لکھ کر جج صاحب کو دیں۔

چنانچہ ایک آیت احقر کو یاد ہے۔ ”نابي مقريج ميحيخ كاموخ ياقيم لخ الوهخ إلا وتشماعون. نبی من قربات من أخيك كأخيك يقيم لك إلهك إليه تسمعون“

ارشاد فرمایا کہ حضرت موسیٰ علی نبینا علیہ السلام نے اپنے دست مبارک سے لکھ کر اس آیت کا بنی اسرائیل میں اعلان فرمایا۔ فرمایا جج صاحب لکھئے! ہمارا دین متواتر ہے اور دنیا میں کوئی دین متواتر نہیں، تواتر کی تعریف بیان فرما کر اس کے اقسام، تواتر اسناد تواتر طبقہ، تواتر قدر مشترک، تواتر توارث بیان فرمائے، فرمایا تواتر کی ایک قسم معنوی بھی ہے اور تواتر کی کسی ایک قسم کا منکر کافر ہے۔ مرزا غلام احمد نے تواتر کے جمیع اقسام کا انکار کیا ہے۔ جرح کے روز جلال دین شمس مرزائی مختار مدعیٰ علیہ نے سوال کیا کہ آپ نے تواتر کے منکر کو کافر کہا ہے، حالاں کہ یہ تو ایک اصطلاح ہے، جو علماء نے گڑھ رکھی ہے، اس کا منکر کیسے کافر ہو سکتا ہے؟ ارشاد فرمایا کہ تم لوگ مانتے ہو یا نہیں کہ یہ قرآن مجید وہی قرآن ہے، جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا اور ہم تک محفوظ چلا آیا۔ جلال دین نے کہا کہ ہم مانتے ہیں۔ فرمایا کہ اس حالت حفاظت کا نام تمہارے ہاں کیا ہے؟ جلال دین کہا ”تواتر“ فرمایا اس کا منکر کافر ہوگا یا نہیں؟ مرزائی مختار نے اقرار کیا۔ فرمایا کہ میں یہی تو کہہ رہا تھا۔ قادیانی مختار نے سوال کیا کہ امام رازیؒ نے تواتر معنوی کا انکار کیا ہے، چنانچہ فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت میں بحر العلوم

نے تصریح کی ہے۔ فرمایا جج صاحب ہمارے پاس فواتح الرحموت کتاب موجود نہیں ہے، بتیس سال ہوئے میں نے یہ کتاب دیکھی تھی، ان صاحب نے حوالہ دینے میں دھوکہ دیا ہے،، بحر العلوم امام رازیؒ کے متعلق یہ لکھتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا ہے کہ یہ جو حدیث ہے "لاتجتمع أمتي علیٰ الضلالة" یہ تواتر معنوی کے درجہ کو نہیں پہنچتی، یہ نہیں کہ تواتر معنوی کے حجت ہونے کا انکار کرتے ہیں؛ بلکہ اس حدیث کے تواتر معنوی ہونے کا انکار کرتے ہیں۔ چنانچہ جج صاحب نے قادیانی مختار کو حکم دیا کہ اصل عبارت پڑھ کر سنائے، اس نے ذرا تامل کیا تو حضرت شاہ صاحب نے کتاب اس کے ہاتھ سے چھین لی، کہ لاؤ میں عبارت سناتا ہوں، اس نے کہا کہ میں ہی سنا دیتا ہوں، جب سنایا تو وہی عبارت تھی؛ جو حضرت نے ارشاد فرمائی تھی۔ فرمایا، جج صاحب! یہ صاحب ہمیں مفحم کرنا چاہتے ہیں لیکن میں چوں کہ طالب علم ہوں، دو چار کتابیں دیکھ رکھی ہیں۔ ان سے ان شاء اللہ مفحم نہیں ہونے کا۔(۱)

مولانا محمد انوری نے اس مقدمہ کی روداد کو بڑی تفصیل سے دسیوں صفحات میں ذکر کی ہے۔ ان کے بیان سے حضرت شاہ صاحب کی فتنہ ارتداد کے سلسلے میں بے چینی اور آپ کی تڑپ کا اندازہ ہوتا ہے۔ چنانچہ مقدمہ کے دوران ہی ایک دن مسجد میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"حضرات! میں نے ڈابھیل جانے کے لیے سامان سفر باندھ لیا تھا: کہ یکا یک مولانا غلام محمد صاحب شیخ الجامعہ کا خط دیوبند موصول ہوا؛ کہ شہادت دینے کے لیے بہاول پور آئیے۔ چنانچہ اس عاجز نے ڈابھیل کا سفر ملتوی کیا اور بہاول پور کا سفر کیا۔ یہ خیال کیا کہ ہمارا نامہ اعمال تو سیاہ ہے ہی، شاید یہی بات میری نجات کا باعث بن جائے؛ کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جانب دار ہوکر بہاول پور میں آیا تھا۔"(۲)

---

(۱) حیات انور ص:۳۲۱۔۳۲۲

(۲) حوالہ سابق ص:۳۳۶

اتنا کہنا تھا کہ پوری مسجد میں چیخ وپکار برپا ہوگئی، لوگ پھوٹ پھوٹ کر رو رہے تھے۔ خود حضرت کی کیفیت بھی عجیب وغریب ہوگئی تھی۔ آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور زبان خاتم النبیین کے بیان سے تر تھی۔

آپ علیل تھے، کمزوری اور نقاہت حد درجہ بڑھ چکی تھی، لیکن صرف ایک گھنٹے آرام فرماتے۔ باقی تمام اوقات قصر نبوت کی حفاظت میں صرف فرماتے۔ فجزاہ اللّٰہ عنا وعن المسلمین۔

آخر حضرت شاہ صاحب اور علماء کی کوششوں سے ۷/فروری ۱۹۳۵ء کو مدعیہ غلام عائشہ کے حق میں فیصلہ آیا۔ اس مقدمہ کا تاریخی فیصلہ عدالت کے فاضل جج نے ایک سو پچاس صفحات میں کیا ہے، جو انجمن مؤید الاسلام کی کوششوں سے کتابی شکل میں طبع ہو چکا ہے۔ قادیانیوں کے کفر اور مرزا غلام احمد کے دجل وافترا و جھوٹی نبوت کے تابوت میں فیصلہ آخری کیل ہے۔ اس فیصلہ نے پوری دنیا میں قادیانیت کے تار پود بکھیر دیئے۔ مقدمہ بہاول پور کا فیصلہ حضرت کشمیری کی وفات کے ٹھیک تین سال بعد آیا، آپ کو قادیانیت کے بیخ کنی کی بڑی فکر تھی، اس لیے آپ نے اپنے بعض تلامذہ کو وصیت فرمادی تھی؛ کہ اگر میری وفات ہوجائے اور مقدمہ کا فیصلہ مسلمانوں کے حق میں آئے، مرزا اور اس کے متبعین کو کافر تسلیم کرلیا جائے، تو اس کی اطلاع میری روح کی تسکین کے لیے میری قبر پر آکر دے دی جائے۔

اس وصیت کا ایک ایک لفظ تحفظ ختم نبوت کی فکر اور آپ کا جذبہ ایمانی کی شہادت دیتا ہے؛ کہ آپ فتنہ قادیانیت کے مقابلہ کے لیے کس درجہ بے چین رہا کرتے تھے۔ اس مقدمہ کے سلسلے میں علماء کے بیانات "علماء ربانی برارتداد قادیانی" کے نام سے ایک سو اٹھتر (۱۷۸) صفحات پر شائع ہو چکا ہے۔ اس مجموعہ میں علامہ کا محققانہ، عالمانہ بیان ۴۱/صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ علامہ کشمیری کا یہ تاریخی اور علمی بیان قادیانیت کے لیے شمشیر بے نیام ہے، آپ کا بیان اس مجموعہ میں "البیان الأزھر" کے عنوان سے ہے۔

حدیث وفقہ اور علامہ کشمیری:

یوں تو امام کشمیری کو مختلف علوم وفنون پر دسترس حاصل تھی، خواہ اس کا تعلق منطق وفلسفہ، علم ہیئت، فلسفہ جدید یا علم ریاضی سے ہو یا جعفر ورمل یا کسی اور فن سے؛ لیکن ان کی زندگی کا نصب العین علوم شرعیہ کی خدمت تھا۔ آپ کو سب سے زیادہ لگاؤ اور دلچسپی علم حدیث سے تھی۔ آپ کی زندگی کا

مقصد ہی علم حدیث تھا، آپ مولانا گیلانی کے حوالہ سن چکے ہیں؛ کہ آپ کے درس کا انداز کتنا نرالہ اور منفرد تھا۔ جاننے والے جانتے ہیں اور نہ جاننے والوں کو جاننا چاہئے کہ آپ نے صحاح ستہ کے علاوہ مسند دارمی، مسند احمد، منتقیٰ ابن جارود، مستدرک حاکم، حافظ نورالدین ہیثمی کی مجمع الزوائد، امام سیوطی کے جامع الصغیر، شیخ حسام الدین علی المتقی کی کنز العمال کا مطالعہ فرمایا۔ ان میں سے ہر کتاب کئی کئی ضخیم جلدوں میں ہے۔ علامہ کشمیری کے مطالعہ کو عام لوگوں کے مطالعہ پر ہرگز قیاس نہ کیا جانا چاہئے کہ کتاب کھولی اور اپنے مطلب کی چیز دیکھ کر کہیں لکھ لیا اور بات ختم؛ بلکہ آپ کے مطالعہ کا مطلب یوں سمجھئے کہ آپ نے ان کتابوں کا حفظ فرما لیا تھا۔ ان کتابوں کی ایک ایک روایت پر محققانہ کلام فرما سکتے تھے۔ یہ روایتیں آپ کے ذہن میں پتھر پر لکھی تحریر کی طرح ثبت ہو چکی تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ احادیث کی شروحات جو متقدمین علماء کے ہیں، ان میں شاید ہی کوئی ایسی ہو؛ جس کا آپ نے تحقیقی مطالعہ نہ فرمایا ہو۔ تیرہ دفعہ تو خود صحیح بخاری کا مطالعہ پوری توجہ اور تحقیق و تدقیق کے ساتھ فرمایا، جب کہ بخاری کی شروحات کا مطالعہ تیس مرتبہ فرمایا۔ دو سو سے زائد احادیث کی شروحات آپ کے زیر مطالعہ آئیں، لیکن آپ حافظ ابن حجر کی فتح الباری کو سب سے زیادہ اہمیت دیتے تھے، آپ کی نظر میں فتح الباری سے بہتر بخاری کی کوئی شرح نہ تھی۔ تاہم آپ نے اپنی بخاری کی شرح فیض الباری، میں متعدد مقام پر حافظ ابن حجر کی گرفت کی اور حافظ کی فروگزاشت کو آشکا کیا ہے۔ اہل علم آپ کے تعقبات کی اہمیت سے بخوبی واقف ہیں۔ مدینہ یونیورسٹی کے ریسرچ اسکالر شیخ ناصر بن سیف العذری نے تو حافظ ابن حجر پر امام کشمیری کے تعقبات پر مستقل کام کیا ہے اور اب یہ مقالہ "تعقبات کشمیری في كتابه فيض الباري علىٰ الحافظ ابن حجر في كتابه "فتح الباري دراسة نقدية" کے نام سے چھپ چکی ہے۔

یہاں موقع نہیں کہ حافظ ابن حجر اور دیگر محدثین پر آپ کی تنقیدوں کا علمی تحقیقی جائزہ پیش کیا جائے۔ لیکن آپ کے تعقبات اور علمی گرفت سے، آپ کی علمی شان اور بلندی مرتبہ کا اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے۔ آپ کے شاگرد علامہ بنوری تحریر کرتے ہیں:

"كان الشيخ يتعجب من ذهول الحافظ و غفلته في بعض المواضع و ربما يقول: ههنا شيء كذا و كذا لم يذكره الحافظ في

"الفتح" و تنبه له في "التلخيص الحبير" فقال كذا أو كذا أو يقول:تنبه له في "تهذيب التهذيب"في ترجمة فلان"(١)

"علامہ کو حافظ کے ذہول اور غفلت پر حیرت ہوتی تھی۔ بسا اوقات فرماتے کہ یہاں بات اس طرح تھی، لیکن حافظ نے "فتح" میں ذکر نہیں کیا، لیکن "تلخیص الحبیر" میں علامہ کو تنبہ ہوا اور کبھی فرماتے "فتح" میں تو بھول گئے، لیکن "تہذیب التھذیب" میں انہوں نے یہ بات فلاں کے ترجمہ [تعارف] کے ضمن میں ذکر کی ہے"۔

علم حدیث میں آپ کی براعت اور دسترس نے آپ کے درس حدیث کو منفرد اور انوکھا بنا دیا تھا۔ عام ڈگر سے ہٹ کر امام کشمیری اپنے درس کی ابتداء میں مقاصد شریعت کو بیان فرماتے تھے، کہ اس حدیث سے شارع علیہ السلام کی کیا مراد ہے؟ پھر آپ اپنی تحقیق پیش کرتے، حدیث سے مسائل فقہیہ کا استنباط کرتے، حدیث فقہ حنفی کے موافق ہے یا مخالف، اور اگر مخالف ہے، تو اس کا جواب کیا ہے، طلبہ کو ذہن نشین کراتے، لیکن آپ صرف تاویل سے کام نہیں لیا کرتے۔ یا عام اساتذہ کی طرح حدیث کو کھینچ تان کر فقہی حنفی کے موافق نہیں بناتے؛ بلکہ اگر حدیث فقہی حنفی کے بظاہر خلاف ہوتی؛ تو اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ کے مستدلات پر سیر حاصل بحث فرماتے اور پھر دونوں حدیث میں تطبیق کی صورت اختیار فرماتے۔ امام کشمیری کے درسی تقریر کی یادگار "فیض الباری" آپ کی علمی نوادرات اور تحقیق سے بھری پڑی ہے۔

اگر ان تحقیقات کو یہ پیش کیا جائے تو ہمارے موضوع سے الگ کام ہوگا۔ اس لیے صرف اس ذکر پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ تاہم اتنی بات طے ہے کہ امام کشمیری نے احناف کو اس لائق بنا دیا کہ وہ اپنے مسلک پر اس اطمینان کے ساتھ عمل کریں، کہ ان کے امام کی کوئی بھی رائے حدیث کے خلاف نہیں، بلکہ امام نے اپنی تمام تر آراء کی بنا شارع علیہ الصلوۃ والسلام کی فرمودات پر رکھی ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے۔

امام ابوسلیمان خطابیؒ فرماتے ہیں:

"إن الحديث بمنزلة الأساس التي هو الأصل، و الفقه بمنزلة

---

(١) نفحة العنبر، ص:٤٨

البناء الذي هو له كالفرع، و كل بناء لم يوضع علىٰ قاعدة أو أساس فهوه منهار و كل أساس خلا عن بناء وعمارة فهو قفر و خراب"(۱)

''حدیث کی حیثیت بنیاد اور اصل کی ہے اور فقہ اس اصل کی فرع ہے۔ وہ عمارت جو پیلر اور نیو پر نہ کھڑی کی گئی ہو، اس کی تباہی یقینی ہے اور ہر نیو جو عمارت اور تعمیر سے خالی ہو وہ کھنڈر ہے۔''

علامہ کشمیری نے اس اساس و بنیاد کو کھنڈر نہ ہونے دیا، بلکہ حدیث سے مسائل کا استنباط کیا۔ متقدمین اور متاخرین فقہاء کی تحقیقات آپ کی نگاہوں میں تھی۔ حدیث کا بڑا ذخیرہ آپ کے سامنے تھا، اس لیے آپ نے علم فقہ کی شاندار عمارت کھڑی کی، اور اس فن میں بھی اپنے بہت سے ہم جولیوں؛ بلکہ اپنے بعض اساتذہ پر بھی فوقیت لے گئے۔

علامہ کشمیری کو بچپن ہی سے اس فن سے بے پناہ دلچسپی تھی۔ وہ فقہ کی ابتدائی کتابوں کے درس کے دوران اپنے اساتذہ سے ایسے سوالات کرتے؛ جس کا جواب بڑی بڑی کتابوں کے مطالعہ کے بغیر ممکن نہ ہوتا۔ بہت چھوٹی عمر میں آپ نے ایسے علمی اور تحقیقی فتوے دیئے؛ جسے دیکھ کر ارباب افتا ششدر و حیران رہ گئے۔ شیخ عبد الفتاح ابوغدہ لکھتے ہیں:

"ولما بلغ الثانية عشر من عمره، و كان علم الفقه و الفتوىٰ في رحاب كشمير مما يتسابق في حلبة رهانه. فكان الشيخ الناشيء الموهوب يفتي الناس وهو في الثانية عشرة من العمر، و تأتي فتاواه في سدادها عديلة لفتاوىٰ كبار الشيوخ هناک."(۲)

بچپن میں جب تفقہ کا یہ عالم ہے، تو اندازہ کیجئے کہ بڑے ہو کر آپ کا تفقہ و اجتہاد کس منزل پر ہوگا۔ آپ نے فقہ و فتاویٰ کی سینکڑوں ضخیم کتابوں کا تحقیقی مطالعہ فرمایا، خواہ اس کا تعلق کسی بھی مسلک و مذہب سے ہو۔ چنانچہ آپ نے امام محمد کی تمام تصنیفات، مؤطا، کتاب الآثار، کتاب الحجة، امام سرخسی کی مبسوط، السير الكبير کے علاوہ زیادات، الشرح الصغیر، الجامع الصغیر، امام طحاوی کی شرح ''معاني الآثار، المختصر، إمام

---

(۱) معالم السنن، علامه أبو سليمان حمد بن محمد خطابی، ۱/ ۷۵، مكتبه شامله

(۲) تراجم ستة من فقهاء العالم الاسلامي، ص: ۱۴، ط: مكتب المطبوعات الاسلامية، حلب. ۱۹۹۷ء

أبوبكر كاساني کی'' بدائع الصنائع، علامہ ابن نجیم کی'' البحر الرائق،النهر الفائق ، علامه ابن الهمام کی فتح القدير،علامه ابن عابدين شامی کی رد المختار ،امام شافعی کی كتاب الأم،الرسالة، امام مالک کی المدونة الكبرىٰ، ابن حزم کی المحلىٰ ، امام أبو يوسف کی كتاب الخراج، علامه ابن تيميه فتاوىٰ ابن تيميه اوردیگر تصنیفات کے علاوہ امام محمد، امام مالک، امام شافعی ، امام ابو حنفیہ، امام ابو یوسف وغیرہ کی تقریباً تمام کتابوں کا مطالعہ؛ بلکہ تحقیقی مطالعہ فرمایا۔مطالعہ کی کیفیت کا حال تو آپ سن ہی چکے ہیں۔متعدد کتابوں پر آپ نے تعلیقات لکھے،بہت سے مقامات پر ان علماء پر علمی گرفت فرمائی۔گویا آپ نے اپنے دل ودماغ میں فقہ کا پورا خزانہ سمولیا تھا۔فقہ میں آپ کی شان کا اندازہ اس سے لگائیے کہ فقیہ النفس ،حکیم الامت فقہی مسائل میں آپ سے رجوع فرمایا کرتے تھے۔ایک دفعہ آپ کو حکیم الامت نے ان القاب سے خطاب کرتے ہوئے ایک مشکل مسئلہ میں آپ کی رائے دریافت کی۔

حکیم الامت لکھتے ہیں:

''من الأحقر أشرف علي عفي عنه، إلىٰ حضرة المحترم جامع الفضائل العلمية و العملية مولانا السيد أنور شاه دامت أنوارهم

السلام عليكم ورحمة.

دعت الضرورة إلىٰ أن نراجع إليكم ثانيا فيما يتعلق بالتحقيق السابق، وقعت واقعة مما يتعلق بنفسي و لذا كلفتكم مرة أخرىٰ علىٰ حدة، فنرجو العفو إلخ، وقال في ختامه:''فأفتونا في هٰذه المعضلة إما من الرواية و إما بالدراية''(١)

''احقر اشرف علی عفی عنہ کی جانب علمی وعملی کمالات وفضائل کے جامع مولانا سید انور شاہ دامت برکاتہم کی خدمت میں۔

گزشتہ تحقیق سے متعلق دوبارہ رابطہ کی ضرورت پڑ گئی،چوں کہ مجھے خود ضرورت پڑ گئی،اس لیے معذرت کے ساتھ دوبارہ زحمت دے رہا ہوں۔خط اخیر میں لکھتے ہیں کہ اس مشکل مسئلہ میں روایت ودرایت دونوں طریقے سے فتویٰ

---

(١) نفحة العنبر،ص:٧٩

عنایت فرمائیں"۔

علامہ شیخ عبد الفتاح ابو غدہ فرماتے ہیں کہ حضرت تھانوی کا آپ سے رجوع کرنا امام کشمیری کے تفقہ اور فقہ میں بلند مرتبہ کی واضح دلیل ہے۔ کیوں کہ حکیم الامت خود ہی چودھویں صدی کے ممتاز ترین فقہاء میں تھے۔

"وفي رجوع حكيم الأمة الشيخ أشرف علي التهانوي رحمه الله تعالیٰ إلى الشيخ الكشميري في مسائل الفقه، دليل واضح علیٰ فقاهة الشيخ الكشميري و جلالة قدره فيه، فإن حكيم الأمة نفسه من علية فقهاء القرن الرابع عشر في الهند."(۱)

اور تو اور کہ خود آپ کے اساتذہ شیخ الہند، علامہ خلیل احمد سہارنپوری جیسے جبال العلم بھی آپ سے علمی مسائل میں رجوع فرمایا کرتے تھے۔ بسا اوقات تو شیخ الہند آپ کو علامہ کے خطاب سے مخاطب کرتے ہوئے پوچھتے؛ کہ آپ کی کیا رائے ہے؟ علامہ خلیل احمد سہارنپوری اپنی عظیم کتاب "بذل المجہود" کی تصنیف کے دوران روایت اور درایت کے سلسلہ میں آپ سے رجوع کیا کرتے تھے۔ (۲)

مولانا سید اصغر حسین دیوبندی فرماتے ہیں:

"إذا أشكلت في الفقه أتفقد الكتب لحلها، فإن فزت فبها و إلا أراجع الشيخ أنور رحمهم الله."(۳)

غرض کہ فن حدیث وفقہ، بلاغت ومعانی، ادب، شعر وسخن، خطابت وغیرہ ہر فن میں علامہ اپنی نظیر آپ تھے۔

امام کشمیری اپنے معاصرین کی نظر میں:

ایسا کم ہی دیکھنے میں آتا ہے کہ معاصرین اپنے معاصر کی علمی عظمت کی ثناخوانی کریں، لیکن اپنے دوست سے نفرت رکھنے والے عام طور پر اللہ والے نہیں ہوتے؛ جو اللہ کے مخلص بندے ہوتے ہیں ان کا اصول حق بحق جار سید ہوتا ہے۔ وہ کسی کی شان میں گستاخی نہیں کرتے؛ بلکہ صاحب حق کو حق دیا کرتے ہیں اور انصاف کے ترازو سے تول کر معیار کی کسوٹی پر کس کے اپنی رائے

---

(۱) ستة من فقهاء العالم الاسلامی، ص: ۲۸

(۲) (حوالہ سابق ص: ۲۹)

(۳) (حوالہ سابق ص: ۳۸)

کا اظہار کرتے ہیں۔علامہ کشمیری کے علم سے کون شخص حیرت زدہ نہ تھا۔علم حدیث میں ان کا مقام، فقہ میں ان کا تبحر، قرآن کے مشکلات کے حل کرنے میں ان کی انفرادیت، عربی زبان و ادب میں ان کی فوقیت کا کون شخص تھا؛ جو معترف نہیں تھا؟ ان کے اساتذہ، معاصرین اور شاگردوں نے آپ کی خدمات کا کھل کر اعتراف کیا۔ دار العلوم کے مہتمم علامہ حبیب الرحمٰن عثمانی تو آپ کو چلتا پھرتا کتب خانہ کہا کرتے تھے:

”إنـه كان مكتبة حية ناطقة تمشي علىٰ الأرض، كما كان ثقةً ورعـاً تـقـيـا حـافـظـاً حـجـةً مفسراً محدثاً متبحراً في العلوم النقليه و العقليه، رافع لواء التحقيق في المسائل الغامضة المهمة.“(۱)

جب کہ آپ کے استاذ شیخ الہند کہا کرتے تھے:

”إن الـلّٰه قد جمع له العلم و العمل السيرة و الصورة و الورع والزهد و الرأي الصائب والذهن الثاقب“(۲)

علامہ سید سلیمان ندوی(۳)، جن کی علمی عظمت کی ایک دنیا معترف ہے، وہ آپ کے

---

(۱) مجموعة رسائل الكشميري : ۲/ ۱۰

(۲) نفحة العنبر، ص: ۲۱۱

(۳) نامور ادیب، بلند پایہ سیرت نگار، مؤرخ، محدث، فقیہ علامہ سید سلیمان ندوی کی ولادت بہار کے ضلع نالندہ کے ایک گاؤں دسنہ میں 22 رنومبر 1884ء کو ہوئی۔آپ کے والد حکیم سید ابوالحسن بزرگ صفت اور اللہ والے انسان تھے۔ابتدائی تعلیم خلیفہ انور علی، مولوی مقصود علی وغیرہ سے حاصل کی۔1899ء میں پھلواری شریف پٹنہ میں تشریف لائے اور خانقاہ مجیبیہ میں امیر شریعت مولانا محی الدین، اور شاہ سلیمان پھلواری سے کسب فیض کیا، کچھ دنوں بعد مدرسہ امدادیہ دربھنگہ تشریف لے گئے اور وہاں کے اساتذہ سے استفادہ کیا۔1901ء میں دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ تشریف لے گئے اور وہاں سات سالوں تک مختلف علوم وفنون کی تعلیم حاصل کی۔1913ء میں پونہ کے کالج میں استاذ مقرر ہوئے۔1940ء میں آپ کی علمی تصنیفی ادبی خدمات کے اعتراف میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی نے ڈاکٹریٹ کی اعزازی ڈگری سے سرفراز کیا۔عالم اسلام کو اور بطور خاص ہندوستان نیز ریاست بہار کو جن شخصیتوں پر ناز ہوسکتا ہے اور بجا طور پر اسے حق ہے کہ ان پر فخر کرے، ان میں علامہ کی ذات گرامی شامل ہیں۔بقول مولانا عبد الماجد دریابادی: ”آپ بہار کی بہار ہیں“، 18 رنومبر 1914ء کو جب علامہ شبلی کا انتقال ہوا تو اپنے استاذ کی ”سیرت النبی“ کو آپ نے اس شان سے تکمیل تک پہونچایا کہ اہل علم و دانش عش عش کر اٹھے، بلکہ بعض محققین کا تو خیال ہے کہ سیرت النبی کی وہ جلدیں جو آپ کے جاوید قلم سے ہیں۔وہ علامہ شبلی کے تحقیقات پر فوقیت رکھتی ہیں۔آپ کا اور ایک عظیم کارنامہ دار المصنفین اعظم گڑھ کا قیام ہے، آپ ہی نے اسی دار المصنفین سے ”معارف“ جیسا علمی ماہنامہ جاری کیا، جو آج بھی جاری ہے۔عرب و ہند کے تعلقات، حیات شبلی، ==

بارے میں فرمایا کرتے تھے ''کہ علامہ کشمیری علم کا ایک سمندر ہیں، جس کی اوپری سطح پرسکون ہے اور نیچے قیمتی موتیوں کا خزانہ جمع ہے۔(۱) جب کہ شیخ حسین بن محمد طرابلسی سے جب آپ کی ملاقات ہوئی تو شیخ نے آپ کو الشیخ الفاضل کے لقب سے مخاطب کیا۔ یہ علامہ کے جوانی کے دن تھے اور ابھی آپ کی شہرت کا آفتاب افق ہند سے باہر نہیں چمکا تھا۔(۲)

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہم اللہ فرمایا کرتے تھے؛ کہ علامہ انور شاہ اپنے علم میں بہت سے اساتذہ سے آگے نکل گئے۔ اور یہ بھی کہا کرتے تھے:

''میرے نزدیک اسلام کی حقانیت کی ایک دلیل علامہ انور شاہ کشمیری ہیں،
اگر اسلام میں ذرا بھی کھوٹ اور کجی ہوتی تو یہ شخص اسلام پر باقی نہیں رہتا۔'' (۳)

ایک موقع سے مشہور عرب عالم علامہ علی یمنی مصری؛ جن کو بلا تکلف حافظ حدیث کہا جا سکتا ہے، ہندوستان کے سیاحت کے دوران دار العلوم تشریف لائے۔ دار العلوم کے ذمہ داران اور اساتذہ کے اخلاق سے بے پناہ متاثر ہوئے، لیکن ان کا خیال تھا کہ بے چارے عجمی علم اور تبحر علمی کیا جانیں، خوش قسمتی سے ایک یمنی طالب علم کی یمنی کے ترغیب پر علامہ کے درس میں شریک ہوئے، سوئے قسمت کہ آج درس میں امام ابن تیمیہ پر ہی رد ہو رہا تھا۔ علامہ نے اس عرب مہمان کی رعایت میں عربی میں درس دیا، شیخ علی علامہ ابن تیمیہ کے غالی معتقد تھے۔ اب رد وقدح، جواب و جواب الجواب کا سلسلہ شروع ہوا، شیخ علی ایک ہفتہ درس میں شرکت کرتے رہے اور نقاش جاری رہا، ان کا پہلا تاثر تو یہی تھا؛ کہ پورے عالم اسلام میں اس شان کا عالم میری نگاہ سے نہیں

== رحمت عالم، نقوش سلیمان، حیات امام مالک، اہل السنہ والجماعہ، خیام، ارض القرآن، خطبات مدراس، دورس الادب، بہائیت، سیر افغانستان، مقالات سلیمانی، وغیرہ ان کی علمی شاہکاریں ہیں، جو آج بھی محققین کے لیے مرجع کی حیثیت رکھتی ہیں۔ تقسیم وطن کے بعد 1950ء میں پاکستان چلے گئے، حکومت پاکستان نے انہیں تعلیمات اسلامی کورٹ کا صدر مقرر کیا۔ حضرت تھانوی سے بیعت ہوئے، کچھ ہی دنوں میں مدارج سلوک طے کر لے اور خرقہ خلافت سے سرفراز ہوئے۔ 22 نومبر 1953ء میں 69 سال کی عمر میں اسلام کا یہ عظیم خادم علوم و معارف کا بحر مواج اپنے خالق سے جا ملا۔ کراچی میں محو استراحت ہیں۔ (دیکھئے: حیات سلیمان، از شاہ معین الدین ندوی، ط، دار المصنفین)

(۱) نفحة العنبر، ص: ۲۱۹

(۲) الإضافات اليومية: ۱۱۱/۲

(۳) نفحة العنبر، ص: ۱۱

گزرا، پھر جس دن شیخ علی دیو بند سے رخصت ہو رہے تھے تو طلبہ کے درمیان یہ اعلان فرمارہے تھے:
کہ اگر میں قسم کھالوں علامہ کشمیری امام ابوحنیفہ سے بڑے عالم ہیں، تو میں حانث نہیں ہوں گا۔(۱)
لیکن علامہ کشمیری کی سادگی اس تعریف کو برداشت نہ کرسکی اور طلبہ میں اعلان فرمایا؛ کہ شیخ مصری نے مبالغہ سے کام لیا ہے، امام صاحب کے مدارک اجتہاد تک ہماری رسائی ممکن نہیں ہے۔

علامہ کو جن لوگوں نے دیکھا اور جن خوش نصیبوں کو آپ کی درسگاہ سے فیضیاب ہونے کا موقع ملا۔ یا آپ سے استفادے کی صورت نکل آئی، انہوں نے کھل کر آپ کی علمی عظمت کا اعتراف کیا ہے۔ فقیہ النفس مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد، بانی امارت شرعیہ بہار(۲)، آپ کو علامۃ الدہر، فہامۃ العصر، فقیہ، محدث کے القاب سے یاد کیا کرتے تھے۔ جب کہ محدث کبیر اور آپ کے شاگرد مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی کہا کرتے تھے کہ میرے استاذ جیسا میں نے نہ کسی کو دیکھا اور نہ کسی کے بارے میں سنا۔(۳) سچ ہے:

"لیس علی اللہ بمستنکرٍ :أن یجمع العالم في واحدٍ"

☆☆☆

---
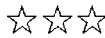
(۱) الانور ص: ۵۹۷

(۲) فقیہ النفس، مفکر اسلام، بیسویں صدی کے سب سے با اثر عالم دین حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد بہار کے پنہسہ ضلع نالندہ 1880ء میں پیدا ہوئے، ابھی صرف چار سال کے تھے کہ یتیمی کی سنت حصہ میں آئی۔ مدرسہ اسلامیہ بہار، مدرسہ سبحانیہ الہ آباد، دار العلوم دیوبند وغیرہ میں تعلیم حاصل کی۔ حضرت سجاد کی پوری زندگی دینی حمیت وغیرت، اتباع سنت، اعلاء کلمۃ اللہ کے جذبے اور تحریکات سے عبارت ہے۔ اللہ کے اس برگزیدہ بندہ کو کبھی چین کی زندگی نصیب نہیں ہوئی۔ تحریک عدم تعاون، تحریک خلافت، سائمن کمیشن کا بائکاٹ وغیرہ آپ کی زندگی کے روشن باب ہیں۔ حضرت سجاد نے 8ر ستمبر 1920ء کو برطانوی سامانوں کے بائکاٹ کا فتویٰ دیا اور ترک موالات تصنیف کی، اس فتوی پر پانچ سو سے زائد علماء کرام نے دستخط کئے۔ یہ فتویٰ جمیعت علماء ہند نے شائع کیا، حضرت سجاد انجمن علماء بہار، جمعت علماء ہند اور امارت شرعیہ کے بانی تھے۔ انہی کی فکر رسا نے ان تنظیموں کو وجود بخشا۔ آپ نے 1935ء میں مسلم آزاد پارٹی بنائی، اس پارٹی نے محض دوسال بعد 1937ء میں جناب یونس صاحب کی قیادت کیم اپریل 1937ء کو بہار میں حکومت سازی کی۔ 23ر نومبر 1940ء کو اللہ کا یہ برگزیدہ مجاہد رفیق اعلیٰ سے جاملا۔ پھلواری شریف میں آخری آرام گاہ ہے۔ (دیکھئے: کارواں رفتہ: اسیر ادروی ص 13۔ حیات ابوالمحاسن محمد سجاد، از اختر امام عادل)

(۳) حیات ابوالمآثر ص: ۶۴۵، مسعود احمد

باب سوم:
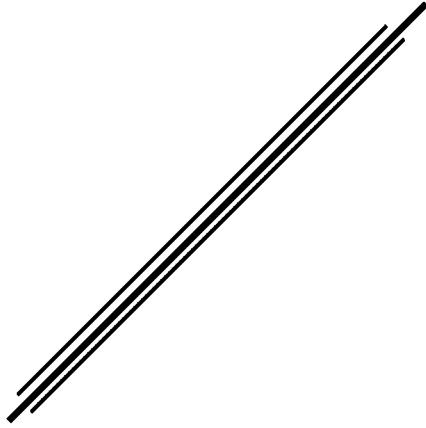
عربی زبان وادب کے میدان میں علامہ کشمیری کے فتوحات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علامہ کشمیری کا ادبی ذوق:

علامہ انور شاہ کشمیریؒ کا وقت کتابی دنیا میں گزرتا تھا۔ یا تو وہ کسی کتاب کے مطالعہ میں غرق پائے جاتے یا پھر طلبہ و اساتذہ کے درمیان علم کی موتیاں بکھیرتے نظر آتے، کبھی اپنے دوستوں کی محفل میں کسی علمی موضوع پر تحقیق کی دریا بہاتے نظر آتے، تو کبھی قادیانت کے خلاف کوئی منصوبہ بندی کرتے، یا کوئی رسالہ تحریر کرتے دیکھے گئے، یا پھر ان کی مصروفیت کا محور حدیث کی گتھیاں سلجھانا تھی۔ گویا ان کی پوری زندگی وادی علم کی سنگلاخ پہاڑیوں میں آبلہ پائی سے عبارت تھی۔ گو کہ آپ کا اصل موضوع علوم اسلامیہ اور علم حدیث تھا؛ لیکن آپ مملکت زبان وادب کے بادشاہ اور اقلیم شعر و سخن کے تاجدار بھی تھے۔ مختلف زندہ زبانوں پر آپ کو عبور حاصل تھا۔ فارسی زبان تو گویا ان کے بچپن کی رفیق ہی تھی۔ اس زبان میں آپ بچپن ہی سے بے تکلف گفتگو فرماتے، خوبصورت نثر نگاری اور عمدہ شاعری کرتے تھے۔ جاننے والے جانتے ہیں کہ علامہ کشمیری کی فارسی شاعری کی زلفوں کے اسیر ہندوستانی ہی نہیں بلکہ ایرانی بھی تھے۔ امیر خسرو، غالب، سعدی کی فارسی شاعری سے کسی بھی طرح آپ کے فارسی کلام کمتر نہیں ہیں، جو فارسی زبان و ادب کے پیچ و خم اور نشیب و فراز سے واقف ہیں انہیں بھی اس کا اعتراف تھا۔ اساتذہ فن بھی ان کے شعری کمالات پر سر دھنتے تھے؟ علامہ کشمیری کی فارسی شاعری پر اگر مستقل کام کیا جائے تو فارسی شاعری کی ایک نئی جہت سامنے آئے گی۔ علامہ کشمیری کا یہ شعر سنیئے اور ان کی فارسی دانی کے ملکہ پر سر دھنئے:

دوش چوں از بی نوائی ہم نوائے دل
عہد ماضی یاد کردہ سوئے مستقبل شدم
(۱)

"النور الفائض" آپ کی فارسی نظم مجموعہ ہے۔ کشمیری تو آپ کے گھر کی باندی ہی تھی۔ وادئ کشمیر میں آپ کے خطبات اور تقریریں، وعظ و نصیحت کشمیری زبان ہی میں ہوا کرتے تھے۔ حیرت تو یہ ہے کہ آپ کو اس زمانہ کے عام رواج کے خلاف اور انگریزوں سے نفرت کی فضا کے باوجود انگریزی زبان پر بھی عبور حاصل تھا۔ بلا تکلف گفتگو فرمایا کرتے تھے۔ انگریزی مصنفین کی

---

(۱) مجموعہ رسائل کشمیری، ص: ۳۷۴

کتابیں آپ کے زیرِ مطالعہ رہتی تھیں۔علامہ یوسف بنوری کہتے ہیں:

"وكان رحمهم الله حصل علىٰ اللغة الإنجليزية في نحوستة أشهرٍ حتىٰ قدرعلىٰ التحاور فيها والاستفادة من كتبها"(۱)

علامہ کشمیری کی کرشمائی ذہانت کی داستان آپ سن ہی چکے ہیں؛ لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ حضرت کشمیری انگریزی زبان بعد کو بالکل ہی بھول گئے تھے۔علامہ کے صاحبزادے مولانا انظر شاہ کشمیری نے نقشِ دوام میں لکھا ہے "ایک مرتبہ مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی کی مجلس میں بغداد یا مصر کے کسی کتب خانہ کے خاکستر ہو جانے کا ذکر آ گیا؛ تو علامہ عثمانی نے کہا کہ مجھے تو کوئی فکر نہیں، اگر دار العلوم کا کتب خانہ خدانخواستہ جل جائے، تو شاہ صاحب الحمدللہ جو موجود ہیں ہم ان سے لکھوالیں گے۔علامہ نے فرمایا: آپ حضرات میرے قوت حافظہ کی بات کر رہے ہیں، حالاں کہ انگریزی زبان میں پڑھی تھی، اب بھول چکا ہوں"۔

سچ ہے عیب اور کمی و کوتاہی سے پاک صرف اللہ کی ذات ہے۔وہی علیم و حفیظ ہے، جس کا علم کائنات کے ذرے ذرے کا احاطہ کیے ہوا ہے۔

رہی اردو زبان کی بات تو، یہ زبان آپ کی کنیز ہی تھی۔مدرسہ میں زیرِ تعلیم معمولی طلبہ کی اردو دانی سے کون واقف نہیں اور کشمیری تو کشمیری ہی تھے، ان کی اردو زبان کا کیا کہنا۔آپ طلبہ کو اردو اور انگریزی زبان میں عبور حاصل کرنے کی نصیحت کیا کرتے تھے، تاکہ زبان کی مجبوری دعوت دین کے آڑے نہ آئے۔آپ کے متعدد قصیدے، مدح، مرثیے اردو زبان میں ہیں۔اس کے علاوہ آپ کو عبرانی زبان پر بھی قدرت حاصل تھی۔آپ نے تورات کا مطالعہ اس کی اصل زبان عبرانی میں فرمایا۔(۲)

عربی زبان سے آپ کی محبت و دلچسپی کا یہ عالم تھا؛ کہ آپ دوسری زبانوں میں گفتگو کرنا یا اپنے دوستوں کو خطوط لکھنا بھی پسند نہیں کرتے، اور کہا کرتے تھے "میں اس لیے اردو زبان میں لکھنے پڑھنے میں سے اجتناب کرتا ہوں کہ میرا عربی کا ذوق خراب نہ ہو جائے"۔

"قد تجنبت عن القرأة في الأردوية والكتابة فيها، لئلا يفسد

---

(۱) نفحة العنبر، ص: ۸۷

(۲) نفحة العنبر، ص: ۸۸

ذوقي العربي والفارسي. حتىٰ لم يتوسع نطاق كتابتي في الرسائل إلىٰ الأصدقاء والمحبين من تينک اللغتين.''(۱)

عربی زبان پر انہیں ایسی قدرت حاصل تھی، کہ وہ اپنے قلم کو جیسے چاہتے اور جہاں چاہتے اپنے من چاہے مفہوم میں استعمال کرتے۔ ایسا محسوس ہوتا تھا، کہ الفاظ کی فوج درفوج آپ کے سامنے قطار بند کھڑی ہے اور آپ کو دعوت انتخاب دے رہی ہے۔ پھر جو لفظ کشمیری کے قلم سے ٹپکتا وہ اپنی قسمت پر رشک کناں ہوتا تھا۔ نہ کبھی اسلوب بیان نے انہیں پریشان کیا، نہ الفاظ کی قلت نے انہیں مجبور کیا۔ وہ اپنے خیالات وافکار اپنے اسلوب میں جس طرح چاہتے ڈھال لیتے۔ آپ نے کبھی بھی لکھنے کے لیے پہلے سے دادِ مشق نہیں دی، بلکہ جب ضرورت ہوئی اسی وقت قلم ہاتھ میں آیا اور علم کی موتیاں صفحہ قرطاس پر بکھرنے لگیں۔ آپ کا اسلوب نہایت ہی اعلیٰ اور علمی ہوا کرتا تھا۔ بعض دفعہ تو بڑے علماء کو بھی ان کی باتیں سمجھنے میں پریشانیاں ہوتی تھیں۔ انہیں پریشانیوں نے ان کے شاگردوں کو مجبور کیا کہ وہ اپنے استاذ کی علمی اسلوب میں بکھیرے ہوئے جواہر پارے کو عام فہم اسلوب اور آسان زبان میں اہل علم کے سامنے پیش کریں۔ میکدہ انوری کے بادہ خواروں میں مولانا یوسف بنوری، مفتی محمد شفیع صاحب، مولانا بدر عالم میرٹھی جیسے اکابر علماء نے آپ کی کتابوں پر حواشی لکھے، اس کی تسہیل کی؛ تاکہ عام قارئین کی دسترس میں آسکے۔

علامہ کشمیری عربی فضا اور عربی و اسلامی ملکوں سے دور ہندوستان میں پیدا ہوئے، لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان کی روح میں عربیت رچی بسی تھی۔ وہ عربی زبان میں اس طرح گفتگو کرتے جیسے کوئی عرب بول رہا ہو۔ سچ تو یہ ہے کہ وہ عربوں سے زیادہ فصیح زبان میں گفتگو فرمایا کرتے تھے، جس کا اعتراف خود عربوں کو تھا۔ اگر لکھنے کی بات کی جائے تو اس میدان میں بھی وہ عرب علماء پر فوقیت رکھتے تھے۔ متعدد زبانوں پر قدرت کے باوجود آپ نے اپنے فکر و تحقیق کی زبان عربی کو بنایا۔ اس زبان سے انہیں بے پناہ محبت تھی، کیوں کہ عربی قرآن کریم اور محبوب دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب کی زبان ہے۔

علامہ کشمیری کی عربی زبان پر قدرت کا اندازہ ان کے ان ''مقامات'' سے کیا جا سکتا ہے:

---

(۱) الأنور، ص: ۳۱

کہ جو آپ کی رشحات قلم کی رہین منت ہیں۔ان مقامات کو آپ نے حریری کی طرز پر لکھا ہے۔ان میں بعض مقامات منقوط ہیں جب کہ چند غیر منقوط ہیں۔ان مقامات میں آپ نے الفاظ کی پرشکوہ اور بلند بالا عمارتیں کھڑی کی ہیں؛تو امثال وحکم کا ذخیرہ بھی جمع کر دیا ہے۔آپ کے یہ مقامات صناعت تحریر، بھاری بھرکم الفاظ کے استعمال اور سلاست میں کسی بھی طرح ابومحمد قاسم حریری وغیرہ کے مقامات سے کمتر نہیں ہیں۔آپ کے شاگرد مولانا یوسف بنوری تحریر کرتے ہیں:

”إن الشيخ أنشأ مقامات عديدة علىٰ نهج الحريري منها منقوطة كلّها وغيرمنقوطة كلّها، ومنها كمقامة المراغية الخيفاء ما يدل علىٰ تغلغله في دقائق اللغة وصنائع التحرير وبدائع الإنشاء.“(۱)

خطابت:

طلاقت لسانی کا یہ عالم تھا کہ سننے والا ورطہ حیرت میں گم ہو جاتا تھا،وہ کشمیری کے سحر کلام میں اس طرح گرفتار ہوتا کہ رہائی ممکن نہیں ہوتی،اگر یہ چیز صحیح ہوسکتی ہے،تو کہہ دیجئے کہ اسے سانپ سونگھ جاتا تھا۔عربوں کو بھی آپ سے گفتگو کرتے ہوئے جھجک محسوس ہوتی۔آپ کے شاگرد شیخ احمد رضا بجنوری خود آپ کا قول نقل کرتے ہیں:

”قد أقمت في الحرمين الشريفين، لكن سكانهما كلّهم كانوا أقل فصاحة مني بالتحديث في اللغة العربية. إلا عالماً من بغداد كان يسافرمعي في السفينة غيرأنه أيضاً كان يتكلف في النطق والتحديث. وصاحب ” الرسالة الحميدية“ الذي عاش معي كان يجيب علىٰ أسئلتي بتكلف بعد التأمل والتفكر.“(۲)

علامہ کشمیری عربی زبان کے ایک سحر طراز خطیب تھے،ان کی زبان سنت ہارونی کے پیروکار اور لحن داؤدی کی امین تھی۔انہوں نے متعدد مواقع پر اپنے خطابت کے جادو سے سامعین کو مسحور کیا۔آپ کی تقریریں”إن من البيان لسحراً “ کی جیتی جاگتی تفسیر تھیں۔مبدأ فیاض،خالق منطق الطیور نے

(۱) نفحة العنبر،ص: ۱۸۰

(۲) ملفوظات کشمیری،ص: ۲۵۸

ایسا جوہر عنایت فرمایا تھا کہ نئی نئی تعبیریں اور نت نئے الفاظ ان کی زبان پر اٹھکھیلیاں کیا کرتے تھے۔

آپ کی زبان سے جب علم وفکر کے چشمے ابلنے لگتے، تو بڑے بڑے اصحاب فکروفن اور شہسواران زبان وادب کو اپنی صراحی سرنگوں کرنے کے علاوہ کوئی جا نظر نہیں آتی تھی، ہر کوئی اپنا کشکول آگے بڑھا دیتا اور اپنے ظرف کے مطابق سوغات علم سمیٹ لیا کرتے تھا۔ مولانا عبد الماجد دریابادی (۱) آپ کی خطابت اور تقریر پر اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"فکلمته مع طول حجمها کلمة تذکرة بالقراء ۃ و السماع"۔

آپ کی خطابت اور طلاقت لسانی کی بہترین مثال آپ کی وہ تقریر ہے؛ جو آپ نے علامہ رشید رضا مصری کی دار العلوم آمد پر جلسہ استقبالیہ میں فرمائی تھی، یہ تقریر کیا ہے، علم حدیث کے سلسلے میں احناف کے نقطۂ نظر، اصول حدیث، اصول فقہ کے اصول پر ایک بہترین علمی لکچر ہے۔ اس تقریر میں علامہ نے ایک طرف جہاں دار العلوم کے منہج تدریس، مختلف روایتوں کی تطبیق اور حدیث کے ردوقبول میں احناف کا طریقہ کار جیسے علمی موضوع پر اپنے خیالات کا اظہار فرمایا اور اسے قرآن و حدیث سے مدلل فرمایا، وہیں خطابت کے جوت بھی جگائے۔ آپ کی تقریر سن کر علامہ رشید رضا

---

(۱) البیلے طرز انشاء کے موجد، ادیب، مفسر، نقاد، دینی وعصری علوم کے سنگم حضرت عبد الماجد دریابادی کی ولادت 16 / مارچ 1892ء / 16 / شعبان 1309ھ کو دریاباد ضلع بارہ بنکی میں ہوئی۔ مولانا دریابادی کے والد مولوی عبد القادر ڈپٹی کلکٹر تھے۔ جب کہ آپ کے دادا مفتی مظہر کریم دریابادی انگریزی سرکار خلاف شمشیر برہنہ تھے، انہوں نے برطانوی حکومت کے خلاف کے فتویٰ پر دستخط کیا؛ جس کے جرم میں 1857ء میں جزیرہ انڈمان میں قید ہوئے، چودہ سالوں تک جیل میں رہے۔ مولانا دریابادی مختلف ملی تنظیموں، تحقیقی اداروں سے وابستہ رہے۔ تحریک خلافت، رائل ایشیاٹک سوسائٹی لندن، ندوۃ العلماء لکھنؤ، دار المصنفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ، دار العلوم دیوبند علی گڑھ مسلم یونیورسیٹی، دائرۃ المعارف عثمانیہ وغیرہ کے آپ رکن، سرپرست اور ذمہ داروں میں تھے۔ مولانا کا تاریخی کارنامہ ان کی تفسیر "تفسیر ماجدی" ہے۔ یہ تفسیر اردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں ہے۔ تفسیر جدید تعلیم یافتہ طبقہ کے لیے نہایت موثر ہے۔ انہوں نے یہ تفسیر اسلام پر مستشرقین کے اعتراضات کو سامنے رکھتے ہوئے لکھی ہے۔ تفسیر میں ان اعتراضات کا جواب خود بائبل اور مستشرقین کی کتابوں سے دیا گیا ہے۔ مولانا دریابادی حضرت حسین احمد مدنی سے بیعت تھے، جب کہ حضرت تھانوی کے دست گرفتہ تھے۔ 6 / جنوری 1977 / 15 محرم 1397ھ کو جمعرات کے دن ٹھیک فجر سے پہلے لکھنؤ میں وفات ہوئی۔ تدفین ان کے آبائی قبرستان دریاباد میں ہوئی۔ مولانا دریابادی کے علم ریز قلم سے درجنوں کتابیں وجود میں آئیں، فلسفہ اجتماع، فلسفہ جذبات، ذکر رسول، انشاء ماجد، محمد علی ذاتی ڈائری کے چند ورق، وفیات ماجد، حکیم الامت نقوش و تاثرات، بشریت انبیاء علیہ السلام، نشریات ماجد، سفر حجاز، اکبرنامہ وغیرہ آپ کی قلمی یادگار ہیں۔ (دیکھئے: آپ بیتی، از مولانا عبد الماجد دریابادی)

مصری نے برجستہ کہا کہ میں نے اس جیسا عالم نہیں دیکھا۔ طرف تماشہ یہ کہ یہ تقریر علامہ نے پیشگی تیاری کے بغیر برجستہ فرمائی تھی۔ اس مجلس میں نہ صرف علامہ رشید رضا مصری ایسے عظیم محقق اور عالم دین تھے، بلکہ آپ کے اساتذہ بھی تشریف فرما تھے۔ آپ کی تقریر سن رہے تھے اور حیرت و استعجاب کے سمندر میں ڈوبے جا رہے تھے۔ خود رشید رضا مصری بھی اس قدر متاثر ہوئے کہ انہوں نے واپسی پر اپنے مجلّہ ''المنار'' میں علامہ کشمیری کی بے انتہا تعریف کی۔ جی چاہتا ہے کہ علامہ کے اس تقریر کو انہیں کے الفاظ میں نقل کر دیا جائے، تاکہ عربی زبان پر علامہ کی قدرت کا ایک نمونہ سامنے آسکے، اس لیے بھی اس تقریر کو نقل کرنا ضروری خیال ہوتا ہے کہ یہ ایک تبرک ہے۔ اور اس لیے بھی کہ اس تقریر سے متعارض روایتوں کے درمیان تطبیق نیز فقہ و حدیث کی مطابقت میں امام ابوحنیفہؒ کا منہج استنباط، دوسرے فقہاء کے مقابلہ میں حضرت امام کا امتیاز و تفوق، دار العلوم کا عمومی ذوق، تحقیق مناط، تخریج مناط، تنقیح مناط کے نادر اور نایاب تفصیلات کی امانت اگلی نسلوں تک منتقل ہو سکے، تو لیجئے میں آپ کو علامہ کشمیری کی مجلس میں چھوڑ رہا ہوں۔

''الحمد للّٰہ وکفیٰ و سلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ.

یقدم الخویدم في الحضرة السامية تحية الإسلام، حياكم اللّٰه تعالىٰ؛ إنا أنسنا منكم مخائل للكرم، والاعتناء بحالنا، وأحسسنا نهضة إسلامية عطفت عليكم وعلينا، و أنا أحوج إليكم منكم إلينا.

هؤلاء أساتذتي وأكابري و ذخائري عند اللّٰه في يومي وغدي، أمروني بأن أمثل لكم شكراً علىٰ اسداء الخير و تشريفكم إيّانا بالقدوم المبارك أحسن اللّٰه إليكم وإلينا، ورفع درجاتكم في الدين و الدنيا و الآخرة، آمين و به نستعين.

النسب العلمي:

مولانا إنّ حديثنا حديث ذو شجون، الشيء بالشيء يذكر، إن بلادنا هذه علىٰ شقة بعيدة و مسافة شاسعة من بلاد الإسلام، مثل ''الحجاز'' و العراق'' و '' والشام'' و ''مصر'' فكانت شعائر الإسلام علىٰ وهن، و منار العلم على خفاء إلا ما شاء اللّٰه و

قليل ماهم، وإن عصابتنا هٰذه عصابة علىٰ طريقة قديمة ليست بحديثة، إسنادنا في الدين متصل بالصدر الكبير، و البدر المنير، و الإمام الشهير، الشيخ الأجل وَلِيُ اللّٰه بن عبد الرحيم الفاروقي الدهلوي، وحال الشيخ أظهرمن أن يذكر فقد شرقت تصانيفة و غربت، لكن بعض أحوال الشيخ يحتاج إلىٰ أخبار شفاهية و واقعات تلقيتها من مشايخنا.

كان من أمر الشيخ رحمه اللّٰه أنه أتقن العلوم الدينية و مبادئها أولا علىٰ والده العلامة الشيخ الهمام عبد الرحيم، ثم رحل إلىٰ الحرمين زادهما اللّٰه شرفاً وتكريماً. واستفاد من علمائهما و فقهائهما،و لازم الشيخ أبا طاهرالكردي، في الحديث واجتهد فيه حتىٰ صار الطرد والعكس في الباب، وكان الشيخ أبوطاهر يقول: "تلقن الألفاظ منا ونحن تلقينا المعنىٰ منه" يريد بذالک تبين معنی الحديث و تعيين مراد الشارع، ثم رجع الشيخ ولي اللّٰه(۱) إلىٰ

---

(۱) امام المحدثین، مسند ہند ولی اللہ احمد بن عبد الرحیم بن وجیہ الدین بن منصور فاروقی کی ولادت باسعادت 1114ھ/1703ء کو دہلی میں ہوئی۔ آپ کا دادیہالی سلسلہ نسب امیر المومنین عمر بن خطابؓ سے ملتا ہے، جب کہ آپ کی والدہ کا نسب امام موسیٰ کاظم تک پہنچتا ہے۔ آپ کے والد اس کمیٹی کے رکن تھے، جنھوں نے اورنگ زیب عالم گیرؒ کے دور میں "فتاویٰ ہندیہ" کی تدوین کا تاریخی کارنامہ انجام دیا۔ آپ کے والدمحترم ہندوستان کے ممتاز علما اور مشائخ میں تھے۔ آپ نے فارسی، عربی کے علاوہ مشکاۃ شریف، بخاری، شمائل ترمذی، تفسیر بیضاوی، تفسیر نسفی اور ہدایہ وغیرہ اپنے والدمحترم سے پڑھی۔ 17 سال کی عمر میں 1134ھ میں حرمین شریفین کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے، بلاد حرمین میں دو سالوں تک آپ کا قیام رہا۔ مدینہ منورہ میں آپ نے شیخ ابوطاہر محمد بن ابراہیم کردی سے بخاری، صحیح مسلم، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، موطا امام مالک، مسند احمد، مسند دارمی، وغیرہ ٹھیک اس جگہ پڑھی جہاں محراب عثمانی روضہ اطہر سے متصل واقع ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مقاصد شریعت اور احکام شریعت کی حکمتوں، یعنی "اسرار شریعت" میں یدِ طولیٰ بخشا تھا، امام ولی اللہ دہلوی برصغیر میں قافلہ علم حدیث کے سالار رہیں۔ برصغیر کی تمام تر سندوں کا اتحاد آپ کی ذات ہے۔ ہندوستان میں علم حدیث کی شمع آپ ہی کے ذات سے روشن ہوئی، آپ ہی کے خانوادے نے اس کی آبیاری اپنے خون جگر سے کی۔ آپ نے ذخیرہ حدیث کے مطالعہ سے اسرار شریعت کے بنیادی اصول مقرر کئے۔ ان کا یہ کارنامہ، ان کی بے نظیر کتاب "حجۃ اللہ البالغۃ" میں نظر آتا ہے۔ یہ کتاب پوری دنیا کے اہل علم کے لیے مرجع ہے۔ امام ولی اللہ کو موطا امام مالک سے خاص شغف تھا، آپ موطا کو علم حدیث کی بنیادی کتاب قرار دیتے تھے۔ انہوں نے موطا امام مالک کی شرح لکھی، ==

بـلاده، و اشتـغـل بإصلاح ما أفسد الناس من سنة النبيّ الكريم صلى اللّٰـه عـليـه وسـلـم، وكان اللّٰه أودع في صدره نوراً ينظر به عواقب الأمور، فتفرس أنه ستقوم الحرب بين الحق و الباطل، فاستعد رحمه اللّٰـه لـلـدفـاع عـن الـدين و الذب عنه، فمما أعد لذالک أن ترجم (مـعـاني) القرآن العزيز باللغة الفارسية سماه: ”فتح الرحمن“ جرده عـن الإسـرائـيـلـيـات بـأثـرها، أراد بذالـک تـمهيد التوحيد، ثم شرح ”الموطأ“ لمالـک رحمه اللّٰه و سماه: ”المسوىٰ“ على طريقة فقهاء الـحـديـث مـع تـحقيق المناط و تنقيحه و تخريجه. أريد بذالـک ما اصطلح عليه علماء الأصول.

تحقيق المناط:

فتـحـقـيـق المناط أن يصدر حكم من الشارع في صورة جزئية ثم يثبت و يـحـقق ذالک في سائر الجزئيات من نوع تلک الصورة، مثاله: تـقـويـم جـزاء الـصـيـد، فتعرف القيمة في جزءٍ هو تـحقيق المناط، وليس ذالک بقياس، فلذا يشترک فيه الخاص والعام و لايحتاج إلىٰ الاجتهاد.

تنقيح المناط:

وتـنـقـيـح الـمـنـاط أن يصدر حكم من الشارع في صورةقد اجـتـمعت هناک أمور، واتفقت بعض تلک الأمور في مناط ذالک الـحـكـم و بعضها لا دخل لها فيه، فتعرف الأمر الذي هو العلة تنقيح

== عربی شرح کا نام ”المسویٰ“ ہے، یہ کتاب مفصل ہے۔ مختصر شرح فارسی میں ”المصفیٰ“ کے نام سے ہے۔ حدیث میں ان کا اہم کام شرح تراجم ابواب البخاری کا ہے۔ اس کے علاوہ فن حدیث میں ان کی ”النوادر من أحاديث السيد الأوائل والأواخر“ اور ”الأربعين“ ہے۔ لیکن ان کی سب سے شاہ کار تصنیف ”حجة الله البالغة“ ہے، جس کی نظیر اسلامی لٹریچر میں ملنی مشکل ہے۔ اس کے علاوہ ”الخير الكثير“ ”قرآن کریم کا فارسی ترجمہ ”فتح الرحمن“، ”الفوزالكبير“، ”أطيب النعم في مدح العرب والعجم“ ”إزالة الخفاء عن تاريخ الخلفاء“، ”قرة العين في تفضيل الشيخين“ ”الإنصاف في بيان أسباب الاختلاف“ وغیرہ ان کی اہم تصنیفات ہیں۔

29 محرم 1176ھ/1762ء کو دہلی میں علم حدیث اور اسرار شریعت کا یہ امام اپنے مالک حقیقی سے جاملا اور دہلی ہی میں آسودۂ خواب ہیں۔ (دیکھئے: نزہۃ الخواطر: 6/856، شیخ الاسلام ولی اللہ بن عبدالرحیم، ص 1391-1386، محمد بن حسین)

المناط، مثاله: ما في الحديث عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: أتى رجل النبي صلى اللّٰه عليه وسلم فقال: هلكت! قال: "ماشأنک؟" قال: وقعت على امرأتي في رمضان، قال: "فهل تجد ما تعتق رقبة؟" قال: لا، قال: "فهل تستطيع أن تصوم شهرين متتابعين؟" قال: لا، قال: "فهل تستطيع أن تطعم ستين مسكيناً؟" قال... الحديث(۱).

فنقح أبو حنفية و مالک مناط ذالک الحكم لوجوب الكفارة كون ذالک الفعل مفطراً. كان جماعا– كما في هٰذه الصورة– أو أكلا أو شرباً بعد إن كان عمداً، فكونه جماعاً، في هٰذه الصورة أمر اتفاقي كسائر الإتفاقات، وذهب أحمد و الشافعي إلىٰ أن المناط هو كونه جماعاً، فلا يعدو الحكم إلىٰ الأكل والشرب، واحتج بحديث آخر عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه و سلم: "من أفطر يوماً من رمضان في غير رخصة رخصها اللّٰه لم يقض عنه صيام الدهر." (۲) حمله علىٰ الأكل والشرب عامداً، وقال: لم يقض عنه صيام الدهر.

تخريج المناط:

وتخريج المناط أن يصدر حكم من الشارع في صورة تجتمع هناک أمور يصلح كل واحد منها للعلة، فيرجح المجتهد أمرا من بين تلک الأمور ويجعله مناطاً، مثاله: حديث النهي عن الربا في الأشياء الستة، اجتمع هنا أمور: القدر، والجنسية، و الطعم، والثمنية و الاقتيات، و الإدّخار، فذهب أبو حنيفة إلىٰ أن مناط الحكم هو الوصف الأول، والشافعي إلىٰ أنه الثاني ومالک إلىٰ أنه الثالث، علىٰ ما أدّىٰ إليه اجتهادهم.

---

(۱) پوری روایت اس طرح ہے۔ قال اجلس مجلس فأتي النبي صلى اللّٰه عليه وسلم بعرق فيه تمر–والعرق المكل الضخم–قال خذ فتصدق به. قال أعلى أفقرنا؟ فضحک النبي صلى اللّٰه عليه و سلم حتىٰ بدأت نواجذه قال أطعمه عيالک. (بخاری رقم الحديث: ٦٧٠٩، ومسلم برقم: ١١١١)

(۲) تخريج مشكل الآثار، رقم الحديث: ١٥٢٣، شعيب أرناؤوط

فالفرق بين تحقيق المناط وتخريجه أن في الأول اجتمعت أمور لا دخل لها مع المناط، فنقح المجتهد المناط، وفي الثاني اجتمعت أمور كل منها صالح لأن يكون مناطاً، فرجح المجتهد أحدها لأن يكون مناطاً، و تنقيح المناط و تخريجه وظيفة المجتهد يزاحم فيه بعضهم بعضا.

ومن الأمثلة فيه أيضاً حديث" مفتاح الصلاة الطهور وتحريمها التكبير وتحليلها التسليم" (١) فذهب أكثر الأئمة إلىٰ ركنية صيغة التكبير و التسليم، و خرج أبو حنيفة المناط فيه كون الأول ذكرا مشعراً بالتعظيم، وكون الثاني خروجاً بصنع المصلِّي، وقال بفرضية هٰذين، لكن ثبت مواظبة النبى صلى اللّٰه عليه وسلم علىٰ صيغة التكبير وصيغة التسليم فيكونان واجبين.

وقد التزم الشيخ ابن الهمام وجوب صيغة التكبير، و المشهور أنه سنة، وقد تحقق فيهما. الذكر المشعر بالتعظيم و الخروج بصنع المصلِّي، كتحقق الكلي في الجزئي فليكونا فرضين، وعلىٰ هٰذا القياس أمثلة كثيرة، فهٰذا ما راعاه الشيخ ولي اللّٰه في شرح "الموطأ" و اختار فيه أيضاً فقها جامعاً.

الحق واحد أو متعدد:

وقد حقق الشيخ أيضاً في كتابه "الإنصاف في بيان أسباب الاختلاف" و"عقد الجيد في مسائل الاجتهاد و التقليد" أن الحق في موضع الاجتهاد متعدد، و حكاه عن الأئمة الأربعة و ارتضاه، وأريد بموضع الاجتهاد أن لايكون هناك كتاب ولاسنة متواترة، فالحق هناك متعدد، وإذا كان هناك قاطع؛ فليس بموضع اجتهاد، و الحق هناك واحد، وهو الموافق لذالك القاطع، فمن

(١) سنن الترمذی،حدیث نمبر:٢٣٨،عن أبی سعید الخدری،أبو داؤد،حدیث نمبر: ٦١، عن علی بن أبی طالب

وافقه وافق الحق، ومن خالفه خالف الحق.

الإمام ولي الله الدهلوي وأخلافه:

وصنف الشيخ رحمه الله في حكم التشريع والعقائد الحقة تصانيف صارت لكل آت نبراسا و مقياسا، منها " حجة الله البالغة " والبدور البازغة" و "التفهيمات الإلٰهية" و" الخير الكثير" وغير ذالک، ثم تبعه علىٰ ذالک أولاده وأحفاده، فمن أولاده: الشيخ الأجل والصدر الأكمل الشيخ عبد العزيز (۱)، ثم الشيخ رفيع الدين (۲)، ثم الشيخ عبد القادر (۳)،ثم خلف الشيخ عبد العزيز

---

(۱) سراج الہند شاہ عبد العزیز محدث دہلوی امام ولی اللہ کے بڑے صاحبزادے تھے۔25 رمضان المبارک 1159ھ/ 11 اکتوبر 1746ء کو منگل کے دن دہلی میں پیدا ہوئے۔آپ کا تاریخی نام غلام حلیم ہے۔آپ نے تمام تر علوم اپنے والد ماجد اوران کے خلفاء سے حاصل کیے۔شاہ محمد پھلتی اور مولانا محمد امین سے کسب فیض کیا۔کم عمری میں حفظ قرآن کریم کا شرف حاصل کیا،صرف 15 سال کی عمر میں رسمی علوم سے فراغت حاصل کرلی۔ابھی زندگی کی 17 بہاریں ہی دیکھی تھی کہ عظیم باپ کا سایہ سر سے چھن گیا۔اور مدرسہ ولی اللٰہی کے تمام تر ذمہ داری آپ کے کندھوں پر آپڑی۔آپ نے نہ صرف اپنے والد کے علوم کی اشاعت کی، بلکہ فکر ولی اللٰہی کے شجر سایہ دار کی آبیاری اپنے خون جگر سے کی۔آپ کو خلافت واجازت اپنے والد سے حاصل تھی۔80 برس کی عمر میں 9 شوال 1239ھ/1823ء کو اتوار کے دن جان جان آفریں کے حوالہ کردی۔آپ کی وفات پر مختلف شعراء نے قطعہ تاریخ وفات کہی۔شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کی تصنیفات میں ''تحفہ اثناعشریہ'' (فارسی)، عجالہ نافعہ (فارسی) بستان المحدثین (فارسی) فتاویٰ عزیزی، سر الشہادتین تفسیر فتح العزیز ہے۔لیکن افسوس کہ صرف چار جلدیں تفسیر کی ملتی ہیں۔اس کے علاوہ بلاغت، علم کلام، منطق اور فلسفہ میں بھی آپ نے متعدد رسالے فارسی اور عربی میں تصنیف فرمائے۔(نزہۃ الخواطر: 7/ 274، از عبد الحی)

(۲) علوم ولی اللہی کے امین ومحافظ شاہ رفیع الدین عبد الوھاب بن شاہ ولی اللہ کی ولادت 1163ھ/1749ء میں ہوئی۔اپنے بڑے بھائی شاہ عبد العزیز سے علوم ظاہری کی تکمیل کی، جب کہ علوم باطنی اور تصوف کے مراحل شیخ محمد عاشق بن عبید اللہ پھلتی کی فیض صحبت میں طے کیے۔شاہ رفیع الدین کو فارسی اور اردو دونوں زبانوں پر قدرت حاصل تھی، دفع الباطل، أسرار المحبۃ، آپ کی اہم تصنیفیں ہیں، لیکن آپ کا سب سے بڑا کارنامہ قرآن کریم کا تحت اللفظ ترجمہ ہے۔برصغیر میں آپ کی شہرت قرآن کریم کا پہلے لفظی اردو ترجمہ کی وجہ سے ہے، یہ ترجمہ آپ نے 1200ھ میں مکمل کیا۔ترجمہ قران کے علاوہ قرآن کریم کی مختصر تفسیر بھی ہے، جو تفسیر رفیع کے نام سے علمی حلقوں میں معروف ہے۔اس کے علاوہ راہ نجات بھی آپ کی قابل ذکر تالیف ہے۔ 67یا68 سال کی عمر میں 1818ء/1233ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔(تفصیل کے لیے دیکھیے: نزہۃ الخواطر: 7/ 182، از عبد الحي لکھنوی، تذکرہ علماء ہند: رحمٰن علی ص203)

(۳) شاہ عبد القادر امام ولی اللہ دہلوی کے تیسرے فرزند ہیں۔آپ کی ولادت 1166ھ/ 1753ء کو دہلی میں ہوئی۔ ==

حفيده مفيد العصر و مسنده المشتهرفي الآفاق الشيخ محمد إسحاق (١)، و ابن أخيه محي السنة العلامة الجليل الشيخ محمد إسماعيل (٢)، و كان الشيخ عبد العزيز يتلو: (الحمد لله الذي وهب لي علىٰ الكبر إسماعيل وإسحاق)

نفع الله بهما هٰذه البلاد، درس الشيخ محمد إسحاق حديث

== بچپن اپنے عظیم والد کے سایہ میں گزرا لیکن ابھی 9 ر سال ہی کے تھے کہ والد محترم کا انتقال ہو گیا، والد کے انتقال کے بعد اپنے بڑے بھائی شاہ عبد العزیز، شاہ محمد اسحاق اور دوسرے علما سے رسمی تعلیم کی تکمیل کی۔ آپ نے شاہ عبد العدل سے طریقت کی تعلیم حاصل کی۔ دہلی کے اکبر آبادی مسجد میں اپنی مسند درس بچھائی، آپ نے اپنی پوری زندگی اسی مسجد کے ایک حجرہ میں گزاری، یہیں سے آپ کا فیض عام ہوا، آپ کے شاگردوں میں عبد الحی گڈھانوی، شاہ اسماعیل دہلوی، علامہ فضل حق خیر آبادی، اسحاق دہلوی جیسے فکر و عمل کے اساطین ہیں۔ ان کے علاوہ ہزاروں لوگوں نے آپ سے کسب فیض کیا۔ علم و عمل، فقہ و فتاویٰ، زہد و قناعت اور بطور خاص قرآن کریم سے شغف آپ کی زندگی کا امتیاز ہے۔ ''موضح القرآن'' آپ کی علمی یادگار ہے۔ یہ ترجمہ دوسرے اردو ترجموں کے لیے بنیاد ثابت ہوا۔ 63 ر سال کی عمر میں 19 ر رجب 1230ھ/ 1814ء کو دہلی میں وفات پائی اور اپنے جد امجد شاہ عبد الرحیم کے پہلو میں مدفون ہوئے۔ (دیکھئے: تاریخ دعوت و عزیمت: ۵/۵۸۶، از ابو الحسن علی حسنی ندوی)

(۱) شاہ عبد العزیز کے علوم و معارف کے امین اور ان کے علمی جانشین امام ولی اللہ کے نواسے شاہ محمد اسحٰق دہلوی کی ولادت 4 ر نومبر 1783ء کو دہلی میں ہوئی۔ فکر ولی اللٰہی اور علوم شاہ عبد العزیز کی اشاعت نیز علم حدیث کی ریاست شاہ عبد العزیز کی وفات کے بعد آپ ہی کے حصہ میں آئی۔ 1239ھ سے 1258ھ تک دہلی میں اور 1258ھ سے 1262ھ تک حجاز مقدس میں علم حدیث کے درس و تدریس کی خدمت انجام دی۔ برصغیر اور حجاز کے ہزاروں علماء نے آپ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ 27 ر رجب 1262ھ میں مکہ معظمہ وفات پائی۔ سید نذیر حسین دہلوی اور علامہ احمد علی سہارنپوری جیسے محدث آپ ہی کے تلامذہ ہیں۔ فتاویٰ شاہ محمد اسحاق دہلوی المعروف مئاۃ مسائل، ان کی علمی یادگار ہے۔ (دیکھئے: تاریخ دعوت و عزیمت: 5/ 80-379)

(۲) نامور محدث عظیم مجاہد شاہ اسماعیل شہید بن شاہ عبد الغنی امام ولی اللہ دہلوی کے پوتے ہیں، آپ کی ولادت 12 ر ربیع الأول 1193ھ/ 29 ر اپریل 1779ء کو دہلی میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی۔ صرف آٹھ سال کی عمر میں حافظ قرآن بن گئے۔ والد کے انتقال کے بعد حضرت شاہ عبد القادر اور شاہ عبد العزیز سے علوم کی تکمیل کی اور صرف پندرہ سال کی عمر میں تعلیم سے فارغ ہو گئے۔ سکھوں کے خلاف جہاد میں سید احمد شہید بریلوی کے آپ دست راست تھے؛ اسی جنگ میں ہزارہ میں شہید ہوئے اور بالاکوٹ میں سید احمد شہید کے ساتھ مدفون ہیں۔ ''تقویۃ الایمان'' منصب امامت، صراط مستقیم، عبقات، اصول فقہ، تنویر العینین فی اثبات رفع الیدین وغیرہ آپ کے علم و فضل اور قلم کی یادگار ہیں۔ 6 ر مئی 1831ء میں 52 ر سال کی عمر میں جام شہادت نوش کی۔ (دیکھئے: تاریخ دعوت و عزیمت: 5/ 377، آثار الصنادید، سر سید احمد خان، ص 81)

النبي صلى اللّٰه عليه وسلم فصار رحلة الأقطار، وصنف الشيخ محمد إسماعيل كتباً في الفرق بين السنة و البدعة الظلماء فأحيا السنة حين كانت اميتت، ومات شهيداً رحمه اللّٰه ، وقد تلمذ علىٰ الشيخ محمد إسحاق شيخ مشايخنا عبد الغني،صار مدارالرواية في عصره،و ارتحل آخرا إلىٰ المدينة الطيبة وصار سند تلك البلاد و كثرالأخذ عنه هناك.

الشيخ النانوتوي و الشيخ الكنكوهي:

وتلمذ علىٰ الشيخ عبد الغني شمس الإسلام و المسلمين العارف الحافظ المحقق الشيخ محمد قاسم النانوتوي، مؤسس هٰذه المدرسة العالية وبانيها، والفقيه الحافظ المجتهد الولي الشيخ رشيد أحمد.

صنف الشيخ محمد قاسم كُتُباً في الرد على المخالفين من الماديين والدهريين، فنفع اللّٰه به كثيراً، وقد كنت انشأت في منقبته قصيدة أوّلها:

قفا يا صاحبي علىٰ الديار ☆ فمن دأب الشجي هو ازديار

وكثرت الفتيا، وازدحمت المسائل على الشيخ رشيد أحمد حين التبس الحق بالباطل، فأجاب فيها بالصواب، كان فقيها مجتهداً، فأخذنا ذالك إماماً في الأصول، وهذا إماماً في الفروع و تنقح لنا منهما علم منقح مبيض.

تاسيس جامعة دار العلوم:

ثم لما استولت الأجانب علىٰ هذه البلاد وقامت الحرب بين الحق والباطل، أسس الشيخ محمد قاسم هذه المدرسة العالية، فنفع اللّٰه بها كثراً، جزاه اللّٰه خيرالجزاء.

وغاية المدرسة درس الحديث وفقه الحديث، وكان يرىٰ أن المبادئ ضرورية، و الضرورة يتقدر بقدر الضرورة، حتىٰ أن الشيخ رشيد أحمد حظر الفلسفة و حجر عنها في بعض السنين هذه المدرسة.

فهٰذا إسنادنا، وطريقة مشايخنا في الحديث وفقه الحديث طريقة معتدلة و مثلي، يتوسطون بين الأطراف.

أصول الأئمة:

أريد بذالک أن للأئمة الأربعة أصولاً أكثرية، وذالک أن الإمام مالكاً يأتي بعمل أهل المدينة، بل قد يرجحه علىٰ الحديث المرفوع، والشافعي بأصح ما في الباب، وأحمد يأخذ بالأصح والصحيح والحسن والضعيف إذا كان ضعفه يسيراً، ويجوز هذا وذالک ، وعلىٰ هذا وضع "مسنده" و أبوحنيفة يأخذ بهذه الأقسام وينزل الأحاديث علىٰ محمل، فلذالک كثرت التأويلات عند الحنيفة، وكثرت الجروح علىٰ الرواة عند الشافعية.

والشافعي رحمه اللّٰه أول من أبطل الاحتجاج بالمرسل إلا إذا اعتضد، وإمام هذه الصنعة الإمام الهمام البخاري رحمه اللّٰه قد أخذ أصل مالک و الشافعي رحمهما اللّٰه و ركب بينهما، فيأتي بأصح ما في الباب، و يراعي مساعدة عمل السلف، فلذا لم يأت بحديث يعارض حديثاً في كتابه، ولم يخرج في الكسوف إلا حديث الركوعين، تمشيامنه مع أصله، واعتمد مسلم رحمه اللّٰه علىٰ ثقة الرواة، فأخرج حديث ثلاث ركوعات و حديث أربع ركوعات، بل حديث خمس ركوعات أيضاً موقوفاً علىٰ أميرالمؤمنين علي رضي اللّٰه عنه فالبخاري قد انتقىٰ واتبع مسلم القاعدة.

موقف علماء الجامعة في المسائل الخلافية:

فمشايخنا يتوسطون في مثل هٰذا، لايأخذون بالتشدد ولا بالتساهل،ويوجهون الأحاديث المتعارضة بتوجيهات يكاد يقبلها من يسمعها.

مثاله: حديث القلتين، فقد رواه يزيد بن هارون، وكامل بن طلحة و هدبة بن خالد، وإبراهيم بن الحجاج عن حماد بن سلمة–وهؤلاء حفاظ أثبات رواة ثقات بلفظ–:"إذا بلغ الماء القلتين أوثلاثاً لم يحمل الخبث" فيقال: أن هذا ليس بتحديد شرعي، فقد قال: "القلتين أوثلاثاً"بالتنويع، فهو تقريب و إحالة علىٰ

خلوص أثرالنجاسة من جانب إلىٰ جانب، وذالک أصل مذهب أبى حنيفة وصاحبيه، صرح به الشيخ ابن الهمام و الشيخ ابن نجيم، وقد سلمت الأحاديث المتعارضة لحديث القلتين، كحديث النهي عن البول في الماء الراكد، وحديث النهي عن ادخال اليد في الإناء إذا استيقظ، وحديث ولوغ الكلب في الإناء.

ومثاله أيضاً أحاديث القراء ة خلف الإمام في الصلاة بقوله تعالىٰ(وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له و أنصتوا لعلكم ترحمون) وبقوله صلى اللّٰه عليه و سلم:"وإذا قرأ فأنصتوا" و بحديث: "لاتفعلوا إلا بأم القرآن، فإنه لا صلاة لمن لم يقرأ بها"، وذالک أنه لم يصح فى شان نزول الآية شيء من الروايات، فالعبرة بعموم اللفظ، وأيضاً فقد روى البيهقى فى كتاب القرائة عن الإمام أحمد أنه أجمع العلماء علىٰ أن هٰذه الآية في القراء ة في الصلاة، وحديث: "إذا قرأ فأنصتوا " حديث صحيح، صححه أحمد بن حنبل، ثم صاحبه أبوبكر الأثرم، ثم مسلم في باب التشهد من حديث أبي موسىٰ الأشعريوأحال به علىٰ حديث أبي هريرة، ثم صححه إبن خزيمة والحافظ أبوجعفر ابن جرير الطبري،و الحافظ أبو عمر بن عبد البر،و الحافظ ابن حزم الأندلسي الظاهري، ثم الحافظ ذكي الدين عبد العظيم المنذري، ثم خاتم الحفاظ ابن حجر العسقلاني في " الفتح" و هذا من حيث الإسناد.

وأما من عمل السلف والأئمة فقد عمل به جماعة من الصحابة، ومالک وأحمد، وأبوحنيفة، والحديث إذا كان رواته ثقات ثم ساعده العمل، عمل السلف فهو صحيح بلاريب، لايقدح فيه ولا يؤثر فيه جرح.

وحديث: " من كان له إمام فقراء ة الامام له قرائة" حكاه الشيخ ابن الهمام عن "مسند أحمد بن منيع" و صححه؛فإن سنده

علىٰ شرط الشيخين، ولم نقف إلىٰ الآن علىٰ علة فيه، و إسناده: أخبرنا إسحاق بن يوسف الأزرق قال حدثنا سفيان و شريک عن موسى بن أبي عائشة عن عبد اللّٰه بن شداد عن جابر بن عبد اللّٰه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم .. الحديث، وقد ساعده الموقوف عند الترمذي، والمرسل عند آخرين، فإذن هو صحيح، فوجه شيخ مشايخنا الشيخ رشيد أحمد حديث عبادة من طريق محمد بن إسحاق، وسياقه: لعلّكم تقرأون خلف إمامكم؟" قالوا: نعم يارسول اللّٰه ،قال: "لاتفعلوا" الحديث، فقال هذا دليل الإباحة لا دليل الوجوب، وإنهم كانوا يقرأون بغير أمر منه صلى اللّٰه عليه وسلم، ولذا سأل بقوله:"لعلكم تقرأون خلف إمامكم؟" فلما قالوا: نعم، قال: "فلا تفعلوا إلا بأم القرآن" فإنها سورة متعينة من بين سائر القرآن لا غير من السور، فلعل النبي صلى اللّٰه عليه وسلم أباحَها خلف الإمام بكونها متعينة من بين السور لاصلاة بدونه، وظهر عدم كون الصلاةبدونها في حق الإمام و المنفرد،وأثرذالک الإباحة في حق المقتدي،و مسألة الاباحة و الكراهة مختلف فيها عند الحنفية ، وإن اتفقوا علىٰ عدم الوجوب.

وقالوا في مسألة رفع اليدين وجهر آمين: إنه قد صح الرفع والجهرعن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم وعن الصحابة، وقد صحّ ترک الرفع بإسناد صحيح عند أبی داؤد، والاخفاء،وقد صح ترک الرفع عن أمير المومنين عمر وأمير المومنين علي رضي اللّٰه عنهما، وكذا صح الاخفاء بآمين عن جماعة من الصحابة والسلف الصالح، فليكن كلا الأمرين سنة، وإنما يبقى الشان في الترجيح، هذاواللّٰه الموفق للسداد في المبدأ والمعاد.

الشيخ محمود الحسن الديوبندي:

ثم تلمذ على الشيخ محمد قاسم شيخنا العدل الحجة مسند

وقتہ الشیخ محمود حسن،متع اللّٰہ المسلمین بطول بقائہ، وھو شیخ المدرسۃ الآن، وعلیہ المدار في الإسناد في ھٰذہ البلاد، وھو علیٰ طریقۃ مشایخہ، ساعدہ التوفیق الإلٰھي في التوفیق بین المتعارضات وحل المشکلات، مثالہ ما قال مرۃ: أن تعدد الرکوع في الکسوف قد ثبت عن النبي صلی اللّٰہ علیہ وسلم لأمر اختص بہ، و لٰکن أرشد الأئمۃ إلیٰ وحدۃ الرکوع فقال: ”صلوا کأحدث صلاۃ صلیتموھا من المکتوبۃ“ فراجعتہ وقلت: أن السادۃ الشافعیۃ یحملون التشبیہ علیٰ عدد الرکعتین لا علیٰ وحدۃ الرکوع، فقال: إن ھٰذا ھو جعل البدیھي نظریا، فإنہ إذا کان النبي صلیٰ اللّٰہ علیہ وسلم قد صلیٰ الکسوف بتعدد الرکوع بنفسہ علیٰ ماشاھدوہ و عدل إلیٰ التشبیہ بالصبح؟ و ماذالک إلا أن التعدد کان یعارض،و أرشد الأئمۃ إلیٰ المعروف في الصلاۃ، واللّٰہ الموفق المعین،و آخر دعوانا أن الحمد للّٰہ رب العالمین۔(۱)

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ کفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ ، أما بعد!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج کی اس تقریب کا پس منظر و پیش منظر حاضرین کے علم میں ہے،جیسا کہ معلوم ہے کہ ہمارے مہمان مکرم ”علامہ رشید رضا“ خوش قسمتی سے ہمارے درمیان تشریف رکھتے ہیں،آپ ”قاہرہ“ کی ممتاز شخصیت ، عالم اسلام کی نمایاں ہستی ہیں اور آپ کی ذات گرامی سے جدید وقدیم تصورات کی تاریخ وابستہ ہے۔آپ کی گونا گوں شخصیت اور مرقع علم ودانش کسی طویل تعارف کا محتاج نہیں اور وقت بھی مختصر ہے،اس لیے میں کسی طویل تمہید کے بغیر اس وقت کے مناسبت کچھ عرض کرنے کی جرأت کررہا ہوں۔

سب سے پہلے میں دارالعلوم دیوبند کے ارباب حل وعقد کا شکر گزار ہوں

(۱) دارالعلوم دیوبند مدرسۃ فکریۃ،ص:۱۲۲۔۱۲۳

کہ انھوں نے مجھے اس وقیع اور پر تپاک تقریب میں کچھ عرض کرنے کا حکم دیا، جس کی تکمیل میں اپنے لیے سعادت باور کرتا ہوں۔

مہمان مکرم کی نجی گفتگو سے مجھے محسوس ہوا کہ وہ دار العلوم کے مسلک، علوم وفنون میں اس کے امتیاز، اس کے خصوصی ذوق ومشرب سے چنداں واقف نہیں ہیں، جس کی بنا پر ان کے لیے یہ حقیقت تقریباً مشتبہ ہے کہ فقہ حنفی کی حدیث سے مطابقت اور حدیث وقرآن کے سرچشموں سے اس فقہ کا استنباط واستخراج کس حد تک صحیح ہے، اس لیے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ اسی موضوع کو اپنی گزارشات کا عنوان بنا کر کچھ عرض کروں۔

مولانا محترم! آپ کو معلوم ہے کہ ہمارا یہ ملک اور سرزمین وطن یعنی ہندوستان ممالک اسلامیہ سے بہت دور واقع ہوا ہے۔ خصوصاً اسلام کے وطن اول (مکہ معظّمہ زادہا اللہ شرفاً) اور وطن ثانی (مدینہ منورہ زادہا اللہ شرفاً) سے بعد مسافت کی بنا پر اسلام کے شعائر اس ملک میں دھندلے اور دینی علوم کی شمع فروزاں ہونے کے بجائے یہاں دھیمی رفتار سے نور افگن تھی۔ الا ماشاء اللہ۔

اس لیے ہماری موجودہ اس جماعت نے جسے ''علماء دیوبند'' کے نام سے شہرت حاصل ہے، ہندوستان میں اسلام اور امت مرحومہ کے لیے جو طریق کار و منہاج متعین کیا، اس میں یہ خصوصی حکمت ومصلحت پیش نظر رہی کہ یہاں صحیح ومخلصانہ خدمت کے لیے اسلام کے قدیم ہی زوایا ودوائر میں رہ کر کوئی مؤثر ومفید خدمت انجام دی جاسکتی ہے۔ چنانچہ اکابر نے پرعزم انداز میں اپنا موقف متعین کیا اور اسی موقف پر گامزن ورواں دواں ہیں، اس لیے سب سے پہلے دیوبند اور اکابر دیوبند کے باب میں اس نقطہ نظر کو بقوت اپنانے کی ضرورت ہے کہ وہ کوئی تجدد پسند ادارہ نہیں اور نہ قدیم روایات کو شکست وریخت کرنا اس کے منصوبہ کا جزء ہے، بلکہ وہ اسلام کو اس کی صحیح شکل وصورت اور حقیقی خدوخال میں نمایاں کرنے کی مبارک ومسعود خدمت کو اپنا دینی فریضہ یقین کرتے ہیں۔ بایں ہمہ اسلام جس حد تک لچک رکھتا ہے

اور جس انداز پر مسائل وحوادث میں اس کی قیادت پیش کی جاسکتی ہے، علماء دیو بند اس توسع سے بھی گریز نہیں کرتے گویا کہ قدامت کے ساتھ وسیع المشربی، دینی اقدار پر تصلب کے ساتھ توسع ہمارا خصوصی ذوق وممتاز رجحان ہے۔

جیسا کہ معلوم ہے کہ ہم دینی مسائل و اسلامی نقطہ نظر میں ہندوستان میں امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم فاروقی دہلوی رحمہ اللہ سے ذہنی وعملی روابط استوار کیے ہوئے ہیں۔ ہمارے امام حضرت شاہ ولی اللہؒ کی تصانیف عالم اسلام کے ہر گوشہ میں پہونچ چکیں اور ان کی مجتہدانہ بصیرت کے مرغزار سب کے لیے دعوتِ نظارہ ہیں، لیکن پھر بھی امام ہمام کے بعض احوال وسوانح ایسے ہیں، جو ہم نے اپنے ثقہ اکابر سے سنے اور جو شاہ صاحبؒ کی ہمہ گیر شخصیت اور ان کے افکار ونظریات کے گوشے واضح نہیں ہوتے، اس لیے مقصد کو قریب تر کرنے کے لیے میں مجبور ہوں کہ شاہ صاحبؒ کی ابتداء وانتہا پر کچھ عرض کردوں۔

سوانحی خدوخال:

سوانحی خدوخال سے میری مراد یہ ہے کہ میں حضرت شاہ صاحبؒ کے سن پیدائش، یوم ولادت وجائے پیدائش کی غیر ضروری تفصیلات میں آپ کا وقت عزیز وقیمتی لمحات صرف نہ کروں، بلکہ میں حضرت شاہ صاحبؒ کی حیات طیبہ کے اس موڑ سے گفتگو کا آغاز کرتا ہوں، جہاں سے قدرت کے فیاض ہاتھوں نے انہیں امامت کے جلیل منصب کے لیے تراش وخراش کیا۔ وہ دور شاہ صاحب کے حصول علم اور علمی مراحل میں تحقیق وظرف نگاہی کا میمون عہد ہے، انہوں نے ابتدائی علوم اپنے والد ماجد شاہ عبدالرحیم صاحبؒ سے حاصل کیے اور پھر جذبہ زیارت وشوق تحصیل علوم کے حسین امتزاج میں حرمین شریفین کا سفر اختیار کیا۔ سرزمین حرم پر شیخ ابو طاہر کردی علیہ الرحمہ سے باقاعدہ حدیث کا درس لیا اور استفادہ کی جدوجہد میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا، لیکن اس استفادہ میں بھی ان کی جلیل شخصیت وتابناک مستقبل کے آثار اس طرح ہویدا تھے کہ شیخ ابو طاہر فرماتے ہیں کہ:

''شاہ ولی اللہ مجھ سے حدیث کے الفاظ لیتے ہیں، جب کہ مطالب و معارف حدیث میں میں خود ان کا تلمیذ ہوں''

باکمال استاذ کے اس تاریخی مقولہ کا اس کے سوا اور کیا مطلب ہو سکتا ہے کہ فیاضِ حقیقی نے جو ذکاوت و ذہانت کی وافر دولت فقاہت اور دقیقہ سنجی کی متاعِ بے بہا حضرت شاہ ولی اللہؒ کو عنایت فرمائی تھی، اس کے نتیجہ میں وہ حدیث کی ایسی دل نشیں توجیہ و تشریح پر کامیاب رسائی رکھتے تھے، جو شارع علیہ السلام کا حقیقی مقصد ہوتا۔ دو سال کے قیام کے بعد شاہ صاحبؒ اپنے وطن ہندوستان لوٹ آئے۔

ہندوستان کی زبوں حالی اور نکبت و ذلت کے تہہ بتہہ بادل:

یہ وہ وقت تھا کہ ہندوستان ان وجوہ کی بنا پر جن کی جانب میں نے آغاز ہی میں متوجہ کیا تھا، یعنی اسلام کے حقیقی سرچشموں سے بعد و دوری اس سرزمین پر اسلام کو عموماً اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاص طور پامال کیے ہوئے تھی، برائے نام مسلمان سلطنت کا ڈھانچہ بھی ٹوٹ رہا تھا اور ایک نئی تہذیب و تمدن ہندوستان کی جانب مسلسل بڑھ رہا تھا، اس آنے والی تہذیب سے اسلام کو جو متوقع خطرہ تھا شاہ صاحبؒ کی دور رس نظر اس کو معلوم کرنے سے عاجز نہیں تھی۔ بدعات و محدثات کے خول میں مسلمان پھنس کر رہ گئے تھے، اور روایات و خرافات کے گھروندے میں الجھے ہوئے تھے۔ شاہ صاحبؒ نے اپنی بصیرت و دانش و بینش کے نتیجہ میں یہی فیصلہ کیا کہ اس سرزمین پر اس کے سوا اور کوئی طریق کار سودمند و بار آور نہ ہوگا کہ سنت نبوی علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کو قائم کرتے ہوئے اسلام کی حقیقی شکل اور اس کے پائدار نفوذ کے لیے راہیں ہموار کی جائیں، چنانچہ موصوف نے اصلاحی اقدام شروع کیا اور بگڑے ہوئے معاشرہ کو روبا صلاح لانے کے لیے اس جدوجہد میں مصروف ہو گئے، جو خاصان خدا کا خصوصی حصہ ہے۔ اسے تسلیم کرنا ہوگا کہ ان کے سینے کی وسعتوں میں ایسی روحانی روشنی موجود تھی، جس کے اجالے میں وہ مستقبل کو پڑھ لیتے اور جدوجہد

کے آغاز سے اس کے انجام تک پہونچنا ان کے لیے آسان تھا، ان کی فراست ایمانی نے کھل کر بتا دیا تھا کہ اب ہندوستان کی زمین پر حق و باطل کا ایک معرکہ شروع ہوا چاہتا ہے، جس میں حق کی حمایت و نصرت کے لیے محدود نہیں، بلکہ وسیع اور جہد مسلسل کی ضرورت ہوگی، چنانچہ امام دہلویؒ نے جن خطوط پر کام کیا، اس کی ایک مختصر تفصیل یہ ہے۔

تجدیدی کوششوں کا آغاز اور اس کے دوائر:

حضرت شاہ صاحبؒ قرآنی ہدایات کو عام کرنے و عوام تک پہونچانے کے لیے منصوبہ بند پروگرام کی جانب متوجہ ہوئے۔ آپ جانتے تھے کہ اسلام کے اولین و حقیقی ماخذ یعنی قرآن کی تعلیمات و معارف سے براہ راست واقفیت کے بغیر ہندوستانی مسلمان، جس تہ بہ تہ گمراہی میں الجھا ہوا ہے، اس سے باہر نہیں آسکتا، اس لیے سب سے پہلے آپ نے اس وقت کی رائج زبان فارسی میں قرآن مجید کا ترجمہ کیا۔ شاہ صاحبؒ نے اپنے اس ترجمہ کو اسرائیلیات و خرافات سے پاک و صاف رکھا اور اس طرح توحید کے مسئلہ کے لیے آپؒ نے تخم کاری کی۔ اس کے ساتھ ہی اسلام کے دوسرے سرچشمہ حدیثی مضامین سے بلاواسطہ شناسائی کے لیے حدیث کی مشہور کتاب ''مؤطا امام مالک'' کی شرح فارسی زبان میں ''المسویٰ'' کے نام سے تحریر فرمائی۔ اس شرح میں فقہاء حدیث کے طریقہ پر حدیث و آثار کی شرح بہترین انداز میں آگئی اور سب سے بڑی بات یہ ہوئی کہ تحقیق مناط اور تخریج مناط اور تنقیح مناط کی جانب شاہ صاحب متوجہ رہے۔

مہمان مکرم!

ابھی میں نے آپ کے سامنے تین اصطلاحی الفاظ استعمال کیے، جن کی معرفت آپ کو بخوبی حاصل ہے، لیکن عام افادہ کے لیے ان اصطلاحات پر روشنی ڈالنا ضروری سمجھتا ہوں، جیسا کہ معلوم ہے کہ

''تحقیق مناط'' کا مطلب یہ ہے کہ شارع علیہ السلام سے کسی جزئی صورت میں کوئی حکم صادر ہوا، پھر یہی حکم اس نوع کی ساری جزئیات میں ثابت کر دیا جائے مثلاً: شریعت نے حالت احرام اور حدود حرم میں شکار کی ممانعت کی ہے اور پھر بطور سزا و جزا حالت احرام میں شکار کرنے والے کے لیے قیمت شکار کردہ جانور کی ادا کرنا ضروری ہے۔ اس قیمت میں تشخیص ہی تحقیق مناط ہے اور چوں کہ اس کا تعلق فقہ کی اہم بنیاد قیاس سے نہیں ہے، اس لیے اس میں کسی اجتہاد کی ضرورت نہیں اور یہ کام ہر شخص کر سکتا ہے بشرطیکہ تجربہ و شعور رکھتا ہو۔

تخریج مناط:

یہ ہے کہ شارع نے کسی سلسلہ میں کوئی حکم دیا اور اس حکم کی علت بیان نہیں کی، بلکہ نص میں بھی اس کی علت موجود نہیں۔ مزید برآں وہاں چند ایسے اوصاف بھی موجود ہیں، جن میں سے ہر ایک علت بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ یہاں مجتہد کو اپنا سرمایہ فکر و نظر صرف کر کے کسی ایک وصف کو بطور علت مشخص کرنا ہوگا، یہ بڑے غور و فکر اور محتاط تحقیق و تدبر کا کام ہے، اس لیے عوام اس میں قطعاً شریک نہیں کیے جا سکتے۔ اسے اس طرح سمجھئے کہ جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ''ربوا'' سے منع فرمایا لیکن اس حرمت کی کوئی علت نہیں بیان فرمائی، البتہ چند اوصاف علت بننے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور وہ گونا گوں اوصاف یہ ہیں: ''قدر، وزن، کیل، جنس، چیز کا قیمتی ہونا، شئے کا از قبیل غذا ہونا اور قابل ذخیرہ ہونا۔'' ظاہر ہے کہ جب یہ چند در چند اوصاف یکجا جمع ہو گئے، تو علماء کے لیے راہ کھلی ہوئی ہے کہ وہ اپنے ذوق و رجحان کے مطابق کسی ایک وصف کو حرمت کی علت قرار دیں، چنانچہ سود ہی کے مسئلہ میں امام اعظمؒ کے خیال میں حرمت کی علت قدر و جنس میں اتحاد ہے اور حضرت امام مالکؒ کی رائے میں ربوا کی حرمت کی علت اشیاء کا از قبیل غذا اور قابل ذخیرہ ہونا ہے۔ جب کہ امام شافعی علیہ الرحمہ نے چیز کے قیمتی ہونے کو علت بتایا ہے، مکرر عرض ہے کہ تخریج مناط کی تین قسموں میں سب سے اہم اور بے

حد دشوار ہے، اس میں ضروری غور وفکر اور جچے تلے تدبر و تحقیق کی قدم قدم پر ضرورت ہے اور یہ کام کوئی ماہر فن ہی انجام دے سکتا ہے۔

تنقیح مناط:

مناط کی تیسری قسم تنقیح مناط کے نام سے موسوم ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ شارع علیہ السلام نے کسی خاص واقعہ کے تحت کوئی حکم دیا اور اس سے مقصود کسی قاعدہ کلیہ کی تشکیل نہیں، بلکہ کسی واقعہ کے تحت ہی وہ حکم جاری ہوا اور یہ اسی واقعہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ پھر بھی حکم کی علت معلوم نہیں ہوتی، بلکہ یہاں چند چیزیں جمع ہو جاتی ہیں، جن میں سے بعض علت ہونے کی صلاحیت رکھتی ہیں اور بعض نہیں، حالاں کہ یہ بھی بادی النظر میں علل معلوم ہوتی ہیں۔ اس مرحلہ میں علت کی تعین و تشخیص فقہاء کا کام ہے اور ایسی تنقیح کو ''تنقیح مناط'' کہا جاتا ہے۔ اس کی مثال حضرت ابو ہریرہؓ کی وہ روایت ہے کہ ایک صاحب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں تباہ و برباد ہو گیا، آپؐ نے دریافت فرمایا کیوں؟ کیا بات پیش آئی؟ بولا کہ رمضان کا مہینہ اور روزہ کی حالت میں میں نے اپنی بیوی سے ہمبستری کر لی۔ آپؐ نے فرمایا کہ غلام آزاد کر سکتے ہو؟ جواب تھا ''نہیں'' تو کیا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا سکتے ہو؟ جی یہ بھی نہیں، تو پھر اچھا متواتر دو مہینہ کے روزے رکھ سکو گے؟ حضور! یہ تو بہت مشکل ہے۔

اس صورت میں امام اعظم اور امام مالک کے خیال میں کفارہ واجب ہے اور اس کے وجوب کا مناط علت رمضان اور روزے کی حالت میں عمداً روزہ افطار کرنا ہے خواہ وہ روزہ کا منافی فعل ہمبستری ہو، جیسا کہ اس واقعہ میں یہی پیش آیا یا کھانا پینا ہو۔ یہ دونوں حضرات منافی صوم کے اقدام کے لیے عمداً کی قید کا اضافہ کرتے ہیں اور ماہ رمضان کو بھی ضروری قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمبستری اتفاقاً اس واقعہ میں پیش آ گئی: ورنہ تو منافی صوم فعل کا ارتکاب وجوب کفارہ کا اصل سبب ہے۔ امام شافعی اور امام احمد کے خیال میں کفارہ کا موجب و مناط صرف جماع

ہے۔ پس اگر جماع کے نتیجہ میں افطار ہواتو کفارہ واجب ہوگا، اکل وشرب کی صورت میں وجوب کفارہ نہیں۔ امام شافعی اور امام احمد کے پاس ایک اور حدیث ابو ہریرہ ہی کی اپنے نقطہ نظر کی مؤید ہے، وہ یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جوشخص رمضان میں کسی شرعی رخصت کے بغیر روزہ توڑ دے تو وہ بعد میں اگر چہ عمر بھر روزہ رکھتا ہو، پھر بھی اس کوتاہی کی تلافی ہرگز نہ ہوگی اور یہ دونوں حضرات اس حدیث میں لفظ ''افطار'' سے عمداً کھانا پینا اوران کے ذریعہ سے روزہ توڑنا مراد لیتے ہیں۔ان کا خیال ہے کہ قصداً خردونوش کے نتیجہ میں روزہ کا توڑنا اور پھر عمر بھر روزہ رکھنا مفید نہیں، اس لیے اس کا کوئی کفارہ بھی نہیں ہوگا۔

غرضیکہ تنقیح مناط اور تخریج مناط یہی دونوں مجتہدین ائمہ کی اصل جولانگاہ ہے اوراسی میں ایک دوسرے سے اختلاف کرتے ہیں، کوئی اپنے اجتہاد سے کسی چیز کو علت بتاتا ہے اور دوسرا کسی دوسری چیز کو۔ اس کی ایک مثال وہ حدیث بھی ہے، جس میں آپؐ نے ارشاد فرمایا: **مفتاح الصلاة الطهور وتحريمها التكبير وتحليلها التسليم**، اس کے پیش نظر اکثر ائمہ نے صیغۂ تکبیر ''اللہ اکبر'' اور صیغۂ تسلیم ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ'' کو رکن نماز قرار دیا ہے، لیکن امام ابوحنیفہ کے یہاں مناط حکم یہ ہے کہ تکبیر سے مخصوص اللہ اکبر کا صیغہ مراد نہیں، بلکہ وہ ہر ذکر اللہ ہے، جس میں تعظیم اور خدا کی کبریائی کا مفہوم موجود ہو اور تسلیم سے مراد یہ ہے کہ مصلی اپنے ارادے واختیار سے نماز کو ختم کرے؛ گویا کہ وہ تسلیم کو خروج عن الصلاۃ کے ہم معنی کہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امام اعظمؒ نے ان دونوں چیزوں یعنی الفاظ، حامل تعظیم اور اس ارادے کے ساتھ نماز کو ختم کردینے کو فرض اور رکن صلاۃ ٹھہرایا ہے، لیکن چوں کہ جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عملاً تکبیر بشکل اللہ اکبر اور تسلیم بصورت السلام علیکم ورحمۃ اللہ ہمیشہ ثابت ہے، اس لیے امام ابوحنیفہؒ ان دونوں کو واجب صلاۃ کہتے ہیں۔ حافظ ابن ہمامؒ مصنف ''الفتح القدیر'' نے اللہ اکبر کو واجب بتایا ہے اور مشہور ہے کہ یہ سنت ہے، ان

دونوں میں ذکر مشعر تعظیم اور خروج بصنع المصلی اس طرح موجود ہو؛ جس طرح کوئی کلی کسی جزئی کے تحت میں موجود ہو، پس یہ دونوں فرض ہوں گے۔

مہمان مکرم!

میں تفصیل سے خود کو محفوظ رکھتے ہوئے اپنے مقصد کی وضاحت اختصار سے کرر ہا ہوں ورنہ تو ایسی مثالیں اور بھی پیش کی جا سکتی تھیں۔ اب میں پھر اسی تذکرہ کی جانب رجوع کرتا ہوں ،یعنی حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے مجددانہ کارناموں کی تفصیل!

میں عرض کرر ہا تھا کہ شاہ صاحبؒ نے مؤطا کی شرح ''المسوی ''میں ان تنقیحات کے تینوں شعبوں کی رعایت کی ہے اور وہ ایسے فقہ کو مختار قرار دے رہے ہیں ،جس میں جامعیت موجود ہے۔شاہ صاحبؒ نے اپنی دو معرکتہ الآراء تصانیف ''الانصاف فی بیان سبب الاختلاف ''اور ''عقد الجید فی مسائل الاجتھاد والتقلید ''میں یہ بات محققانہ انداز میں تحریر فرمائی ہے کہ مجتہد فیہ مسائل میں حق کسی ایک امام کے لیے مخصوص نہیں ، بلکہ وہ متعدد ہو کر ہر امام کے لیے ممکن ہے، وہ لکھتے ہیں کہ ائمہ اربعہ کا بھی یہی نقطہ نظر تھا وہ خود کو حق کا اجارہ دار قرار دے کر دوسرے مجتہد کو باطل نہیں سمجھتے تھے۔ شاہ صاحبؒ نے لکھا ہے کہ

''میں خود بھی اسی نقطہ نظر کا حامل ہوں'' یہاں بھی وضاحت ضروری ہے کہ مجتہد فیہ مسائل سے میری کیا مراد ہے؟ یاد رکھیۓ اجتہادی مسائل وہ ہوتے ہیں، جن میں کتاب اللہ یا سنت (رسول اللہ) متواترہ سے کوئی حتمی بات ثابت نہ ہو، ایسے ہی مسائل میں حق کا تعدد کیا جا سکتا ہے اور اگر کسی معاملہ میں کوئی قطعی دلیل موجود ہوتے ہیں تو نہ وہاں کوئی مجتہد اجتہاد کرے گا اور نہ اسے اجتہادی مسئلہ کہا جا سکتا ہے، وہاں حق صرف ایک ہی ہو گا اور حق وہی ہو گا جو اس دلیل قطعی کے مطابق ہو، پس اسے خوب ملحوظ رکھنا چاہئے کہ جو اس حق کی موافقت و تائید کرے، وہی حق پسند ہے اور جو اس سے مخالفت رکھتا ہوا سے یقیناً حق کا مخالف کہا جائے گا۔

شاہ صاحبؒ نے اس کے ساتھ تشریح وعقائد اسلام کے حکم ومصالح کے بارے میں بھی ایسی تصانیف فرمائیں جو راہوں کی شمع او دھندلکوں میں فانوس ہیں۔ ان عنوانات پر ان کی شہرہ آفاق تالیف ''حجة اللّٰه البالغة'' اور ''تفهيمات الالٰهية'' نیز ''خیر کثیر'' مشہور ہیں۔

اولاد واحفاد اور ولی اللٰہی شاہ کار کی حفاظت وصیانت:

خدا کا شکر ہے کہ امام دہلوی کے یہ مخصوص افکار ونظریات اور ان کی مجددانہ کاوشیں ان ہی پر ختم نہ ہونے پائیں، بلکہ ان کی اولاد احفاد میں اس طریق کار کی مسلسل پیش رفت ہوتی رہی۔ چنانچہ ان کے سب سے بڑے صاحبزادے حضرت شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ ودسرے صاحبزادے حضرت شاہ عبد القادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور شاہ رفیع الدین مرحوم نے قرآن مجید کے تراجم وتفاسیر ملک میں عام کیں اور حضرت شاہ محمد اسحاق، شاہ عبد الغنی، شاہ محمد اسماعیل علیہ الرحمہ نے نہ صرف حدیث عقائد کی درستگی کا اہتمام کیا، بلکہ یہ حضرات استخلاص وطن اور اعلاء کلمۃ الحق کے لیے جلی وخفی کوششیں بھی کرتے رہے، بلکہ حضرت شاہ اسماعیل شہید علیہ الرحمہ نے تو بدعات ومحدثات کے خلاف زبردست جدوجہد کی اور بعض معرکۃ الآراء تصانیف ان کے علم ریز قلم سے تیار ہوکر ایمانیات کے سلسلہ میں مفید تر ثابت ہوئیں اور موصوف نے بالاکوٹ سکھوں کے ہاتھوں جام شہادت نوش فرمایا۔ شاہ محمد اسحاقؒ درس حدیث میں ایسے یگانہ روزگار عالم تھے کہ اطراف ملک سے طلباء کا ان کی جانب ہجوم رہتا، غرضیکہ یہ خانوادہ علم وعمل کا مرقع، دین ودانش کا روشن مینار، بدعات کے لیے شمشیر بے نیام اور سنتِ مصطفوی کے احیاء کے لیے کشادہ محراب تھا۔

دیوبند کا مکتبہ فکر:

یہی خاندان ولی اللٰہی دیوبندی مکتب فکر کا امام وسربراہ ہے۔ پھر شاہ محمد

اسحاقؒ کے خصوصی شاگرد حضرت شاہ عبد الغنی صاحبؒ مجددی مہاجر مدنی اپنے استاذ کے بعد مسند آراء درس حدیث ہوئے، طلباء حدیث نے ان سے ایسا استفادہ کیا، جس کے آثار قیامت تک باقی رہیں گے۔ حضرت شاہ عبد الغنیؒ آخر میں مدینہ طیبہ کی جانب ہجرت کر گئے اور وہاں بھی بلاد عرب کے طلباء ان سے حدیث کی سند لیتے رہے۔ ان ہی حضرت شاہ عبد الغنیؒ کے خصوصی تلامذہ میں ہمارے دار العلوم دیوبند کے بانی حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی علیہ الرحمہ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ ہیں۔ بانی دار العلوم نے بخاری شریف کا حاشیہ جوان کے استاذ حضرت مولانا احمد علی سہارنپوری کا شروع کیا ہوا تھا مکمل فرمایا اور دینی علوم و معارف پر اہم کتابیں تصنیف کرنے کے ساتھ مادہ پرست دھریہ اور اسلام کے خلاف فرقوں کی تردید میں مسلسل تصانیف کے ساتھ جابجا مناظرے بھی کیے اور اس دار العلوم کو ایک ایسے تخیل کے تحت قائم فرمایا، جس سے ان کے دبیز فکر اور اعلاء کلمۃ الحق و اسلامی تعلیمات کو عام کرنے کا مخلصانہ جذبہ ظاہر ہے۔ میں نے موصوف کے مناقب و فضائل میں کچھ قصائد کہے ہیں، جن میں سے ایک قصیدہ پیش خدمت کرنا مناسب ہوگا، جس کا پہلا شعر یہ ہے

قفا یا صاحبيّ علی الدیا ☆ فمن داب الشجی ھو ازدیار

یہ دونوں حضرات یعنی حضرت نانوتوی و حضرت گنگوہی رفیق درس اور فکر و نظر میں ایک دوسرے کے معاون تھے۔ حضرت گنگوہیؒ کو خدائے تعالیٰ نے منفرد تفقہ عنایت فرمایا تھا، جس کی بنا پر انہیں بلا تکلف ''فقیہ مجتہد'' کہا جا سکتا ہے۔ ساتھ ہی وہ بدعات و محدثات کے خلاف شمشیر برہنہ تھے۔ مسائل و حوادث میں ان کے فتاویٰ ملک میں قبول عام رکھتے ہیں، جن سے ان کے تفقہ اور بصیرت کے جوہر نمایاں ہیں، پس کہا جا سکتا ہے اور اس میں ذرا بھی مبالغہ نہیں کہ حضرت گنگوہیؒ فروع و جزئیات فقہیہ میں ہمارے امام اور حضرت نانوتویؒ اصول و عقائد میں جماعت کے سربراہ ہیں اور ان دونوں نے دیوبندی علوم کو ایسا منقح و روشن کیا کہ اب کوئی گوشہ مخفی نہیں رہا۔

علامہ جلیل!

آپ کو معلوم ہے کہ فرنگی شاطر نے اپنی مخصوص وروایتی دسیسہ کاریوں سے کام لے کر جب ہندوستان میں اپنی حکومت کے دائرے وسیع تر کردئے اور مسلمانوں کی بادشاہت ختم ہوگئی ،تو عیسائی مشنری نے ہندوستان میں عیسائیت وتثلیث کی تبلیغ کے لیے منصوبہ بند کام شروع کیا۔ دوسری جانب مسلمانوں میں تفرقہ اندازی کرتے ہوئے بعض مذموم واسلام کے خلاف نظریات کو نام نہاد مسلمانوں ہی کے ذریعہ بروئے کار لانے کی بدترین کوشش کی ،یہی وقت تھا کہ ان دونوں حضرات نے ہندوستان میں اسلام کے تحفظ اور اسلامی تعلیمات کی نشأۃ ثانیہ کے لیے دارالعلوم دیوبند کو قائم کیا۔ اس دارالعلوم نے نہ صرف اسلامی تعلیمات کو عام کیا، بلکہ یہ انگریز کی دسیسہ کاریوں کے خلاف ایسا معسکر تھا جو جاں سپار وفدا کار مجاہدین اسلام کو برآمد کر کے خدمت کے ہر محاذ پر روانہ کر رہا تھا، آج ہندوستان میں جہاں کہیں آپ کو تعلیمات اسلام کے چراغ روشن نظر آتے وہ اسی مدرسہ کا فیض اور یہیں سے روشن کیئے ہوئے چراغ ہیں۔ دارالعلوم کی خدمات اور اس کا دائرہ اس قدر وسیع ہے کہ اس مختصر وقت میں میں تفصیلات بیان کرنے سے عاجز ہوں۔

طریق تعلیم اور اغراض ومقاصد:

تاہم ضروری ہے کہ میں اس عظیم درس گاہ کے کچھ بنیادی مقاصد آپ کے سامنے پیش کردوں، تاکہ مدرسہ کے حدود ومقاصد آپ کے لیے واضح ہوں، تو لیجئے ہمارا اصل مقصد حدیث اور فقہ الحدیث کی تعلیم وتدریس ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے کچھ علوم بھی مبادیات کی حیثیت سے پڑھائے جاتے ہیں، لیکن ان کی تعلیم باندازۂ ضرورت ہی ہے، تا آں کہ ہماری جماعت کے دوسرے امام حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ نے تو اپنی سربراہی وسیادت کے دور میں کچھ سال ایسے بھی گزرے جن میں فلسفہ ومنطق کی تعلیم اور اس کی انتہائی کتابوں

کی تدریس متروک قرار دی تھی اور پھر یہ سلسلہ ایک عرصہ تک رکا رہا، گویا علوم آلیہ میں بھی الجھنا نہیں چاہتے تھے، بلکہ ان کی منزل علوم عالیہ تھے، یعنی وہی حدیث وفقہ الحدیث، حدیث وفقہ الحدیث کی تعلیم میں ہمارا طریق کار متوازن، جچا تلا ہے، اسے یوں سمجھئے کہ مسائل فقہیہ کے استخراج واستنباط کے بارے میں ائمہ اربعہ کے چار مشہور اصول ہیں۔

(۱) امام مالک علیہ الرحمہ، اہل مدینہ کی اقتداء اور اتباع کو بنیاد بتاتے ہیں تا آنکہ مدنی تعامل ان کے یہاں حدیث مرفوع پر بھی ترجیح رکھتا ہے۔

(۲) امام شافعی علیہ الرحمہ، کسی باب میں صحیح ترین حدیث (اصح ما فی الباب) کو لے کر اسی مسئلہ سے متعلق باقی روایات کو تاویلاً اپنی منتخب حدیث کے موافق کرتے ہیں یا ان احادیث کو چھوڑ دیتے ہیں۔

(۳) امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ، اصح صحیح، حسن بلکہ ضعیف (جب کہ اس کا ضعف معمولی ہو) سب کو معمول بہا بنانے کے لیے اختیار کرتے ہیں، ان کے خیال میں ہر حدیث کا مدلول ومضمون قابل عمل ہے، اسی بنیاد پر انہوں نے اپنا مشہور مسند مرتب کیا ہے۔

(۴) امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ، تمام اقسام حدیث کو جمع کرتے ہیں، اور ان میں سے کسی ایک مضمون کو قانون کلی ہونے کی بنا پر شرعی قانون کی حیثیت دیتے ہوئے دوسری روایات کی مناسب توجیہ کرتے ہیں اور ہر حدیث کے لیے برجستہ محل تلاش کرنے کی فکر میں رہتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ حنفیہ کے یہاں تاویلات احادیث زیادہ ہیں، جب کہ شوافع کے یہاں رواۃ پر جرح وتنقید کی کثرت ہے۔

امام شافعیؒ پہلے وہ امام ہیں جنہوں نے مرسل حدیث کو حجت تسلیم نہیں کیا، البتہ اگر مرسل حدیث کے مضمون کی تائید دوسری احادیث سے ہو تو پھر وہ مرسل کو تسلیم کرتے ہیں۔

ائمہ حدیث اور ان کے نقاط نظر:

الضیف الجلیل! آپ جانتے ہیں کہ ائمہ حدیث نے بھی فقہاء کے اسی اصول وضابطہ کے تحت ہو کر اپنے مجموعے تیار کئے ہیں، چنانچہ امام بخاری علیہ الرحمہ نے امام مالکؒ وشافعی کے طرز کو ترجیح دے کر ان دونوں کے اصول کو مرکب کر دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنی جامع میں اصح مافی الباب حدیث کا ذکر کرتے ہوئے اس کو بھی ملحوظ رکھتے ہیں، کہ اس حدیث کو سلف کے تعامل کی تائید حاصل ہو، امام ہمامؒ نے اس کی رعایت کی ہے کہ کوئی ایسی حدیث بخاری میں نہ آنے پائے جو کسی دوسری حدیث کے معارض ہو، بلکہ انہیں اپنے پسندیدہ اصول کی رعایت اس حد تک ملحوظ رہی کہ صلاۃ کسوف کے بارے میں صرف اسی روایت کو انہوں نے ذکر کیا؛ جس میں ہر رکعت میں دو رکوع کا تذکرہ ہے۔ حدیث کے دوسرے مشہور امام یعنی مسلم بن حجاج القشیری کا زیادہ زور رواۃ کی ثقاہت پر ہے، چنانچہ انہوں نے صلاۃ کسوف کے سلسلہ میں اس روایت کو لیا جس میں ایک رکعت میں تین یا چار رکوع کا ذکر آ رہا ہے اور تو اور وہ حضرت علی کرم اللہ وجہ پر موقوف اس روایت کو بھی ذکر کرنے سے گریز نہیں کر رہے ہیں، جس میں ایک ہی رکعت میں پانچ رکوع کا تذکرہ آ رہا ہے۔ غرضیکہ امام بخاریؒ صلاۃ کسوف کے بارے میں موجود جملہ روایتوں سے اصح حدیث کا انتخاب کر رہے ہیں اور امام مسلمؒ اپنے دائرہ کار میں محدود رہتے ہوئے بہت سی روایات کی تخریج کر رہے ہیں۔

اکابر دار العلوم کی وسیع المشربی:

ہمارے مشائخ یعنی اکابر دار العلوم نے ہر گوشہ میں اعتدال کو اپنایا ہے۔ وہ تشدد سے بھی محفوظ رہے اور سہولت پسندی بھی ان کے یہاں نہیں، ان کا خاص ذوق وشوق متعارض احادیث میں یہ رہا ہے کہ کسی حدیث کو ترک نہ کیا جائے۔ اس مبارک ومسعود مقصد کے لیے خدا تعالیٰ نے انہیں ایسے فہم اور توجیہی ذہن

سے سرفراز فرمایا کہ وہ ہر حدیث کی قابل قبول اور دل نشیں توجیہ پر مضبوط قدرت کے مالک ہیں، بلکہ میرا دعویٰ ہے کہ جو منصف و معقولیت پسند فرد ان کی ہوئی توجیہات کو بنظر انصاف دیکھے گا، تو اس کی گہرائی و گیرائی اور دل نشیں ہونے کی داد دیئے بغیر نہیں رہے گا، اپنے اس مقصد کو بعض مثالوں سے واضح کرتا ہوں۔

آپ جانتے ہیں کہ حدیث قلتین کا مسئلہ اختلافی مسائل میں ہے، حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ اور ان کا مکتبہ فکر قلتین کے مسئلہ میں منفرد رائے رکھتا ہے، اس سے پہلے کہ میں اکابر دار العلوم کی مقبول توجیہ کی طرف آپ کو متوجہ کروں، پہلے اس باب کی متعارض روایات پر توجہ دلاتا ہوں معلوم ہے کہ یزید بن زریع، کامل بن طلحہ، ابراہیم الحجاج، ھدبہ بن خالد، وکیع اور یحی بن معین نے اس روایت کو ان الفاظ میں روایت کیا ہے۔

"إذا بلغ الماء قلتين أو ثلٰث لم يحمل الخبث"(۱)

آپ دیکھ رہے ہیں کہ "القلتين" اور "ثلث" کے درمیان "أو" تنویع کے لیے ہے، اس لیے ایک اندازہ ہوگا اسے شرعی حد بندی نہیں کہا جا سکتا اور مسئلہ کا فیصلہ اس پر ہوگا کہ ایک جانب کی نجاست دوسری جانب مؤثر ہے یا نہیں؟ بلا شبہ اگر روایت میں "او" نہ ہوتا تو مذکورہ بالا حدیث کو بے تکلف تحدید شرعی قرار دیا جا سکتا تھا، اسی لیے ابوحنیفہ اور ان کے صاحبینؒ نے مسئلہ مذکورہ میں قول فیصل نجاست کی تاثیر وعدم تاثیر کو کہا ہے، جیسا علامہ ابن ہمامؒ اور علامہ ابن نجیمؒ کی وضاحت ہے۔حنفیہ کے اس نقطہ نظر کے نتیجہ میں وہ احادیث تعارض سے محفوظ ہوگئیں جو قلتین والی حدیث سے متصادم نظر آتی ہیں۔یعنی حدیث "النهي عن البول في الماء الراكد"(۲) اور حدیث "النهي عن إدخال اليد في

---

(۱) التلخيص الحبير، كتاب الطهارة: ۱۹/۱، أبو داؤد، حدیث نمبر: ۶۳، ترمذی حدیث نمبر ۶۷، نسائی حدیث نمبر: ۵۲۔

(۲) حدیث کے الفاظ یہ ہیں: أن النبي صلى الله عليه وسلم نهىٰ أن يبال في الماء الراكد، ثم يغتسل منه. (نسائی، عن أبي هريرة، حدیث نمبر ۳۹۷، مسلم عن جابر بن عبد اللہ حدیث نمبر ۲۸۱

الإناء'(۱) اورحدیث''ولوغ الکلب في الإناء''(۲)

صاف نظر آرہا ہے کہ احناف کی توجیہ نے ان مختلف روایات میں تعارض وتزاحم کو کس کامیابی سے ختم کردیا۔

ایک دوسری مثال مزید وضاحت کے لیے پیش کرتا ہوں، وہی اختلافی مسئلہ''قراءۃ خلف الإمام'' کا معلوم ہے کہ حضرات احناف نے امام کی اقتداء میں سورہ فاتحہ مقتدی کے لیے نہ پڑھنے کی دلیل اس آیت کو بنایا ہے﴿وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلكم ترحمون﴾(۳) نیز حدیث''وإذا قرأ فانصتوا''(۴) اورمزید حدیث''من كان له امام فقراءة الامام له قرائة'' (۵) تو انہوں نے اس سے بظاہر متعارض روایات مثلاً حدیث''لا تفعلوا إلا بأم القرآن فإنه لاصلاة لمن لم يقرأ بها''(٦) کی تاویل وتوجیہ کی۔عرض کرنا بھی مناسب ہوگا کہ مذکورہ بالا آیت کے شان نزول کے بارے میں جب کوئی صحیح روایت نہیں ہے تو لازماً اس کے الفاظ میں عموم کا اعتبار رہے گا۔

---

(۱) امام ترمذی نے حضرت ابو ہریرہؓ سے یہ روایت اس طرح نقل کی ہے:إذا استيقظ أحدكم من الليل فلا يدخل يده في الإناء حتىٰ يفرغ عليها مرتين أوثلاثاً فإنه لايدري أين باتت يده(ترمذی،باب ماجاء إذا استيقظ أحدكم من منامه فلا يغمس يده في الإناء حتىٰ يغسلها، كتاب الطهارة،رقم الحديث: ٢٤)

(۲) اس حدیث کی تخریج امام بخاری نے حضرت ابو ہریرہ سے ان الفاظ میں کی ہے،:إن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال إذا شرب الكلب في إناء أحدكم فليغسل سبعاً.(فتح الباري شرح صحيح البخاري، كتاب الوضوء: ۱/ ۳۳۰،باب الماء الذين يغسل به شعر الإنسان، اورمسلم کے الفاظ ہیں: طهور إناء أحدكم إذا ولغ فيه الكلب أن يغسله سبع مرات أولهنّ بالتراب (مسلم،حدیث نمبر۲۷۹،۲۸۰)

(۳) الأعراف: ٢٠٤

(۴) سنن الکبریٰ،بیہقی:۲/ ۱۵۶،دارقطنی :۱/۳۳۰،دارقطنی کے الفاظ:إذا كبر الإمام فكبروا وإذا قرأ فأنصتوا ، یہ روایت الفاظ کے اختلاف کے ساتھ مسلم حدیث نمبر۴۰۴،ابو داؤد،حدیث نمبر۹۷۳،نسائی،حدیث نمبر۹۲۱ میں موجود ہے۔

(۵) شرح معاني الآثار،حدیث نمبر ۱۲۹۴ ،اس حدیث کی تخریج حضرت جابر بن عبداللہ سے ابن حجر عسقلانی نے'تلخیص الحبیر :۱/۳۸۰ میں کی ہے،نیز ابن ماجہ حدیث نمبر۸۵۰،مسند احمد،حدیث نمبر۱۴۶۴۳ میں الفاظ کے تھوڑے اختلاف کے ساتھ یہ حدیث موجود ہے۔

(٦) ترمذی،باب ماجاء فی قراءۃ خلف الإمام،بحوالہ تحفۃ الأحوذی،حدیث نمبر ۳۱۱

امام بیہقیؒ نے کتاب القراءۃ میں احمد بن حنبلؒ سے روایت کی ہے کہ معتمد علماء کا اجماع ہے کہ یہ آیت ''قراءۃ فی الصلاۃ'' کے بارے میں ہے۔ یہی احمد بن حنبلؒ '' إذا قرأ فأنصتوا '' والی حدیث کو صحیح قرار دے رہے ہیں اور ابوبکر بن الاثرم نے بھی اس حدیث کی تصحیح کی ہے۔ امام مسلم نے باب التشہد میں ابوموسیٰ اشعری کی روایت ذکر کی ہے اور حضرت ابوہریرہؓ کی روایت کا حوالہ دیا ہے، بلکہ ابن خزیمہؒ، ابن طبریؒ، حافظ ابن عبدالبرؒ ابن حزم اندلسیؒ اس روایت کی تصحیح کر رہے ہیں۔ اور تو اور حافظ ذکی الدین عبدالعظیم المنذری۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے بھی اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے، تو دیکھا آپ نے کہ سند کی حیثیت سے اس حدیث کی قوت اور ترجیح کا کیا پایہ ہے۔ دوسری طرف تعامل سلف کے لحاظ سے اگر اس حدیث پر نظر ڈالئے تو صحابہ کی ایک جماعت ''مالک''، ''احمد'' اور ابوحنیفہ رحمہم اللہ اس حدیث پر عمل پیرا ہیں اور جب کسی حدیث کے راوی ثقہ و معتمد ہوں اور سلف صالحین کا تعامل بھی اس کا مؤید ہو تو وہ حدیث صحیح ہوگی، بلکہ کوئی ردوقدح یا جرح وتنقید اس حدیث کی صحت کو مجروح نہیں کرتی، اب دوسری حدیث ''من كان له إمام فقراءة الإمام له قراءة'' کو ہی لیجئے۔ حافظ ابن ہمامؒ نے احمد بن منیع کے حوالہ سے اس حدیث کی تصحیح نقل کی ہے اور لکھا ہے کہ اس کی سند شیخین کی شرائط کے مطابق ہے اور خود میں بھی آج تک کسی ایسی علت پر مطلع نہیں ہوا کہ جو اس حدیث کے لیے قادح ہو۔ اس کی سند یہ ہے ''أخبرنا إسحاق بن يوسف الأزرق قال حدثنا سفيان وشريک عن موسىٰ بن أبي عائشة عن عبد اللّٰه بن شداد عن جابر بن عبد الله قال: قال رسول صلى الله عليه وسلم من كان له إمام فقراءة الإمام له قراءة'' بلکہ ترمذی کے یہاں ایک موقوف روایت اور دوسرے محدثین کے یہاں ایک مرسل روایت بھی خوب مساعدت وتائید کرتی ہے، اس لیے اس حدیث کو بھی صحیح ماننا ہوگا۔

جب یہ بحث مختصراً آپ کے سامنے آگئی، تو اب اکابر دارالعلوم کی توجیہ

ومعارض روایات میں ان کی فرحت انگیز تاویل کو سنئے۔

حضرت گنگوہی علیہ الرحمہ نے جن کے متعلق میں نے ابھی عرض کیا تھا کہ وہ فقہی جزئیات میں ہمارے مسلم پیشوا ہیں۔حضرت عبادہ بن صامتؓ کی اس روایت میں جو محمد بن اسحاق سے مروی ہے اور جس کا سیاق یہ ہے کہ ''لعلکم تقرأون خلف إمامکم'' اور اس کے جواب میں صحابہ کرام کا ارشاد ''جی ہاں'' اور پھر اس پر آپ ؐ کا یہ ارشاد کہ'' فلا تفعلوا ''حضرت گنگوہی نے فرمایا کہ یہ دلیل اباحت ہے، نہ کہ دلیل وجوب۔معلوم ہوا کہ حضرات صحابہؓ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بغیر قراءت کرتے تھے؛ اسی لیے تو آپ کو دریافت کرنے کی ضرورت پیش آئی اور جب انہوں نے ''نعم'' سے جواب دیا تو آپ نے ''فلا تفعلوا إلا بأم القرآن'' فرمایا۔

چوں کہ یہ سورہ فاتحہ قرآن مجید کی ایک متعین اور خصوصی سورۃ ہے، جب کہ دوسری سورتیں اس طرح متعین نہیں، اس لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو سورہ فاتحہ کا تذکرہ فرمایا اس کا تمام تر تعلق صرف اس سورہ کی خصوصیت کی بنا پر ہے اور معلوم ہے کہ یہی سورہ ہے، جس کے نہ پڑھنے سے نہ تو امام کی نماز ہوگی، جب وہ امامت کررہا ہو اور نہ منفرد کی، جب کہ وہ تنہا نماز پڑھ رہا ہو۔رہا مقتدی تو اس کے حق میں سورہ فاتحہ کی قراءت کا معاملہ بجز مباح ہونے کے اور کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔اباحت وکراہت کا مسئلہ خود احناف کے یہاں بھی اختلافی مسائل میں ہے، اگر چہ اس پر تمام تر احناف متفق ہیں کہ قراءت سورہ فاتحہ مقتدی پر واجب نہیں، تاہم بعض اس کی قراءت کو بحالت اقتداء مباح کہتے ہیں اور جب کہ بعض إذا قرئ القرآن والی آیت کے پیش نظر ممنوع۔

حضرت مولانا گنگوہی علیہ الرحمہ کی اس توجیہ سے تمام معارض روایات ایک دوسرے کے موافق ہوگئیں اور ان میں کوئی مخالفت وتزاحم نہ رہا اور اختلافی مسائل لیجیے یعنی رفع یدین اور آمین بالجہر، اس میں بھی علماء دیوبند کا ذوق یہ ہے

کہ ''رفع یدین'' اور ''آمین بالجہر'' رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ثابت ہے اور ترکِ رفع یدین اور اخفاء بالتأمین بھی ثبوت کے درجہ میں ہے، جیسا کہ امام ابوداؤد کے یہاں صحیح سند سے موجود حدیث میں ہے، بلکہ یہی نہیں، ترک رفع حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کی روایات صحیحہ سے بھی محقق ہے اور ترک جہر آمین کو صحابہ کرام کے جم غفیر اور سلف صالحین کے تعامل سے ثابت ہی ماننا ہوگا۔ نتیجۃً رفع یدین، آمین بالجہر و آمین بالسر ہر دو سنت ہی کے ذیل میں آتے ہیں۔ گفتگو جو کچھ ہوگی وہ ترجیح ہی کے باب میں رہے گی، تو احناف رفع یدین کے ترک اور آمین بالسر کے ترجیح کے قائل ہیں۔

علامہ جلیل!

میری اس مختصر گزارش و تفصیل سے آپ کو محسوس ہوا ہوگا کہ علماء دیوبند کا طریق تشدد و افراط و تفریط سے کس درجہ محفوظ ہے، وہ دوسرے ائمہ کے مذاہب کو کلیۃً باطل نہیں کہتے، بلکہ حق وصواب ان کے لیے بھی محفوظ مانتے ہیں، یہی وہ اعتدال ہے، جس کی وجہ سے دیوبندیت ایک محفوظ، معتدل مسلک بجا طور پر کہا جا سکتا ہے۔

اس وقت ہندوستان میں اسناد حدیث کا مدار حضرت نانوتوی علیہ الرحمہ بانی دارالعلوم دیوبند قدس سرہ کے فخر روزگار شاگرد حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ پر ہے۔ یہ میرے شیخ اور میرے جملہ معاصرین کے امام ہیں اور اسی طریق کار پر گامزن ہیں، جو ہمارے اکابر کا خصوصی مسلک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موصوف کو معارض روایات میں تطبیق اور مشکلات الحدیث میں دل پذیر توجیہ کی ایک امتیازی صلاحیت عطا فرمائی ہے۔ بلا مبالغہ آپ کی نظیر سے نہ صرف ہندوستان بلکہ عالم اسلام خالی ہے۔

حضرت شیخ کا منصب جلیل اور امامت فی الحدیث کا جو میں دعویٰ کرتا ہوں، اس کی صداقت آپ پر بھی اس طرح واضح ہوگی کہ ان کی ایک دل پذیر توجیہ سنئے۔

مجھ سے ہی حضرت الاستاذ نے ایک بار فرمایا کہ صلاۃ کسوف میں جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تعداد رکوع کے بارے میں متعدد روایات آرہی ہیں، یہ آپ کی خصوصیت پر مبنی ہے، چوں کہ آپ نے صلاۃ کسوف پڑھنے کے بعد صحابہؓ سے خطاب فرمایا تھا، صلوا أحدث صلاۃ صلیتموھا من المکتوبۃ، (تم نے جو فرض نماز ابھی تازہ پڑھی ہے یعنی فجر کی نماز، تو اسی کی طرح صلاۃ کسوف کو بھی پڑھو) جس سے واضح ہوا کہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم عام امت کے لیے صلاۃ کسوف اور عام نمازوں کے رکوع میں کوئی فرق نہیں فرمارہے ہیں۔ میں نے اس پر عرض کیا کہ حضرت! شوافع تو جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو صرف تعداد رکعت کی تشبیہ پر محمول کرتے ہیں، وہ اس کا تعلق وحدۃ رکوع سے نہیں کرتے، اس پر فرمایا کہ یہ تو حضرات شوافع کی کوشش ایک صاف واضح حقیقت کو نظری بنانے کی جدوجہد ہے۔ بھلا آپ سوچیے تو سہی کہ جب آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسوف کی نماز متعدد رکوع کے ساتھ مجمع عظیم کو پڑھائی، تو اس ارشاد کی پھر کیا ضرورت تھی اور جب کہ ارشاد فعل کے مقابلہ میں اہمیت نہیں رکھتا ہے اور سب مانتے ہیں کہ فعل میں خصوصیت کا امکان ہے اور ''قول'' میں اس طرح کوئی احتمال نہیں، تو پھر آپؐ کے قول کو فعل پر کیوں نہیں ترجیح ہوگی اور معارض روایات جب اس توجیہ سے ایک دوسرے کے موافق بنتی ہیں، تو پھر یہ پسندیدہ روش کیوں ترک کی جائے۔

حضرت الاستاذ کی اس وضاحت پر نہ صرف میں محظوظ ہوا، بلکہ آپ کی خداداد صلاحیت کا مزید قائل ہونا پڑا۔

دیکھا آپ نے کہ اکابر دارالعلوم کس منفرد صلاحیت اور مواہبت الٰہی کے جامع ہیں۔

استاذ جلیل!

میں نے آپ کے قیمتی لمحات مصروف کیے جس کے لیے میں معذرت طلب ہوں، میں آپ کا مکرر شکریہ ادا کرتا ہوں خود اپنی جانب سے اور اپنی جماعت کی جانب سے۔

واللّٰہ یحفظکم أینما کنتم وھو حسبي ونعم الوکیل نعم المولیٰ ونعم النصیر"(۱)

امام کشمیری کی یہ تقریری برجستہ تھی۔ انہوں نے دار العلوم دیوبند کے ذمہ داران اور اپنے استاذ کی خواہش پر یہ تقریر پیشگی تیاری کے بغیر فرمائی تھی۔ اس تقریر کے ہر حرف سے علم کی خوشبو پھوٹتی ہے، آپ نے اس مختصر خطاب میں تحقیق کا جو دریا بہایا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ یہ تقریر ایک طرف جہاں حدیث کے رد وقبول میں احناف کے نقطہ نظر اور امام ابو حنیفہ کے اصول کو واضح کرتی ہے؛ وہیں عربی زبان وادب پر آپ کی مضبوط گرفت پر شاہد عدل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ رشید رضا مصری جیسا جلیل القدر عالم دین جس نے عربی فضا میں آنکھ کھولی اور اپنے وقت کے صف اول کے ادیب وصحافی اور عالم ہونے کا اعزاز حاصل کیا، انہوں نے بھی امام کشمیری کی وسعت علم اور عربی زبان پر آپ کی قدرت کا برملا اعتراف کرتے ہوئے فرمایا کہ "میں نے اس جیسا جلیل القدر عالم نہیں دیکھا"۔ پھر وطن واپسی پر اپنے مجلّہ "المنار" میں دار العلوم کی زیارت کا تذکرہ کیا اور اپنے مضمون میں امام کشمیری کے تبحر علمی کا برملا اعتراف اور دار العلوم کی دل کھول کر تعریف فرمائی۔

علامہ کشمیری اور شعروسخن:

اللہ پاک نے شعراء کی بے راہ روی اور بے تکی مضمون بندی کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا ہے "والشعراء یتبعھم الغاوون"(۲) اور انبیاء کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ "ہم نے انہیں شعر نہیں سکھلایا اور نہ ہی شعر گوئی انبیاء کی شایان شان ہے۔"(۳) غالباً اسی لیے علماء نے فن سخنوری کی طرف توجہ نہیں کی۔ مدارس نے بڑے بڑے اصحاب فکر وفن پیدا کیے، لیکن ان بوریہ نشینوں کی نظر میں شعر گوئی کی ذرا بھی اہمیت نہیں۔ اس لئے عام طور پر علماء میں فن شاعری سے یک گونہ نفور پایا جاتا ہے۔ دار العلوم دیوبند کے علماء کی اس فن سے بے رغبتی اور عدم دلچسپی کا تذکرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر زبیر احمد فاروقی لکھتے ہیں:

---

(۱) ترجمہ نقش دوام سے ماخوذ ہے، ص۲۴۶۔۲۶۲

(۲) الشعراء:۲۲۳

(۳) یٰسین:۶۸

"إن الشعر لم يكن لديهم موضع عناية جادة، و إهتمام جدير بالذكر لأسباب معروفة، وأكثرها وقعياً هو أن الإسلام لم ييشجع هذا الفن وأصحابه"(۱)

لیکن دوسری طرف احادیث میں شعر کی تعریف بھی ملتی ہے۔ نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ بعض اشعار میں حکمت کی باتیں ہوتی ہیں (۲)، متعدد صحابہ سے آپ نے اشعار سنے ہیں، شاعر رسول ﷺ حضرت حسان ابن ثابتؓ کے لیے تو آپ نے مسجد نبوی میں خاص منبر بنوایا، ان کے لیے دعائیں کیں۔ ان سے فرمایا کہ آپ قریش کی ہجو کیجئے، جبریل امین آپ کے ساتھ ہیں۔ حضرت حسانؓ کفار کے اشعار کا دندان شکن جواب دیتے تھے، کعب ابن زہیر کے قصیدے پر آپ نے انہیں اپنی چادر مبارک عنایت فرمائی۔ یہ روایات بتلاتی ہیں کہ اگر اشعار میں اسلامی باتیں ہوں اور حکمت و موعظت کو ردیف و کافیہ کا لبادہ اڑھا دیا جائے، تو ایسی شاعری قابل تحسین ہے۔

علامہ کشمیری کی نگاہ میں سخنوری کے سلسلے دونوں طرح کی روایتیں تھیں، اس لیے آپ نے نہ شعر گوئی سے اجتناب فرمایا اور نہ ہی اپنے اشعار کو گندے افکار سے ملوث ہونے دیا۔ آپ بجا طور پر امام شافعیؒ کی زبان میں دعویٰ کر سکتے ہیں: ؎

ولو لا الشعر بالعلماء يُزري ☆ لكنت اليوم أشعر من لبيد

علامہ کشمیر گو میدان شعر و سخن کے تاجدار تھے۔ شعر و شاعری پر ان کو دسترس حاصل تھی، قافیہ و ردیف ان کے زرخرید غلام تھے۔ طویل بحروں میں سو سو اشعار کے قصیدے آپ نے برجستہ کہے، لیکن کبھی آپ نے داد سخن کے لیے وقت نہیں نکالا، بلکہ اپنے قیمتی اوقات علم حدیث اور علوم شرعیہ کی خدمت ہی میں صرف کئے۔ خود فرماتے ہیں:

"لم أضيع أوقاتي في الشعر قط، قد تعودت علىٰ أنني كلما أجلس علىٰ الخوان والمأدبة، اصطحب القلم و القرطاس، فكنت أكل وجبة وأقرض شعراً، ثم إنما أفرغ عن الطعام أفرغ عن القرض و النظم"(۳)

(۱) مساهمة دارالعلوم ديوبند في الأدب العربي، ص: ۸۹، د: زبير احمد فاروقي، ط: دارالفاروقي، نيو دهلي.

(۲) دیکھئے: صحیح الأدب المفرد للألبانی، ط: بیروت، عبداللہ بن عباسؓ، حدیث نمبر: ٦٦٩

(۳) ملفوظات علامہ کشمیری، ص: ۳۸۴

”میں نے اپنا وقت شاعری میں کبھی نہیں برباد کیا۔ ہاں! اتنی بات ہے کہ جب میں دسترخوان پر بیٹھتا ہوں تو قلم، کاغذ ساتھ ہوتا ہے، ادھر ایک لقمہ لیتا ہوں اور ایک شعر کہتا ہوں، ادھر کھانے سے فارغ ہوا اور ادھر میری ایک نظم تیار ہوگئی۔“

جہاں شعراء کا یہ حال ہے کہ ایک ایک شعر کہنے کے لیے انہیں گھنٹوں اور منٹوں نہیں؛ بلکہ ہفتوں اور مہینوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ کسی فکر کو شعر کے قالب میں ڈھالنے کے لیے نہ معلوم کتنی دفعہ کاٹ پیٹ کی نوبت آتی ہے۔ شعر بن بھی جائے تو پھر اسے کافیہ اور ردیف کی کسوٹی پر پرکھنا پڑتا ہے۔ کسی استاذ سے اصلاح لینے کی ضرورت پیش آتی ہے، لیکن امام کشمیری کا یہ حال ہے کہ دادِ سخن دینے کے لئے وقت خاص کرنا بھی بربادیٔ وقت سمجھتے ہیں۔ ان کی نظمیں، قصیدے دسترخوان پر کھانے کے دوران تیار ہوتے ہیں یا پھر کسی محفل میں، کسی تقاضہ پر ان کے دماغ میں بند علم کا بحر ذخار شعر کے قالب میں ان کے افکار کو ڈھال کر پیش کر دیتا ہے۔ علامہ کے اس بیان سے فن شاعری میں آپ کی انفرادیت، زبان و بیان پر قدرت، فنکارانہ چابک دستی، تخیل کی بلندی اور فکر کی پرواز کا اندازہ لگانا مشکل نہیں۔ علامہ کے سامنے شاعری کی قباحتیں تھیں۔ وہ جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے کیوں اور کن اسباب کی وجہ سے شاعری کی مذمت کی ہے۔ اس لیے آپ نے اپنی شاعری کو رومانس، حسن و جمال کی تعریف، شراب و شباب اور دیگر اخلاقی رزائل سے پاک و صاف رکھا، گویا شعر آپ کے دربار آ کر مسلمان ہوگیا۔

آپ کی شاعری میں نہ جل پریوں کی داستان ہے، نہ عشق وحسن کی جلوہ آرائیاں، حسن بے پردہ کی خاکہ گری نہ جام وسبو کا ذکر، شراب کی مدہوشی نہ گلنازوں کا چرچا۔ ان تمام گندی اور فحش باتوں سے آپ کی شاعری پاک وصاف ہے۔ آپ کا شعری ملکہ، ردیف وکافیہ پر آپ کی قدرت کی نیرنگیاں اسلامی مضامین کی کافیہ بندی میں جھلکتا ہے۔

آپ کی شاعری میں قرآن وحدیث کی عطر بیزیاں، فقہ وفلسفہ کے مسائل، لغت وادب کی باد نسیم، نعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشبو، اکابر واسلاف کی روشن تاریخ کا ذکر دل نواز جیسے موتی بکھرے ہوئے نظر آئیں گے۔ شیخ بنوری فن سخنوری میں آپ کے کمال کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

” براعة الإنشاء وفضل الأدب يظهر في إفصاح التعبير

الأدبي في غوامض الأبحاث و مشكلات المسائل ليست المزية في فصاحة عبارات الحدائق والأزهار، و ذكر النسائم وخرير الأنهار فإنها باب طرقه كل شاعر و كاتب"(۱)

آپ کی شاعری کے بنیادی اسباب:

کہتے ہیں کہ شاعری ایک فطری ملکہ یا جذبہ ہے۔ شاعر کے دل میں زندگی کے تجربات و مشاہدات اور حادثات کے نتیجہ میں ایک خاص تاثر پیدا ہوتا ہے، یہی تاثر، افکار وخیالات کو جنم دیتے ہیں، جب یہی افکار وخیالات قافیہ وردیف کے سانچے میں ڈھلتے ہیں، شعر بنتا ہے، یہی وہ خارجی وداخلی تکوینی عناصر ہیں؛ جو شاعر کی شاعری کے بنیاد ہوتے ہیں۔ علامہ کی شاعری کے یہ تین تکوینی عناصر ہو سکتے ہیں، جس نے آپ کے شاعرانہ کمالات کو اوج کمال بخشا۔

(۱) **ادب سناش خاندان** —— علامہ کشمیریؒ نے، جس خاندان میں آنکھیں کھولیں، جن باہوں میں کھیلے کودے، جس آنگن میں کلکاریاں ماریں وہ ایک ادب نواز، ادب سناش اور سخن وروں کا خاندان تھا۔ پہلے ہی ذکر آچکا ہے کہ آپ کے والد گرامی نہ صرف بڑے عالم تھے، بلکہ میدان شعر وسخن کے بھی شہسوار تھے۔ آپ کی والدہ نے بھی بہترین ادبی ذوق پایا تھا۔ علم وادب، شعر وسخن سے آپ کو گہری دلچسپی تھی۔ آپ کے والد تو فارسی کے اپنے وقت کے ممتاز شعرا میں شمار کئے جاتے تھے۔ آپ کے بڑے بھائی بھی اچھے شاعر تھے۔ علامہ کی خوش قسمتی تھی کہ انہیں ایسا ادبی خاندان میسر آیا۔ ان کی رگوں میں شعر وسخن کا خون دوڑ رہا تھا۔ وہ قافیہ وردیف کے آنگن میں کھیلے کودے اور پروان چڑھے۔ اس ادبی فضا نے ان کے ذوق سخن کو مہمیز کیا، پھر علامہ کا ذاتی وجدان وشعور سونے پر سہاگہ سے کم نہیں۔ آپ کو شعر کہنے کے لیے کبھی وقت نہیں نکالنا پڑا، بلکہ دستر خوان پر نوالوں کے ساتھ ساتھ نظمیں ڈھلتی تھیں۔ ادھر کھانا ختم ہوا ادھر ایک نظم کی لڑی بن کر تیار ہوئی۔

(۲) **کشمیر کی دلفریب وادی** —— جنت نشاں کشمیر کا حسن دل نواز کسے مسحور نہیں کرتا اور کن آنکھوں کو وہ حیرت واستعجاب کے سمندر میں غوطے نہیں دیتا۔ بہتی نہریں، اونچے اونچے برف کی چادر اوڑھے پہاڑ، حسین آبشار، دلفریب باغات، صاف ستھرے چشمے، آسمان میں تیرتے سفید

---

(۱) مقدمة نصب الرأية لأحاديث الهداية، ص: ٤

بادل، بادنسیم کے خوشبودار جھونکے، کھلتی کلیاں، چٹختے پھول، سیب، ناشپاتی، انگور، آخروٹ اور نا معلوم کن کن انواع واقسام کے پھلوں سے لدے ہوئے درخت یہ حسین منظر کن آنکھوں کو خوشیاں نہیں بخشتی۔ کون بد بخت ہوگا جو اس کی دلفریب اداؤں اور بل کھاتی چوٹیوں کو اپنی آنکھوں کا سرمانہ بنائے، یہ وہ چیزیں ہیں جو شاعر کو غزل کے پہلو دے جاتی ہیں۔ شعر کا جوار بھاٹا سینوں سے مچل کر سفینوں پر تیرنے لگتا ہے۔ امام کشمیری کا ذہن تو کارخانہ غیب کا خود ہی ایک انمول ہیرا تھا۔ دل پاک وصاف، نگاہیں پاکیزہ، جب دل ونگاہ نے اس حسین منظر کو دیکھا، اللہ کے انعامات واکرام کو اپنے اوپر محسوس کیا، تو بے چین الفاظ نے خود ہی ردیف وقافیہ کا لبادہ اوڑھ لیا۔ شاید یہی وجہ ہے کہ علامہ نوعمری کی زمانے ہی سے دادِسخن دینے لگے تھے۔

(۳) **دار العلوم دیوبند کی ادبی فضا_____** علامہ کشمیری جب دار العلوم آئے تو وہاں کی نسیم ادبی نے ان کا استقبال کیا۔ دار لعلوم کی فضا، ادب عربی کی خوشبو سے معطر تھی۔ دار العلوم کا نصاب - جس میں عربی زبان و ادب کو بڑی اہمیت دی گئی ہے- ان کے سامنے تھا۔ اس نصاب میں ذوق سخنوری کو جلا بخشنے کی خاطر متعدد شعری مجموعے شامل ہیں۔ عرب کے سات مشہور معلقات، ابوتمام کا حماسہ، متنبّی کا دیوان، دار العلوم کے نصاب کا حصہ ہے۔ یہ اور بات ہے کہ آپ نے دار العلوم میں ان کتابوں کو نہیں پڑھا، لیکن دار العلوم میں ہر وقت گونجتے عربی نغمات سے آپ ضرور متاثر ہوئے ہوں گے۔ طلبہ کبھی ان اشعار کو درس گاہوں میں گنگناتے، کبھی اپنے کمروں میں اور کبھی دسترخوان پر، شاید ہی کوئی لمحہ ایسا گزرتا ہو، جب کوئی کویل کی آواز میں تاردل کو نہ چیڑ رہا ہوتا ہو۔ بھلا کوئی زندہ دل اس سے متاثر ہوئے بغیر رہ سکتا ہے، پھر وہ اساتذہ جن کے سامنے آپ نے زانوئے تلمذ تہہ کیا، ان میں متعدد ایسے ہیں جن کا اپنا دیوان ہے اور وہ اپنے وقت کے ممتاز شعرا میں ہیں۔ شاعری سے آپ کے شغف کا اندازہ اس سے کیجئے کہ آپ کو پچاس ہزار سے زائد اشعار یاد تھے۔ علامہ کشمیری کے تصنیفات میں بھی آپ جگہ بہ جگہ اشعار عرب سے استشہا دپائیں گے۔ دوران درس بھی آپ کسی لفظ کی تحقیق کے لیے پورا پورا قصیدا پڑھ جاتے تھے۔ علامہ مناظر احسن گیلانی تحریر کرتے ہیں:

''ان کی ایک عادت یہ بھی تھی، کہ عربی زبان کے کسی مشکل لفظ کی تشریح کرتے ہوئے یا کسی اور ضرورت سے عربی شعر کو پیش کرنا چاہتے: تو گوشہادت

کے لئے ایک مصرعہ یا ایک شعر ہی کافی ہوتا، لیکن یادداشت کی بے پناہ قوت کا نتیجہ تھا، کہ ایک مصرع کے لیے بیس بیس پچیس پچیس، بلکہ اس سے بھی زیادہ اشعار والی نظموں کو مسلسل سناتے چلے جاتے۔ ظاہر ہے کہ اس وقت ہم طالب العلموں کی حیثیت ٹھیک ان بھینسوں کی ہوجاتی تھی؛ جن کے سامنے بجانے والا بین باجہ بجا رہا ہو اور غریب بھینسیں ٹک ٹک اس کو دیکھ رہی ہو۔ دوسروں کے متعلق تو مجھے کہنے کا حق نہیں، لیکن فقیر کی حیثیت تو اس وقت ''اخفش'' کے بزہی کی ہوجاتی تھی۔ اپنی یافت اور سمجھ کے مطابق جیسا کہ عرض کرچکا ہوں۔ شاہ صاحب کی تقریروں کو میں مسلسل نوٹ کرتا چلا جاتا تھا؛ لیکن جب انشادو شعر گوئی کا یہ جذبہ شاہ صاحب پر طاری ہوتا تو میرے قلم اور انگلیوں کو آرام کرنے کا قدرتی موقع مل جاتا۔'' (۱)

جب کہ مولانا بدرالحسن قاسمی کہتے ہیں:

''وفي شرح الحديث النبوي كان الشيخ يثير أبحاثاً علمية نادرة يتسع نطاقها إلىٰ البلاغة والنحو والصرف، فإ ذا جاء علىٰ الاستشهاد بقول شاعرفربما يتمثل قصائد طويلة لكثرة محفوظاته'' (۲)

لیکن ان عناصر تکوینی کے علاوہ سب سے بڑی بات، خود آپ کا کرشمائی قوت حافظہ اور ثاقب ذہن ہے۔ صاف ستھرا اور پاکیزہ دل فطرت کی نورنگیوں اور افکار خیالات کی جدت کو اشعار کے قالب میں ڈھال دیتا تھا۔ اس فطری ادبی ذوق کو ان عناصر نے مہمیز کیا اور شعر وسخن کے میدان میں بھی آپ کے ہاتھ رہا۔ شعر گوئی سے طبیعت ایسی مانوس ہوگئی تھی کہ بغیر کسی غور خوض تقطیع اور کاٹ پیٹ کے اشعار آپ کے نوک قلم سے اس طرح برستے تھے، جیسے بادل سے پانی۔ ایک دفعہ کی بات ہے کہ ریاست بہار کے شہر گیا میں جمعیۃ علماء ہند کا ایک جلسہ ہوا، علامہ اس میں تشریف فرما تھے، آپ کے بعض دوستوں نے اس موقع پر ایک نظم کی فرمائش کی، پھر کیا تھا، اسی وقت برجستہ ایک طویل نظم کہہ ڈالی۔ (۳)

---

(۱) حیات انور، ص: ۶۸، ۶۹

(۲) مجلة الداعي، خصوصي شماره، مارچ اپريل ۱۹۸۰ء، ص: ۶۲

(۳) البرهان دهلي، دسمبر ۱۹۸۰ء، ص ۲۷، کشمیر میں شاعری، ڈاکٹر محمد فاروق

ساٹھ اشعار پر مشتمل یہ طویل نظم بحر کامل میں ہے۔ چند اشعار ملاحظہ کیجئے:

الملک للّٰہ الرفیع الشان ذي الطول والتصریف في الأزمان
کم من بعید قربتہ ھباتہ ومنی رجونا ما لھن تدان
غیرہ الزمان و إنھا عبر متیٰ دارت علی الیقظان والوسنان
فبقدرہ خیر و شر لازب وبأمرہ یتقلب الملوان
وقضاءہ في أرضہ وسمائہ خفضا ورفعا کفۃ المیزان

اس نظم کی ابتدا حمد باری سے ہوئی ہے، پھر چند اشعار اسلام وایمان کی تعریف میں ہیں، پھر بعد کے چند اشعار میں علامہ کشمیری نے اسلامی خلافت وملوکیت کا تاریخی جائزہ پیش کیا ہے۔ جمعیت کی خدمات کے مختصر جائزہ کے لیے بھی چند اشعار مختص ہیں اور نظم کا حسن اختتام بھی حمد باری پر ہوا۔ اخیر کے چند اشعار یہ ہیں:

و أقام رب العرش عزۃ دینہ و أطال ظل خلافۃ السلطان
ظل الإلٰہ علیٰ البریۃ کلِّھم سلطانھم عند المجید الثاني
سعدت مساعیہ وأنجح جدہ ما دام یسعیٰ في رضیٰ الرحمٰن
والحمد للّٰہ الذي قد خصنا بمزید فضل منہ ثم حنان
ثم الصلاۃ علی النبي وآلہ خیر الخلائق من بنی عدنان
(۱)

یہ دلچسپ واقعہ بھی سن ہی لیجئے کہ ایک دفعہ مونگیر میں قادیانیوں سے مناظرہ ہوا۔ علامہ کشمیری بانی ندوہ مولانا محمد علی مونگیری (۲) کی دعوت پر تشریف لے گئے۔ قادیانی مناظرین کا اصرار

(۱) نفحۃ العنبر، ص: ۱۷۷

(۲) فکر ندوہ اور ندوۃ العلماء کے بانی وناظم مولانا سید محمد علی مونگیری کی ولادت 28/ جولائی 1846ء کو کانپور میں ہوئی۔ اپنے چچا ظہور علی سے قرآن کریم اور ابتدائی کتابیں پڑھی، کانپور کے فیض عام میں مولانا لطف اللہ علی گڑھی، مولانا سید حسین شاہ، مولانا عنایت عماد کاکوری وغیرہ سے استفادہ کیا۔ بعد کو علی گڑھ میں مولانا لطف اللہ علی گڑھی سے صحاح ستہ اور دیگر علوم وفنون کی تکمیل کی۔ 1293ھ میں مظاہر العلوم تشریف لے گئے اور محدث احمد علی سہارنپوری کی خدمت میں رہ کر صحاح ستہ، مؤطا امام مالک، مؤطا امام محمد پڑھی، حضرت مونگیری اعلیٰ حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی سے بیعت ہوئے اور انہیں سے خرقہ خلافت حاصل ہوئی۔ آپ کا سب سے عظیم کارنامہ ندوۃ العلماء اور جامعہ رحمانی مونگیر کا قیام ہے، دنیا کا شاید ہی کوئی ایسا گوشہ ہو جہاں ندوہ کے فارغین علم اور دین کی خدمت نہ انجام دے رہے ہوں۔ مولانا مونگیری

تھا کہ گفتگو عربی زبان میں ہوگی۔ ورنہ وہ مناظرے میں شرکت نہیں کریں گے۔علامہ کشمیری نے انہیں جواب دیا کہ عربی زبان میں نہیں؛ بلکہ فصیح عربی نظم میں مناظرہ ہوگا۔اب قادیانیوں کے لیے راہ فرار کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا۔ذلیل وخوار ہوکر جلسہ گاہ سے فرار ہو گئے۔(۱)

علامہ کشمیری کو فن سخنوری میں ید طولیٰ حاصل تھا۔آپ نے اردو، فارسی اور عربی تینوں زبان میں شاعری کی۔البتہ آپ کے عربی قصائد کی تعداد زیادہ ہیں۔استاذ سخن علامہ کشمیری دارالعلوم کی عربی انجمن نادیۃ العرب کی سرپرستی بھی فرمایا کرتے تھے۔یہ انجمن شیخ الادب مولانا اعزاز علی امروہوی کی کوششوں سے ۱۳۰۴ھ میں قائم ہوئی تھی۔انجمن ہر جمعرات کو ہفتہ وار شعری نشست منعقد کرتی تھی۔اس شعری نشست میں دارالعلوم کے اساتذہ اور طلبہ دونوں ہی شریک ہوا کرتے تھے۔طلبہ اور اساتذہ اپنے عربی قصائد، غزلیں، نظمیں سنایا کرتے تھے اور علامہ کشمیری بحیثیت صدر اور استاذ سخن ان اشعار کی تصحیح فرمایا کرتے تھے۔آپ طلبہ اور اساتذہ کو فن سخنوری کی باریکیاں سکھاتے اور ان کے اشعار پر ان کی حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔علامہ محمد ادریس کاندھلوی نے جب اپنا مشہور قصیدہ ''لامیۃ المعراج'' کہا، تو تصحیح کی غرض سے اپنے استاذ کی خدمت میں پیش کیا۔ علامہ کشمیری نے اس قصیدے کی تصحیح کے بعد ان الفاظ میں اپنے تاثرات اظہار فرمایا:

''فقد سرحت فيه النظر، فما ذكر فيه من الأحاديث ،وأقوال الأعلام الكبار، وما أكده فيه النظر ، فما ذكره فيه من المعراج الجسماني في اليقظة ورؤية الله تعالى كلها تستحق الثناء علىٰ صاحب الكتاب، وهٰكذا الحلاوة وصناعة البيان وطلاقة اللسان في النظم حظ من البلغاء ، جعلها الله سبباً للشفاعة ووسيلة للنجاة كما

== کا دوسرا بڑا کارنامہ قادیانیت اور عیسائیت کی سرکوبی ہے۔مولانا مونگیری حضرت فضل رحمٰن گنج مرادآبادی کے خاص مسترشد اور اپنے سب سے ممتاز خلیفہ حضرت مولانا محمد عارف ہرسنگھ پوری کی دعوت پر بہار تشریف لائے اور انہوں نے بہار میں پھیل رہی قادیانیت کی بیخ کنی کی۔آپ کی کوششوں سے عیسائیت کے بڑھتے قدم بھی رک گئے۔1903ء میں آپ ندوۃ العلماء سے مستعفی ہوگئے اور مستقل طور پر مونگیر کو اپنا مسکن بنالیا۔13 ستمبر 1927ء کو مونگیر میں وفات ہوئی اور اپنے قائم کردہ خانقاہ رحمانی مونگیر میں آسودہ خواب ہیں۔شہادت آسمانی، چشمہ حدیث، معیار صداقت، حقیقۃ المسیح تنزیہ ربانی، مرآۃ الیقین، آئینہ اسلام، دفع التلبیسات وغیرہ آپ کی تصنیفات ہیں۔(دیکھئے: سیرت محمد علی مونگیری؛ سید محمد الحسنی)

(۱) مجلة البرهان ،دهلي دسمبر ۱۹۸۰ء ص:۲۷

أراد صاحب الكتاب ،آمين يارب العالمين"

بقلم محمد أنور شاه الكشميري عفا الله عنه، ۲۲/ ربيع الآخر ۱۳۴۸ھ)(۱)

علامہ انور شاہ کشمیری طلبہ اور اساتذہ کو داد سخن پر ابھارتے اور خود بھی سخنوری کے جوہر دکھلاتے تھے۔ متعدد جلسوں اور انجمنوں میں آپ نے جو قصیدے کہے وہ ہزاروں اشعار پر مشتمل ہیں۔ بعض علماء نے آپ کے قصیدوں کی تعداد ۱۵۵ بتائی ہے۔(۲) اس کے علاوہ سینکڑوں اشعار و قصائد اور نظمیں ایسی بھی ضرور ہوں گی؛ جو زمانے کے ظالم ہاتھوں کے دست و برد سے کی نظر ہو گئیں۔

اصناف سخن:

علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے ہر صنف میں طبع آزمائی کی، ہاں آپ نے غزل کی طرف توجہ نہ کی۔ جو صنف شعرا کے یہاں سب سے محبوب اور پسندیدہ ہے، وہی صنف آپ کے یہاں نا قابل اعتناء تھی، آپ نے اپنی پوری شاعری میں ایک مصرعہ بھی غزل کا نہیں کہا۔ نہ اباحی غزل اپنی طرف کھینچ سکیں جس میں شاعر محبوب کی جسمانی تراش وخراش کی سراپا کشی کرتا ہے۔ اس کے خدو خال کے ابھار اور جوانی کی اٹھان بیان کرتا ہے، شوخ انداز میں مزے لے لے کر حسن مستانہ کی آبروریزی کرتا ہے اور نہ ہی عذری غزلیں آپ کو متاثر کر سکیں جس میں شاعر کنایہ کی زبان میں اپنے محبوب کی خاکہ نگاری کرتا ہے۔ اس کے حسن بلاخیز کو بے پردہ کرنے کی کوشش کرتا ہے ـــــ بلکہ آپ کی شاعری کا محور نبی کریم ﷺ کے عکس جمیل کی سراپا کشی، تعلیمات نبوی کا بیان، اخلاق محمدی کی نشر و اشاعت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک تذکرہ تھا۔ مدح نبوی کے علاوہ اسلاف کے کارناموں کا بیان، اپنے کسی بزرگ کی فراق میں آہیں، ترحیبات و استقبالے اور مختلف مواقع پر دوستوں کے اصرار کے جواب میں اشعار رہا۔

نعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم:

علامہ کشمیری کا پاک دل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے لبریز تھا۔ آپ کی روح کو

---

(۱) علماء مظاهر علوم سهارنبور و انجازاتهم العلمية و التأليفية، ص: ۳۰۲، سيد محمد شاهد

(۲) نقش دوام، ص: ۲۵۱

عشقِ نبوی کا گھونٹ پلایا گیا تھا، دل کی دھڑکنوں میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یادیں رچی بسی تھیں۔ کتنی دفعہ ارادہ کیا تھا کہ ہندوستان کو چھوڑ دیارِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں قیام فرمائیں۔ ایک دفعہ تو کشمیر سے بغرض ہجرت نکل بھی پڑے تھے، لیکن قدرت کے مضبوط ہاتھوں نے انہیں ہندوستان میں قیام پر مجبور کردیا۔ عشقِ نبوی تھا کہ آپ نے اپنی پوری زندگی پیغامِ محمدی صلی اللہ علیہ و سلم کی نشر و اشاعت اور اس کی تحقیق میں صرف کردی۔ ہندوستان میں جب ارتداد کی آگ پھیلی تو نبی اکرم کا یہ دیوانہ شمشیر بے نیام بن کر کھڑا ہوا۔ آپ نے فتنۂ قادیانت کی بیخ کنی کے لیے اپنی زندگی وقف کردی۔ مناظرے کیے، کتابیں لکھیں اور لکھوائیں، جس کا تفصیلی ذکر آپ سن چکے ہیں۔ عشقِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی آگ جو دل میں لگی تھی اسی آتشِ عشق کی چنگاریاں شعر بن کر دل کی بے تاب کیفیت کو آشکار کرتی تھی۔ جب دل بادنبی تڑپتا تو اشعار آہ بن کر صفحہ قرطاس پر بکھر جایا کرتے تھے۔ آپ نے متعدد نعتیہ قصیدے کہے۔ فارسی عربی دونوں ہی زبانوں میں سینکڑوں نعتیہ اشعار آپ کی سچی محبت اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ عشق کا ثبوت ہیں۔ آپ کا ایک نعتیہ قصیدہ تو خیال کی لطافت، سبک روی، محبت کی عطر بیزیوں میں کمال کو پہنچا ہوا ہے۔ کبھی تو شبہ ہونے لگتا ہے کہ کیا کوئی عجمی اس درجہ کی شاعری کرسکتا ہے؟ مولانا یوسف بنوری لکھتے ہیں:

"لولم يكن للشيخ قدس سره غير هٰذه اليتيمة الحسناء لكفىٰ دليلاً علىٰ أنه وصل إلىٰ قصارىٰ منازل الشعر"(۱)

آپ کا یہ نعتیہ کلام بحرِ کامل میں ہے، جس کے چند اشعار آپ بھی پڑھئے اور دل کی دنیا کو منور کیجئے۔

بَرقٌ تَألَّقَ مَوهِناً بِالوادِي	فَاعتادَ قَلبِي طائفَ الأنجادِ
أسِفا علىٰ عَهدِ الحِمىٰ وعَهادِهِ	تَولّىٰ علىٰ الإبراقِ والأرعادِ
رهم تناوح تارة ديم لها	كالأعياد حتىٰ غدا الأيام
هَبّ النَسيمُ علىٰ الرُّبىٰ فَتضاحَكتْ	بُشرىٰ العَميدِ عَراهُا وَالجادِي
أنَا فِي أمانٍ مِن دآدِي خَيرةٍ	وَلِيَ اهتداءٌ بِالنَّبِيِّ الهَادِي
شَمسُ الضُّحىٰ بَدرُ الدُّجىٰ صَدرُ العُلىٰ	عَلَمُ الهُدىٰ هُوَ قُدوةٌ لِلقادِي
مَولىٰ الوَرىٰ وَبَشِيرُهُم وَشَفِيعُهُم	وَخَطِيبُهُم فِي مَشهَدِ الأشهادِ

معنیٰ خیال اور سبک روی، الفاظ کی ندرت اور لطافت ترکیب میں یہ قصیدہ اس بلندی پر ہے کہ: اسے ہندوستانی شعراء کے عمدہ ترین قصیدوں میں شمار کرنا عین انصاف ہوگا۔ محبت، وفا، عشق اور نبی اکرم

(۱) نفحة العنبر، ص: ۱۵۶

صلی اللہ علیہ وسلم پر جانثاری کی تعبیر کے لیے اس سے عمدہ اسلوب اور تعبیر کیا ہو سکتی ہے؟

علامہ کا نعتیہ کلام- جو آپ نے شیخ سعدی شیرازی کی زمین میں کہا ہے- بھی آپ کے کمال فن کی واضح دلیل ہے۔ محبوب دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی محبت اور جانثاری وفدا کاری کا اظہار اس طرح کرتے ہیں۔

شَفیعٌ مُطاعٌ نبیٌ کَرمٌ　　قسیمٌ جسیمٌ نسیمٌ وسیمٌ

أحید وحیدٌ مجیدٌ حمیدٌ　　غَیاثُ الوَریٰ مُستَغاثُ الهَضِیمِ

أسِیلٌ رَسِیلٌ کَحِیلٌ جَمِیلٌ　　صَبِیحٌ مَلیحٌ مَطِیبُ الشَمِیمِ

مَقاضُ الْجَبِینِ کَبَدرِمَبِیْنِ　　بِشَغرِ بَسِیمٍ کدُرِّ یَتِیمٍ

شِفاءُ الْعَلِیلِ رَواءُ الغَلیلِ　　بِبِشْرِ الْمُحیّا وَنَشرِ لَخِیمٍ

صدوقٌ فروقٌ فصیحٌ نصیحٌ　　عروفٌ عطوفٌ رؤفٌ رحیمٌ

شَفِیعٌ رَقیقٌ خَلیقٌ طَلیقٌ　　صَفُوحٌ نَصُوحٌ عَفوٌ حَلیمٌ

مجیبٌ منیبٌ نقیبٌ نجیبٌ　　حَسِیبٌ نَسِیبٌ ونورٌ قدیمٌ

بشیرٌ نذیرٌ سراجٌ منیرٌ　　خبیرٌ بصیرٌ دلیلٌ عظیمٌ

دلیلٌ وَهادٍ سَبِیلُ الرَّشادِ　　وَخَیرُ العِبادِ ثُمالُ الْعَدِیْمِ

تقیٌ نقیٌ صفیٌ وفیٌ　　وَجِیْهٌ نبیهٌ مبینٌ حَکِیمٌ

هُدیٰ مُقتدیٰ مُصطفیٰ الأصفیاء　　صبورٌ شکورٌ مُقِفٌ مُقِیمٌ

ومزملٌ ثُمّ مُدثِّرٌ　　سعیدٌ رشیدٌ خلیلٌ کلیمٌ

عفیفٌ حنیفٌ حبیبٌ خطیبٌ　　هُو القدوة الأسوة الْمُستَقِیمُ

نَبِیُّ النَّبینَ وَالْمُرسَلِینَ　　وَطٰهٰ و یٰسین فیضٌ عَمِیمٌ

نَبِیُّ الوَریٰ سَیِّدُ الأنبیاءِ　　نَجِیُّ الإلٰهِ جَلیلٌ فَخیمٌ

إمامُ الهُدیٰ رحمةُ العالَمینَ　　غیاثُ الوریٰ مُستغاثُ الهَضِیمِ

أَحِیدٌ وَحِیدٌ مَجِیدٌ حَمِیدٌ　　وَخَیْرُ البَرایا بِفَضْل جَسِیمٍ

وأسریٰ به رَبُّه فِي السَّمَاءِ　　کَنُورٍ تَجَلّیٰ بِلَیلٍ بهِیمٍ

وأتاه ما شانه من علاءٍ　　وَ أوْحیٰ إلیه بِوَحي رَقِیمٍ

وأكــرمَ بِشَــأن سَـنِيٍ بَهِيٍ — وعــزٍ عــزيــزٍ وجــاهٍ قــويــمٍ
فيــا رب صــل وسـلـم عليــه — متـىٰ فـاح طيـبٌ ووافـىٰ نسيـمٌ
و إن عَـافِـنِي وَاعْـفُـنِـي مِـنْ أثـامٍ — إلٰـهـي بـجـاهِ الـنـبي الـكَـرِيـمِ

اس نعت نبی نے بڑی شہرت حاصل کی، علمی حلقوں میں زمانے تک اس کی گونج رہی، دارالعلوم سے منسلک تعلیمی اداروں نے اسے اپنے نصاب میں شامل کیا۔ ملک کا شاید ہی کوئی ایسا مدرسہ ہو، جس کے نصاب میں اس نعت نبی نے جگہ نہ بنائی ہو۔

علامہ انور شاہ کشمیری جب فریضۂ حج کی ادائیگی کے بعد روضہ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرنے کی غرض سے اپنی مراد کی سرزمین مدینہ منورہ پہنچے، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ کے سامنے کھڑے ہوکر بے اختیار جذبات نے قافیہ اور ردیف کی زبان اختیار کرلی۔ آپ کی اس نعت کا پہلا شعر فارسی اور دوسرا شعر عربی ہے۔ اس نعت کو پڑھئے اور علامہ کے صناعت فن کی داد دیجئے۔

اے صبا حالم رساں نزد رسول — إذ مــآلــی نـحـو مـوتـی قـديـاول
گرچہ ازتر دامنی خستم دلی — عــل إن أروى إذا هــبــت قــبــول
چون کجاہستم نر انداز درم — إنــه لا يــجـهـر الـوجــه الـسـئـوول
نیست غیراو پناہ این تباہ — هــل ســواه الــكـهـف للعاص الجهول

علامہ انور شاہ کشمیری کو کسی بھی واقعہ کو نظم کرنے میں مہارت حاصل تھی، واقعہ معراج پر آپ نے ایک طویل قصیدہ کہا، جس میں آپ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج کے واقعہ کو نظم فرمایا ہے۔ اس نعت میں آپ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر معراج کو صحیح حدیث کی روشنی میں ثابت کیا ہے، یہ ثابت کیا ہے کہ آپ کا منازل آسمانی کو طے کرنا بحالت بیداری تھا اور جسمانی طور پر آپ اپنے محبوب ومسجود آقا سے ملاقات کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ علامہ فرماتے ہیں:

تـبـارک مـن أسـرىٰ وأعـلىٰ بعبده — إلـىٰ الـمسجد الأقصىٰ إلىٰ الأفق العلىٰ
إلىٰ سبع أطباق إلىٰ سدرة كذا — إلـىٰ رفـرف أبهىٰ إلـىٰ نـزلة أخـرىٰ
وَسَـوّىٰ لــه مـن حـفـلة مـلـكية — ليشهـد مـن آيـات نـعـمتـه الـكـبـرىٰ
بـراق يسـاوي خـطـوه مدّ طرف — أتيح لـه وأختير في ذلـك الـمسرىٰ

وأبدىٰ لـه طيُّ الـزمـان فعاقـه　　رويـداً عـن الأخـوال حتاه مـا أجرىٰ
هـنـا مَـوطِـنٌ فوق الزمـان ثباتـه　　عـلـىٰ حـالة ليست بـه غيـر تترىٰ
وكـانـت لـجـبـريـل الأمين سفارة　　إلـىٰ قـاب قوسين استوىٰ ثم ما أقصىٰ
إذا خـلـف السبـع الـطباق وراءه　　وصـادف مـا أولـىٰ لـرتبتـه المولـىٰ

فلسفہ اور علم کلام:

علامہ انور شاہ کشمیریؒ پہلے ہندوستانی شاعر ہیں؛ جنہوں نے علم کلام اور فلسفہ کے دقیق مباحث کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا ہے۔آپ نے فلسفہ کے مباحث کو شعر کے قالب میں پیش کیا اور بحر طویل میں چار سو اشعار ایک نظم کہی۔آپ نے اس منظوم کتاب کا نام ”ضرب الخاتم علی حدوث العالم“ رکھا۔اس نظم کا پہلا شعر یہ ہے:

تـعـالـىٰ الذي كان ولم يک ما سوىٰ　　وأول مـا جَـلّـىٰ الـعـمـاء بِـمُصطَفىٰ
وسلسلة الأسـبـاب سلسلةٌ هوت　　ربـطـنـا بـهـا شيـئـاً فشيـئـاً إلىٰ المدىٰ

علامہ نے اپنی اس نظم میں دنیا کی بے ثباتی پر بحث کی ہے اور اسے دلائل و براہین سے آراستہ کیا ہے۔آپ نے ان تمام دلائل کا ذکر کر دیا ہے؛ جو دنیا کی فنا پر دلالت کرتی ہیں۔صرف اتنا ہی نہیں، بلکہ آپ نے ان مصادر و مراجع کا بھی ذکر خوبصورت بندوں میں کیا ہے۔نظم میں جہاں اس موضوع پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے وہیں آپ کی یہ نظم یا یہ منظوم کتاب قافیہ اور ردیف اور بحروں پر آپ کی قدرت کی دلیل ہے۔آپ نے ایک ایک شعر میں ایسے ایسے مضامین پرو دئے ہیں، جس کے لیے کئی صفحات درکار تھے۔کون نہیں جانتا کہ فلسفہ اور علم کلام کی مسائل علم کے سنگلاخ وادیاں ہیں، جہاں آبلہ پائی ہر کس و ناکس کے بس میں نہیں۔نثری مضامین میں بھی ان مباحث کا احاطہ انتہائی مشکل ہوتا ہے۔چہ جائے کہ قافیہ اور ردیف کے بندشوں میں جکڑ کر انہیں پیش کیا جائے اور وہ بھی اس خوبصورتی سے کہ عرب بھی شرما جائیں۔

علامہ نے ایک دوسرا قصیدہ بھی اس موضوع پر کہا ہے؛ جس میں آپ نے یہ ثابت کیا ہے کہ ایک دن آئے گا جب دنیا تباہ و برباد ہو جائے گی اور یہ حسین لیکن بے ثبات دنیا روئی کی گالوں کی طرح بکھر جائے گی۔علامہ فرماتے ہیں:

وذاک اصطکاک عالم الخلق بینه　　　و عالم أمر عن طواري قد خلا
وصورة نوع إذ رأيت تقومت　　　بمادة ماذا محوّلها هنا

علم کلام کے مباحث میں علامہ ابن قیم جوزی کا ایک مشہور قصیدہ قصیدۂ نونیہ ہے، لیکن اس میں بعض مباحث چھوٹ گئے ہیں۔ علامہ کشمیری نے اس قصیدے کا ضمیمہ لکھا ہے۔ اس قصیدے کا حسن آغاز دیکھیے:

ومن الصفات حیاته وبقاؤه　　　ومن الخصائص کیف یشترکان
أحدٌ فلم یک غیره في غابر　　　صمدٌ بقيُ بالملک والسلطان
لابُدَّ أن في الکون تظهرُ وحدة　　　من غرما ثان و کلّ فان

اس کے علاوہ بھی علامہ نے متعدد اشعار علم کلام اور فلسفہ کے موضوع پر کہے۔ بحر کامل میں علم کلام کے موضوع پر علامہ کے یہ اشعار بھی قابل ذکر ہیں۔

سبحان مَنْ کل الوریٰ برهانه　　　أن لیس شأن لیس فیه شأنه
والکون طرّا من تَجَلّیٰ فعله　　　خلقاً و أمراً ثم ما عنوانه
فوجوده هو واقع إذ غیره　　　ألقاه في عَدَمِ الْوَریٰ إمکانه
فماله طرف وسائر خلقه　　　في طرفه العدم اقتضیٰ فقدانه

علم کلام جیسے خشک ترین موضوع کو نظم کرنا وہ بھی اس سبک روی، چابک دستی اور صناعت لفظی کے ساتھ وہ کمال ہے، جو صرف علامہ انور شاہ کشمیری کے حصے میں آیا۔

تصوف:

تصوف بھی عجیب چیز ہے۔ زاہد تنگ نظر کو یہی تصوف ایسا اکھڑ اور نک چڑھا بنا دیتا ہے کہ وہ دنیا کی رنگارنگی کو ہی نہیں زندگی کے لطف اور خدا کی انعامات کو بھی تج دیتا ہے۔ کبھی یہی تصوف عجمی آمیزش کی وجہ سے بدعات وخرافات کی ماں بن جاتا ہے۔ تصوف کے پردے میں دین بیزار اور شریعت الٰہی سے انحراف کا تانا بانا اس خوبصورتی سے بنا جاتا ہے، کہ بے دینی ہی دین بن جاتا ہے۔ اللہ سے بغاوت ہی اللہ تعالیٰ کی شریعت قرار پاتی ہے۔ یہ ہندوستانی تصوف کی بوالعجبیاں ہیں، لیکن اگر یہی تصوف نقش پائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بنا لے تو انسانیت کی کایہ پلٹ

ہو جاتی ہے۔ ہزاروں گم گشتہ راہ ہدایت یاب ہو جاتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ تصوف کی ابتداء تصحیح نیت اور انتہا احسان ہے۔ جو شریعت کا مطلوب ہے، جسے زبان نبوت نے احسان سے تعبیر کیا ہے، یعنی اللہ کی عبادت اس طرح کی جائے جیسے اللہ کے حضور کھڑا ہوا، ہو اللہ کو دیکھ رہا ہو یا کم از کم یہ یقین ہو کہ اللہ اسے دیکھ رہے ہیں۔

علامہ انور شاہ کشمیری نے تصوف وسلوک کے منازل امام ربانی حضرت رشید احمد گنگوہی کی رہنمائی میں طے کئے۔ آپ ہی کے دست حق پرست پر بیعت کی اور اس میدان میں بھی کمال آپ کے حصے میں آیا۔ آپ نے اپنا نشیمن احسان کی منزل پر بنایا۔ پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ آپ تصوف کی دولت سے ادب عربی کو مالا مال نہ کرتے۔ آپ نے اپنی شاعری میں روحانیت کا عنصر شامل کیا، اپنی شاعری کو دین حنیف کہ خدمت اور سلوک ومعرفت کی تعلیم کا ذریعہ بنایا۔

آپ نے اس باب میں متعدد اشعار تو امرؤالقیس اور دوسرے جاہلی شعرا کی زمین میں کہے۔ ایک موقع پر ارشاد فرماتے ہیں:

ألا يا صاحبيّ أن الكلام بقدرتك　　　طويل وتحرير الخلاف يطولُ

و لا يستوي الميزان إلا بخصلة　　　تفوت بأدنىٰ ميلة فيعول

مردے سنتے ہیں یا نہیں؟ صحابہ کرامؓ اور اہل علم کے درمیان یہ اختلافی مسئلہ ہے۔ حضرت عمر اور دیگر صحابہ نیز اہل علم کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ مردے سنتے ہیں، البتہ وہ جواب نہیں دیتے اور اس گفتگو سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے ہیں۔ بخاری ومسلم کی صحیح روایت ہے کہ ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین مکہ کے سرداراں کو بدر کے ایک کنوئیں میں ڈالنے کا حکم فرمایا تھا، پھر اس کنوئیں کے منڈیر پر کھڑے ہو کر ان سرداران قریش کے نام لے لے کر فرمایا کہ اے ابوجہل، اے شیبہ، اے عتبہ، کہ کیا تم نے رب کے وعدہ کو سچ پالیا، میں نے اپنے رب کے وعدہ کو حق پایا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ یہ صرف جسم ہیں، روح نہیں، پھر وہ کیسے سن سکتے ہیں؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جس کے قبضہ میں میری جان ہے، وہ تمہارے مقابلہ میں میری بات زیادہ سن رہے ہیں۔ اس پر حضرت عائشہؓ نے تنقید کی اور فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ تھی کہ آج وہ جان لیں گے کہ میں نے جو ان سے کہا تھا وہ حق ہے۔ (۱) حضرت عائشہؓ اور دیگر اہل علم کی رائے ہے کہ

(۱)　دیکھئے: مسلم، حدیث نمبر ۴۷۲۸، بخاری، حدیث نمبر ۳۹۷۶، فتح الباری: ۷/۳۵۴

مردے نہیں سنتے ہیں اور ان حضرات کی دلیل اللہ پاک کا ارشاد "وانک لا تسمع الموتی"(۱) "وما أنت بمسمع من في القبور"(۲) جیسی آیات ہیں۔ بعض اہل علم کا خیال ہے کہ بدر کا واقعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خاص تھا اور اس وقت خاص طور پر انہیں آپ کی بات سنادی گئی تھی۔ علامہ کشمیری بھی اسی کے قائل ہیں کہ مردے سنتے ہیں اور قرآن نے جو نفی کی ہے، اس سے مراد مطلقاً نفی نہیں ہے، بلکہ اس گفتگو سے فائدہ اٹھانے کی نفی کی ہے۔

علامہ کشمیری نے اس مشکل بحث کو بھی قافیہ اور ردیف کی بیڑیوں میں جکڑنے کی کوشش ہے۔ آپ اپنی نظم میں کہتے ہیں کہ موت انسانی جسم کو آتی ہے نہ کہ روح کو، جب موت آتی ہے، تو جسم انسانی فنا ہوتا ہے، روح اس کے جسم سے نکل جاتی ہے اور وہ زندہ ہوتی ہے۔ جب انسان مردے سے گفتگو کی کوشش کرتا ہے، تو روحیں سنتی ہیں اور اسی کی تعبیر سماع موتی سے کی گئی ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

سماع موتی کلام الخلق قاطبة — قد صح فيه لنا الآثار في الكتب

وآية النفي في نفي انتفاعهم — لا يسمعون ولا يصوغون للأدب

مرثیے:

علامہ انور شاہ کشمیری کو اپنے اساتذہ، بزرگوں اور اکابر اہل علم سے بے پناہ عقیدت ومحبت تھی۔ اہل علم کی جدائی ان پر بڑی شاق گزرتی۔ جب بھی کسی عالم نے یا ان کے کسی استاذ نے اس دار فانی کو الوداع کہا علامہ پر اس کا گہرا اثر ہوا، دل اداس وغمگین ہوا تو آنسو الفاظ بن کر ٹپکے، یہی آہ ونالہ اور آنسو علامہ کے مرثیے ہیں۔ یہ مرثیے کیا ہیں، غم کے سمندر ہیں؛ جس پر آنسو کے بلبلے الفاظ بن کر تیر رہے ہیں۔ علامہ نے متعدد بزرگوں کی وفات پر غم جاناں کو غم دوراں بنا کر پیش کیا۔ اپنے دل کے پھپھولوں کی ٹیس الفاظ کے دامن میں چھپا دیئے ہیں۔ ان مرثیوں کو پڑھنے سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ یہ فن ادب کے انمول نمونے ہیں۔ بطور خاص وہ مرثیے جو آپ نے شیخ عبدالرحیم رائے پوری، علامہ رشید احمد گنگوہی، امام محمد قاسم نانوتوی اور اپنے استاذ ومربی شیخ الہند محمود حسن دیوبندی کی یاد میں کہے۔ ان مرثیوں میں آپ نے اپنی محبت اڈیل کر رکھ دی ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ

---

(۱) سورة النحل: ٤

(۲) سورة الخاطر: ٢٢

الفاظ غم کے کارخانوں سے ڈھل ڈھل کر نکل رہے ہیں۔ ان اشعار کو پڑھنے سے ان شخصیتوں کی چلتی پھرتی تصویریں پردہ سیمی کی طرح پردہ ذہن پر دوڑنے لگتی ہیں۔ علامہ کے یہ مرثیے ادبی طور پر کسی طرح بھی جاہلی دور کے مرثیے سے کم تر نہیں ہیں۔

اپنے پیرومرشد امام ربانی، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کا مرثیہ اس طرح شروع کرتے ہیں:

قفا یا صاحبيّ عن السفار ... بمرأى من عرار أو بهار

يسير بنشرها نفحات أنس ... وريا عند محيٍ من قطار

يفيض لروحها رشحات قدس ... حياة للبراري والقطار

وقد عادت صباها من رباها ... بأنفاس يطيب بها الصحاري

فيسري في قلوب الصحب وجد ... بأطراف الحديث لدى اعتبار

اس دردناک مرثیے میں 30 اشعار ہیں۔ آخری چند اشعار سنیے۔

علو مقامه قدما و سبقا ... فلا من طائر فيه مطار

فضيل زمانه ورعا وزهدا ... وحاتم عصره عند امتيار

كأن جبينه بدر مبين ... تهلل نوره عند الزوار

وهمّته كصبح مستطير ... أو الغيث المغيث لدى انتظار

لقد نفع الورىٰ شرقاً و غرباً ... و أشرق نوره عند اعتكار

وزحزح عن حريم الحقّ نكرا ... فحصحص في البسيط على الجهار

ودار مع استقامته مدارا ... أصيل الأصل محمي الزّمار

فرحمة ربه أبداً عليه ... وطاب ثراه من رضوان باري

حجۃ الاسلام امام محمد قاسم نانوتوی کے احسان تلے کس کی گردن نہیں جھکی ہوئی ہے، برصغیر کے مسلمانوں اور بطور خاص اہل علم میں کون ہے؛ جو خوان قاسمی کا خوشہ چیں نہیں ہے۔ امام نانوتوی کی علمی و فکری شان اور کارنامہ کو کشمیری جب خراج عقیدت پیش کرتے ہیں، تو دیکھئے کیسی گل افشانی فرماتے ہیں:

قفا يا صاحبيّ علىٰ الدّيار ... فمن دأب الشجي وهو ازديار

وعوجاً بالرباع رباع أنس ... في المرأي لشيء كاصطبار

وإن عــادت دوارس بــعد هجر فـقـد كــانـت مـعاهـد لـلـمزار
فتلك بلادها أمضيتُ فيها لـيــالـي مـن طـوال أو قـصـار
وبـت أسـارق الـمرأى وأهوىٰ نسيـمـا مـن شميـم من عـرار
أسـابق ريب دهـر ذي فنون وإن سـرَّاه لا يـدريـه دار
كـأنك مـا سـمعت حديث شيخ تـلـقـاء الـخيـار عن الـخيـار
وذٰلك قـاسـم الـبركـات طرا يسيـر بـذكـره تـال و قـاري
إمـام حـافـظ سـند هـمـام لسـان الـحق مـقدام الكبـار
طـراز الـلهـدىٰ حبـل متين دليـل حـجة عـالـي الـمنـار
شهيـر مسـنـد بـدر منيـر كشمـس فـوق رابـعة النهـار
(۱)

۳۲/اشعار کا یہ طویل قصیدہ بحر وافر میں ہے۔ جس میں علامہ کشمیریؒ نے امام نانوتوی کی علمی روحانی اور اصلاحی کارناموں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے انہیں ملت بیضاء کی طرف سے خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ علامہ کشمیری نے ان اشعار میں امام نانوتوی کی علمی خصوصیات، اخلاق کریمانہ، بلند کردار، ہمت فرزانہ کا ذکر جمیل کیا ہے۔ آپ کو قاسم البرکات، مسند ہند، امام اور اللہ کی زمین پر اللہ کی حجت قرار دیا ہے۔ اس قصیدہ کے آخری اشعار میں امام نانوتوی کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے باری تعالیٰ سے بلندی درجات کی دعا بھی کی گئی ہے۔

أحـب لـقـاء ه حتیٰ تـلـقّیٰ ولبّـاه و حـجَّ لـلاعتـمـار
فيـا تُـرب الـرضـي سُقيـا وريا بـمـا نـزل مـن الـرضوان جاري
متیٰ مـا فـاح مـن طيب و نشر ومـا ترثي الـحـمـائم والقمـاري

ان اشعار کو پڑھئے اور اندازہ لگائیے ایک ہندی نژاد شاعر- شاعری جس کا مشغلہ بھی نہیں ہے- جب میدان قوافی میں قدم رکھتا ہے، تو کن عظمت اور بلندیوں پر اپنا قدم جمالیتا ہے۔ یہ اشعار جیسے بہتی ندیاں ہیں جو تشنگان ادب کو سیراب کر رہی ہیں۔ علامہ کی شاعری نے دیوبند میں عکاظ کے میلے کی یاد تازہ کردی تھی۔ اپنے استاذ و مربی امام حریت شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی

(۱) مقد مة قصيدة أخلافية مناجاتية، ص: ۱-۸، محمد اعزاز علي، نفحة العنبر، ص ۱۸۲-۱۸۳، کراچی

کی جدائی جب انہیں تڑپاتی ہے؛ تو اشک کے موتی الفاظ بن کر اس طرح بکھرتے ہیں۔

قفا نبک من ذکریٰ مزار فندمعا　　مصیفاً و مشتیً ثم مرأی و مسمعا
قد احتفہ الألطاف عطفا وعطفة　　وبورک فیہ مربعا ثم مربعا
وقد کان دهرا ثم دهرا طریقتي　　طریقة غر ثم أولیٰ فأوقعا
یجاوبني دار وجار علیٰ البکیٰ　　لم أر إلا باکیا ثم موضعا
وإن کان ممّا لیس یشفي وتشتفي　　بشئ ولٰکن خل عینیک تدمعا
نهضت لأرثیٰ عالماً ثم عالما　　حدیثاً وفقها ثم ما شئت أجمعا
وهدیاً وسمتاً سنةً وجماعةً　　وخلقاً وخلقاً ما أناف و أوسعاً
إذا جئتہ وافیتہ متھللاً　　کبدر منیر من جبین و أوسعا

اصلاحی اشعار:

علامہ کشمیریؒ کے زمانے کا ہندوستان سیاسی اُتھل پُتھل اور انقلابات کا تھا۔ انگریزوں کا ظلم و بربریت ہندوستانیوں کو تڑپا رہا تھا، تو دوسری طرف ڈھیر سارے فتنے اسلامی اقدار پر لگاتار حملہ آور تھے۔ بہت ساری تحریکیں جنم لے چکی تھیں؛ جو خوبصورت نام اور حسین بینر کے پس پردہ مسلمانوں کے متاع ایمان کو لوٹنا چاہ رہی تھیں، سب سے خطرناک اور گمراہ کن فتنہ قادیانیت اپنے انگریزی آقا کی پشت پناہی میں اہل اسلام کے متاع ایمانی پر ڈاکہ ڈالنے کی کوششیں کر رہا تھا۔ ان حالات نے امام کشمیریؒ کو بے کل و بے چین کر دیا۔ اُن کی رگ حمیت بھڑک اٹھی۔ سارے کام دھام چھوڑ کر وہ اسلام اور ناموس محمدیؐ کے دفاع کے لیے میدان میں کود پڑے۔ اپنی تمام تر کوششیں دینی بیداری کے لیے وقف کر دیں۔ لوگوں کو صحیح عقیدے پر عمل کرنے کے لیے ابھارا۔ ختم نبوت کے عقیدے پر متعدد کتابیں لکھیں۔ تاج نبوت کی حفاظت کے لیے اپنے زبان و قلم کی تمام تر قوتیں صرف کر دیں۔ کبھی کبھی جب دلی جذبات بے قابو ہوتے تو یہی حمیت دینی اور ختم نبوت و اسلام کی حفاظت کی فکر شعر کے قالب میں ڈھل جاتے ہیں۔ تو علامہ کشمیری کا بے چین دل امت کو اس طرح صدائیں دیتا ہے:

ألا یا عباد اللّٰہ قوموا وقوّموا　　خطوباً ألمّت ما لهن یدان
وقد کان ینقض الهُدیٰ ومنارہ　　وزحزح خیر ما لذاک تدان
یُسبُّ رسول من أولي العزم فیکم　　تکاد السماء والأرض تنفطران
وطهّرہ من أهل کفر ولیہ　　وأبقیٰ لنار بعض کفر أماني

وحارب قومٌ ربَّهم ونبيه　　فقوموا لنصر اللّٰه إذ هو دان
وقد عيل صبري في انتهاک حدوده　　فهل ثم داع أو مجيب أذاني
وإذ عز خطب جئت مستنصراً بکم　　فهل ثم غوث يا لقوم داني
لعمري لقد نبهت من کان نائماً　　وأسمعت من کانت له أُذنان (۱)

علامہ ان فتنوں کی سرکوبی کی دعوت دیتے ہوئے اپنی بے چینی واضطراب چھپانہیں پاتے ہیں اور امت کو صدا دیتے ہیں:

صدع الصديع صيحة بالوادي　　لمن اهتدیٰ من حاضر أو باد
بالقادياني ذلک الآخر الذي　　أمسیٰ زعيم الکفر والإلحاد

تقریظات:

اسلامی علوم میں علامہ کشمیری کی دسترس اور ان کے کمالات کا پوری دنیا کو اعتراف تھا۔آپ اپنے دور میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے۔علماء کا اعتراف ہے کہ علامہ کشمیری جیسا صاحب علم نہ ہم لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور نہ خود امام کشمیری نے دیکھا ہے۔آپ کی نبوع علمی، علم حدیث میں آپ کی امامت، مختلف علوم وفنون، بلکہ متضاد علوم وفنون یکساں آپ کی بارگاہ کے غلام تھے۔متعدد زبانوں پر آپ کو مہارت حاصل تھی۔بڑے بڑے علماء اور اصحاب فضل وکمال نے اپنی کتابوں پر آپ سے تقریظ اور مقدمہ لکھنے کی گزارش کی۔سادہ دل کشمیریؒ نے کسی کا دل نہیں توڑا۔ سرزمین بہار سے تعلق رکھنے والے عظیم محدث فقیہہ علامہ ظہیر احسن شوق نیموی (۲) نے جب اپنی

(۱) قصیدہ کا نام ”صدع النقاب عن جساسة الفنجاب“ ہے،إکفار الملحدين، ص: ۱۰۸، علامہ أنورشاه کشميري، ط: إدارة القرآن والسنة الإسلامية، کراچی ۲۰۰۴ء

(۲) مشہور محدث، باکمال شاعر، ماہر لغت علامہ ظہیر احسن شوق نیموی کی ولادت 4 جمادی الاولی 1278ھ کو عظیم آباد کے صالح پور میں ہوئی۔آپ کا سلسلہ نسب 34 / واسطوں سے سیدنا ابوبکر صدیقؓ تک پہنچتا ہے۔آپ نے علامہ عبدالحی فرنگی محلی سے کسب فیض کیا۔حضرت فضل رحمان گنج مرادآبادی سے بیعت کی، حکیم باقر حسین لکھنوی سے طب کی تعلیم حاصل کی اور یہی پیشہ اختیار کیا۔1305ھ میں تمام تر رسمی تعلیم سے فراغت حاصل کرنے کے بعد وطن واپس آ گئے۔علامہ کا خاص فن علم حدیث تھا۔ان کی سب سے مشہور کتاب جس نے فقہ حنفی کے لیے حدیث کا عظیم سرمایہ فراہم کیا؛ وہ آثار السنن ہے، یہ کتاب دو جلدوں میں ہے۔اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگائیے کہ اس پر حاشیہ علامہ انور شاہ کشمیری کا ہے۔اسی شاہکار تصنیف کو دیکھ کر علامہ کشمیری نے ان کی شان میں دو دو قصیدے کہے ہیں، جو آثار السنن کے ساتھ چھپے ہوئے ہیں۔ ==

بے نظیر کتاب ''آثار السنن'' کی تالیف فرمائی تو آپ سے اس کتاب پر مقدمہ کی گزارش کی۔آپ نے علامہ شوق نیموی کی کی کتاب پر خوبصورت منظوم تقریظ تحریر کی، جس میں علامہ نیمویؒ کو ان کے اس علمی کارنامہ پر مبارک باد پیش کی۔

قد جائنا بالآثار للناس راويا ۔۔۔ عن النور فيض عن القال عن حال

فدونك سفراً مسافراً بالشوارق ۔۔۔ ونورا على نور بأطول أذيال

سُداه حديث والفقاهة لحمه ۔۔۔ نسيج علىٰ وحد بأبدع منوال

و تعليقه مثل الطراز المذهب ۔۔۔ معانيه إعلام بإتقان أعمال

علامہ کا ایک دوسرا قصیدہ بھی بڑا خوبصورت ہے، جس میں آپ نے علامہ شوق نیموی کی کھل تعریف ہے۔یہ قصیدہ بحر وافر میں ہے۔

رويتَ وطبت نفسا في إرتواء ۔۔۔ وعدت فازدري ماء السماء

بحبي ذالمناقب والمعالي ۔۔۔ شريف المجد غطريف العلاء

كريم الخلق محمود السجايا ۔۔۔ خليقا للمحامد والثناء

أصيل المجد مفقود المثيل ۔۔۔ سنيا في الفضائل والبهاء

(۱)

علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے متعدد مدحیہ قصیدے ہیں، جو ادب عربی کا بیش قیمت سرمایہ ہے۔

== فن حدیث میں ان کی دوسری کتابیں بھی ہیں۔انہوں نے حجاز، مصر وغیرہ کا سفر کیا اور نادر و نایاب قلمی کتابیں جمع کیں۔حدیث، نقد حدیث، رجال اور تاریخ رجال پر ان کا کارنامہ بڑا گراں قدر ہے۔اس کی مثال ہندوستان میں کم ہی ملتی ہے۔علامہ نیموی اردو زبان و ادب کے بڑے شعرا میں تھے، وہ خود کہتے ہیں کہ انہوں نے بچپن ہی سے شعرو شاعری شروع کردی تھی۔صرف 44 رسال کی عمر پائی، لیکن اس مختصر زندگی میں انہوں نے علمی دنیا کو بہت کچھ دیا۔آپ کی تصانیف میں آثار السنن کے علاوہ أشعة الجيد في اثبات التقليد، حبل المتين، جامع الآثار في اختصاص الجمعة بالأمصار، المقالة الكاملة، کے جواب میں آپ نے ''الأجوبة الفاضلة والفاخرة'' لکھی۔اس کتاب میں آپ نے امام ابوحنیفہ اور حضرت مولانا فضل گنج مرادآبادی پر اعتراضات کا جواب دیا ہے۔لالمع الأنوار لدفع الظلمة التي في المذهب المختار، جلاء العين في رفع اليدين، اور اردو و فارسی تصنیفات میں اضاحۃ الاغلاط (فارسی) سرمہ تحقیق، دیوان شوق، نغمہ راز اور سوز و گداز وغیرہ ان کی اہم تصنیفات ہیں۔1322ھ میں عظیم آباد میں انتقال فرمایا۔نیمی عظیم آباد (پٹنہ) میں آسودہ خواب ہیں۔(دیکھئے: المحدث الکبیر العلامہ ظہیر احسن شوق النیموی حیاتہ وآثارہ: ڈاکٹر عتیق الرحمٰن قاسمی)

(۱) آثار السنن، ص: ۱۳۴، علامه نيموي، ط: دار الاشاعت الإسلامية كلكتة

بعض قصیدوں میں، انہوں نے اپنے کسی دوست کی تعریف کی ہے، تو کسی قصیدے میں اپنے شیوخ اور اساتذہ کی علمی، روحانی، دینی وملی خدمات کو خراج عقیدت پیش کی ہے۔ علامہ کشمیری ایک اسلامی شاعر تھے۔ ان کی شاعری اسلامی اصول کی آئینہ دار ہے۔ نہ اس میں دنیا طلبی ہے، نہیں شہرت و عزت کی خواہش، علامہ ان شعراء میں نہیں ہیں، جو شاہان دنیا کے دربار میں اپنی شاعری سے عزت و دولت کماتے ہیں۔ نہ ان کی شعر گوئی محفل ومشاعرے کی زینت تھی، جس سے ذلیل دنیا کے چند لقمہ حاصل کیئے جاتے ہیں، بلکہ ان کی شاعری جذبہ صادق، سچی محبت اور افکار اسلامی کی ترجمان ہے، اور شاعری سے ان کا مقصد لوح وقلم کی آبیاری ہے۔

ہم پرورش لوح قلم کرتے رہیں گے
جو بات دل پہ گزرتی ہے رقم کرتے رہیں گے

دل کی اتھاہ گہرائیوں میں جو جذبات اور خلوص کی موتیاں موجود ہوتی تھیں؛ وہی الفاظ کی لڑی میں پروکر صفحہ قرطاس کی امانت بنا دی جاتی تھی۔ نہ شہرت و ناموری کا شوق، نہ سنا جانے کی طلب، نہ پیسے کی ہوس، نہ جاہ ومنصب کی تڑپ، سب کے پیچھے صرف ایک غرض، یعنی رضائے الہی کی طلب۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ لوگوں کی قدر اس کی حیثیت اور منصب کے مطابق کرو۔ علامہ کشمیری کے مدحیہ قصیدے اصل میں اسی حدیث کی عملی تصویریں ہیں۔ نہ انہوں نے کسی کی جھوٹی تعریف کی نہ کسی کو اس کے مرتبہ سے بڑھایا، نہ کسی کو اس کے مرتبہ سے گرا کر پیش کیا؛ بلکہ جو جس لائق تھا، اس کو صحیح مقام اور منزل عطا کرنا، ان کی شاعری کا خاصہ ہے۔ مشہور ادیب مولانا حبیب الرحمٰن شروانی نے جب دارلعلوم کا دورہ کیا، تو اس موقع پر مولانا شروانی کی منقبت کہی۔ علامہ کشمیری مولانا شروانی کو ان کی علمی کارناموں اور علماء سے محبت کی وجہ سے انتہائی احترام کی نظر سے دیکھتے تھے۔ یہ قصیدہ اسی احترام کی ترجمانی کرتا ہے:

سعد الزمان بوجهك المتهلل ... ولربما طال المَدىٰ فتفضل
وافيت قوما لا يرون تكلُّفا ... ويرون حسن العهد لم يتزيَّل
فتراهم لمّا أتاهم فاضل ... في زيِّهم أحد به لم يعدل
أيسار قوم وجههم سيماهم ... وكما تراهم في طراز أوَّل

دیگر علمی موضوعات:

علامہ کشمیری وقتاً فوقتاً ایک دو شعر کسی علمی موضوع پر بھی کہا کرتے تھے، کبھی کسی عربی قاعدے کو شعر کا قالب عطا کر دیا، کبھی کسی سند حدیث کو نظم کر دیا، کبھی کسی عربی قصیدے کی تضمین کر لی، لیکن ایسے موقع پر مکمل قصیدہ نہیں کہا کرتے تھے۔ ان کے یہ اشعار جس میں کسی علمی موضوع کو نظم کیا گیا ہے، یا کسی کتاب کی تعریف بیان کی گئی ہے؛ ان کی متعدد تصنیفات میں جا بجا بکھرے نظر آتے ہیں؛۔ یہ وہ آبدار شعری موتیاں ہیں جو امام کشمیریؒ کی گہر بار تصنیفوں سے چن لی گئی ہیں؛ تا کہ خوان کشمیری کے خوشہ چینوں کے ذوق ادب کی تسکین کا سامان بھی ہو جائے اور طلبہ کی شعری صلاحیت کو جلا بھی ہو۔ چنانچہ آپ نے استنجا میں قبلہ کی طرف رخ کرنے کے مسئلے کو قافیہ اور ردیف کی زبان میں اس طرح ادا کیا۔

يا من يؤمّل أن تكون	له سمات قبوله
نصاً علىٰ سبب أتىٰ	بالساكت مجهوله
خذ با لأصول ومن نصوص	نبيه ورسوله
دع ما يفوتك وجهه	با لبين منقوله

(۱)

سند حدیث کو نظم کرنے میں اپنی مہارت کا جوہر اس طرح دکھلاتے ہیں۔

هشام عن قتادة ثم زيد	سعيد عن قتادة فا بن عوف
وشعبة معمر عنه عن النض	ر عن أنس و عن زيد بخلف
وقال البيهقي أنس خطأً	وعن زيد قتادة غير صرف

(۲)

نماز میں رفع یدین کا مسئلہ نہایت اہم خلافیہ ہے۔ ائمہ کا اختلاف ہے کہ رفع یدین افضل ہے یا نہ کرنا افضل ہے۔ اسی طرح آمین بالجہر کا مسئلہ بھی معرکۃ الآرا فقہی مباحث میں سمجھا جاتا ہے۔ احناف اور شوافع کا اس میں اختلاف ہے۔ یہ ایسی بحثیں ہیں؛ جس پر سینکڑوں صفحات سیاہ کیئے گئے ہیں۔ درس

---

(۱) العرف الشذی، ص: ۲۱، علامہ انور شاہ کشمیری، أنوار المحمود: ۶/۱

(۲) معارف السنن: ۸۱/۱، علامہ یوسف بنوری

میں کئی کئی دن تک محدثین کی تقریریں ہوتی ہیں۔ علامہ کی شاعری کا کمال ہے کہ انہوں نے سینکڑوں صفحات پر پھیلے ہوئے ان مباحث کو بھی چند شعر میں جمع کر دیا۔ نحوی بحثوں کو بھی آپ نے اشعار کا قالب عطا کیا۔ بصریوں اور کوفیوں کا تنازع فعلین کی بحث میں جو اختلاف ہے؛ وہ انتہائی اہم نحوی بحث سمجھی جاتی ہے۔ یہ بحث بھی نحو کی کتابوں میں متعدد صفحات پر پھیلی ہوئی ہے، لیکن یہ علامہ کشمیری نے انہیں چند شعروں میں اس طرح بیان کر دیا کہ ہر مسئلہ نحویوں کے اختلاف کے ساتھ انتہائی واضح ہو گیا۔ اور ان مسائل کو طلبہ کے لیے یاد کرنا بھی آسان ہو گیا، چند اشعار ملاحظہ کیجئے۔

إذا كـان فـي أمـر وجـوه عـديـدة　　فـخـذ بـالذي ترضىٰ و أخبر به كذا

دع اللحن في الإعراب ثم انح نحوهم　　إلىٰ كـوفة أو بصـــرة حيثما ترىٰ

تـنـازع فعلان فـإن شـئـت اعـملن　　لأوّل أوثـــان وذاک عـلـىٰ سـوىٰ

ولـو إنـمـا تـسعـىٰ لصوب مصوب　　كـفـاک ولم تطلب قليل من الرضىٰ

ومـن عـــامـلـيـن مـعـنـويٌ وغـيـره　　يـجـوز لهـم خـفـض ورفـع كما أتىٰ

فإن شـئـت فـانـصـب أيديالاسكـانة　　وإن جئت باسـكـان فـالأصل في البنا

وإن رمت إظـهـارا لـحـرفـيـن فاعتمد　　وإن شئت إدغاما ففي الجنس يرتضىٰ

علامہ انور شاہؒ کے ان اشعار کو اگر جمع کیا جائے؛ جس میں آپ نے کسی علمی بحث کو نظم کیا ہے؛ تو اس کی تعداد سینکڑوں میں پہنچتی ہے۔ یہ اشعار آپ کے ملکہ شعری پر شاہد عدل ہیں۔ اپنی مشہور کتاب فصل الخطاب میں محمد ابن اسحاق کی حدیث پر بحث کے دوران پہلے تو کسی جاہلی شاعر کا یہ شعر پیش کیا۔

هــل غـــادر الشـعـراء مـن متـردَّم　　أم هــل عــرفــت الـدار بـعـد تـوهـم

پھر اسی زمین میں اپنا شعر پیش کیا۔

أعيـاک رسـم الـدار لـم يـتـكـلَّـم　　حـتـىٰ تـكـلـم فـاسـمـعـن وتـفـهَّـم

(۱)

شاعری نہ علامہ کشمیریؒ کی کاوشوں کا محور ہے، نہ ان کا خاص مشغلہ، نہ کبھی انہوں نے مشاعروں کو زینت بخشی، نہ شاعری کو کسب مال کا ذریعہ بنایا؛ بلکہ ان کی شاعری ان کے دلی جذبات، افکار و خیالات کی ترجمان اور دعوت و تبلیغ کا ذریعہ تھی۔ دل میں جو جذبات مجزن تھے۔ وہ خود بخود

---

(۱)　مجموعة رسائل الكشميری: ۱/ ۴۵، فصل الخطاب

قافیہ اور ردیف کی شکل اختیار کر لیتے تھے۔ شاعری کے لیے نہ آپ نے کوئی وقت نکالا اور نہ اس پر کبھی محنت کی؛ بلکہ دستر خوان پر لقموں کے ساتھ شعر نوک قلم سے ٹپکتے تھے۔ یا کبھی کسی کتاب کی تصنیف یا دوران درس کسی علمی بحث کے دوران کچھ الفاظ شعر کے بندھنوں میں بندھ جایا کرتے تھے۔ استاذ کی محبت کبھی دل کو بے قرار کرتی تو مدحیہ قصیدے زبان کشمیریؒ سے جاری ہوتے۔ کسی دوست کی جدائی، کسی استاذ یا کسی محسن قوم وملت کی وفات جب دل کشمیری کو غم دے جاتا تو مرثیہ کے آنسو سیلاب بن کر ساحل ادب سے ٹکرانے لگتے تھے۔ کشمیری نے کبھی کسی ہم عصر کو اپنا حریف نہیں بنایا۔ ان کی علمی چپقلش ایک تو کسی کے تھی ہی نہیں اور اگر کسی سے تھی، تو دوسری تیسری صدی کے علماء اور اسلاف سے۔ میدان شعر وسخن میں بھی امام کشمیری نے جو حرم تعمیر کیا؛ اس میں عصر حاضر کے شعراء کو داخلہ کی اجازت نہیں تھی۔ اس میدان میں بھی ان کا حریف جاہلی دور ہی کا کوئی شاعر ہو سکتا تھا۔ ان کے اشعار غرابت سے پاک، حسن ترتیب میں ممتاز، سبک رو، الفاظ کی خوبصورت نشست و برخواست سے عبارت ہیں۔ یہ وہ اوصاف ہیں؛ جو علامہ کشمیری کی شاعری کو ان کے ہم عصروں سے ممتاز کرتی ہیں۔ علامہ کی شاعری کا ایک خاص امتیاز ان معانی و افکار کو شعر کی لڑیوں میں پڑونا ہے؛ جو عباسی اور اسلامی شعرا کا امتیاز رہا ہے۔ انہوں نے دینی افکار اور اسلامی خیالات کو بڑی مہارت سے نظم کیا۔ ڈاکٹر زبیر احمد فاروقی تحریر کرتے ہیں:

"یمتاز شعره بکامل النقاء لفظاً ومعنیً، ویمکن أن یقول أن شعره یقارب الشعر الجاهلي أسلوباً، والشعر الإسلامي معنیً و مضموناً"(۱)

آپ کی شاعری کی اہم خصوصیات:

علامہ کی شاعری کی اہم ترین خصوصیت جاہلی شعراء کی تقلید ہے۔ انہوں نے اپنے قصائد، مرثیے وغیرہ میں جاہلی شعراء کا اسلوب اختیار کیا ہے۔ ان کی شاعری میں امرء القیس نابغہ، زہیر وغیرہ ایسے شعراء کی جھلک ملتی ہے۔ کشمیری اطلال اور وقوف میں وہ امرء القیس کا اسلوب اختیار کرتے ہیں۔ اپنے قصیدے عام طور پر تشبیب سے شروع کرتے ہیں؛ جو جاہلی شعراء کا ایک

---

(۱) مساهمة دار العلوم بدیوبند في الأدب العربي، ص: ۹۰

خاص طرز رہا ہے۔ یہ اشعار دیکھئے، کس قدر امرء القیس کے اسلوب کے مماثل ہیں:

قفا یا صاحبيّ عن السفار — بمرأى من عرار أو بهار
یسیر بنشرها نفحات أنس — وریا عند محيٍ من قطار
یفیض لروحها رشحات قدس — حیاة للبراري والقطار
وقد عادت صباها من رباها — بأنفاس یطیب بها الصحاري
فیسری في قلوب الصحب وجد — بأطراف الحدیث لدیٰ اعتبار

اسی طرح امام قاسم نانوتوی کے مرثیے میں بھی علامہ کشمیریؒ نے جو اسلوب اختیار کیا وہ بالکل امرء القیس کا اسلوب ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جاہلی دور کا کوئی شاعر اپنے کسی محسن کا مرثیہ کہہ رہا ہے۔ ان اشعار کو پڑھئے اور امام کشمیری کی شعری عظمت پر سلام بھیجئے۔

قفا یا صاحبيّ علی الدیار — فمن دأب الشجي وهو ازدیار
وعوجاً بالرباع رباع أنس — في المرأی لشیء کإصطبار
وإن عادت دوارس بعد هجر — فقد کانت معاهد للمزار
فتلک بلادها أمضیتُ فیها — لیالي من طوال أو قصار
وبت أسارق المرأی وأهویٰ — نسیما من شمیم من عرار
أسابق ریب دهر ذي فنون — إن سرَّاه لا یدریه دار
کأنک ما سمعت حدیث شیخ — تلقاء الخیار عن الخیار
وذٰلک قاسم البرکات طرًّا — یسیر بذکره تال و قاري
إمام حافظ سند همام — لسان الحق مقدام الکبار
طراز للهُدیٰ حبل متین — دلیل حجة عالي المنار
شهیر مسند بدر منیر — کشمس فوق رابعة النهار

اپنے شیخ حضرت شیخ الہند محمود حسن دیوبندی کا جب مرثیہ کہتے ہیں تو اس کی ابتداء آبروئے شاعری امرء القیس کی طرح غزل کے اشعار سے کرتے ہیں۔

قفا نبک من ذکریٰ مزار فندمعا — مصیفا و مشتی ثم مرأی و مسمعا
قد احتفه الألطاف عطفا وعطفة — وبورک فیه مربعا ثم مربعا
وقد کان دهرا ثم دهرا طریقتي — طریقة غر ثم أولیٰ فأوقعا

نهضت لأرثیٰ عالما ثم عالما　　حدیثاً و فقهاً ثم ما شئت أجمعا
إذا جئته وافیته متهللا　　کبدر منیر من جبین وأوسعا

قرآن کریم نے شعراء کی مذمت کرتے ہوئے کہا ہے ''کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ وہ ہر طرح کی وادیوں میں بھٹکتے پھرتے ہیں''۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ شعر گوئی سے بہتر ہے کہ کوئی قے کرے۔(۱) امام کشمیریؒ کی نظر میں شاعری میں در آنے والے یہ قباحتیں تھیں۔ اس لیے آپ نے اپنی شاعری کو اسلامی شاعری کا آئینہ دار بنایا۔ اس شاعری کا مقلد اور پیروکار بنایا؛ جس کے شاعر کو آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا تھا؛ کہ آپ شعر کہیے، آپ کے ساتھ روح القدس ہیں۔ انہوں نے اپنی شاعری کی بنیاد حضرت حسان بن ثابتؓ، حضرت عبداللہ ابن رواحہؓ جیسے اسلامی شعراء کی شاعری پر رکھی؛ جنہیں دربار رسالت سے سند قبولیت ملی تھی۔ اس لیے آپ نے ایک بھی شعر ایسا نہیں کہا؛ جو اسلامی تعلیمات سے متصادم ہو۔ آپ نے اپنی شاعری کو طلب جاہ و منصب کا ذریعہ نہیں بنایا۔ پوری شاعری میں آپ کو ایک بھی غزل نظر نہیں آئے گی؛ کیوں کہ غزلوں میں عام طور پر شاعر اپنی محبوبہ کی بے جا تعریفیں کرتا ہے، اس کے جسم کے تراش وخراش کو سر محفل برہنہ کرتا ہے، شراب و شباب کی سرمستیاں غزلیہ شاعری کا اہم عنصر ہیں، لیکن علامہ کشمیری کے حضور غزل بھی اخلاق کریمانہ اور تعلیمات مومنانہ کی امین بن کر آئی۔

علامہ کشمیریؒ نے اپنی شاعری میں اسلامی علوم و افکار، فقہی مباحث، حدیث کی سندوں، فلسفیانہ بحثوں کو نظم کیا ہے۔ آپ کی شاعری حدیث نبوی کی ترجمان ہوا کرتی تھی۔ آپ نے متعدد قصیدوں میں حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو شعر کے قالب میں ڈھال کر پیش کیا ہے۔ واقعہ معراج کا ذکر کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں۔

تبارک من أسریٰ وأعلیٰ بعبده　　إلی المسجد الأقصیٰ إلی الأفق العلیٰ
إلیٰ سبع أطباق إلیٰ سدرة کذا　　إلیٰ رفرف أبهیٰ إلی نزلة أخریٰ
و سویٰ له من حفلة ملکیة　　لیشهد من آیات نعمته الکبریٰ
براق یساوی خطوه مدَّ طرف　　أتیح له و أختیر في ذلک المسرَیٰ
وأبدیٰ له طي الزمان فعاقه　　رویداً عن الأحوال حتّاه ما أجریٰ
هنا موطِن فوق الزمان ثباته　　علیٰ حالة لیست به غیر تقویٰ

(۱) عن سعد عن النبي صلی اللّٰه علیه وسلم قال: لأن یمتلي جوف أحدکم قیحاً بریه خیر له من أن یمتلي شعراً. (مسند أحمد، رقم الحدیث: ۱۵۰۶.

وكانت لجبريل الأمين سفارة　　　　إلىٰ قاب قوسين استوىٰ ثم ما أقصىٰ

إذا خلف السبع الطباق وراء ه　　　　وصادف ما أولىٰ لرتبته المولىٰ

اس قصیدے میں آپ نے معراج کے سلسلے میں متعدد روایتوں کو نظم کیا ہے۔حضرت عبداللہ ابن عباس کی روایت جس کی تخریج امام احمد نے کی ہے۔''جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد اقصی تشریف لائے تو وہاں تمام نبیوں نے آپ کی اقتدا میں نماز ادا کی''۔(۱)

آپ نے اپنے اس قصیدے میں اس حدیث کو بھی نظم کیا ہے، ج سے امام بیہقی نے ''دلائل النبوۃ'' میں نقل کیا ہے۔''آپ کے سامنے 70 ہزار فرشتے تھے اور ہر فرشتے کا لشکر ایک لاکھ تھا۔(۲)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی یہ روایت بھی آپ کے قصیدے کا حصہ ہے جس میں یہ ذکر ہے کہ''جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم معراج کی رات جنت الفردوس تشریف لائے، تو آپؐ کے دائیں اور بائیں فرشتوں کی بڑی تعداد تھی''۔اس مضمون کو امام کشمیری شعر کے قالب میں اس طرح ڈھالتے ہیں۔

وسوىٰ له من حفلة ملكية　　　　ليشهد من آيات نعمته الكبرىٰ

معراج کے سفر میں حضرت جبرئیل امین علیہ السلام آپ کے ساتھ تھے،لیکن عرش الٰہی کے قریب پہنچ کر جبرئیل امین نے آگے جانے سے معذرت کی۔کشمیریؒ کہتے ہیں:

وكانت لجبريل الأمين سفارة　　　　إلىٰ قاب قوسين استوىٰ ثم ما أقصىٰ

علامہ کشمیریؒ نے اپنی شاعری میں تلمیحات کا بھی کثرت سے استعمال کیا،لیکن یہ تلمیحات کسی قتالہ جہاں کے ناز و انداز سے آشنائی کے لیے نہیں ؛ بلکہ اس میں بھی اسلامی مباحث یا اسلامی مراجع ومصادر کی طرف اشارہ ہے۔کسی نازنی کا حسن کشمیریؒ کے لیے کبھی دل فریبیوں کا ذریعہ نہیں رہا؛ بلکہ ان کی دلچسپیوں کا محور اسلامی مصنفین کے علمی کارنامے ہی رہے۔علامہ کشمیری کی شاعری کی رنگارنگی اور دل فریبیاں، مستیاں اور اٹکھیلیاں سب کچھ اسلامی علوم، اسلامی مصنفین کی اداؤں سے سجی ہے۔ انہوں نے اپنی شاعری میں انتہائی چابک دستی سے ان مراجع ومصادر کی طرف اشارہ کیا؛ جو علمی دنیا کے لیے سند کی حیثیت رکھتے ہیں۔علامہ کی مایہ ناز منظوم تصنیف''ضرب الخاتم''میں سینکڑوں حوالہ

---

(۱)　فتح الباری: ١٤٦/٧

(۲)　حوالہ سابق

جات اور تلمیحات ملتے ہیں ۔ یہ کتاب تلمیحات کشمیریؒ پر بہترین شاہد ہے۔ علامہ کشمیری نے بہت ساری کتابوں کی طرف اشارہ کیا اور اپنے اشعار میں ان کتابوں کے ناموں کو اس طرح استعمال کیا ہے؛ کہ اس کی حقیقی معنیٰ بھی مراد ہوتے ہیں اور ان حوالوں کی نشان دہی کا مقصد بھی حاصل ہوجاتا ہے۔ علامہ نیمویؒ کی مشہور کتاب ''آثار السنن'' کی تقریظ میں آپ کی صنعت شاعری اور صنعت تلمیحات اوج کمال پر ہے۔ فرماتے ہیں:

فذا هو رحلة الآفاق طُرّا　　وحافظ عصره أهل اقتداء
وعمدة قاري إرشاد سار　　وفتح المغلقات علىٰ وفاء
وخير جار استوفىٰ البرايا　　أفاضته علىٰ طول البقاء
ظهير الحق مولانا ظهير　　أضاء الأرض في نور اهتداء
مصابيح الهُدىٰ مشكوٰة　　ومر قاة المعالي والثناء

عمدۃ القاری، ارشاد الساری، فتح الباری، فتح القدیر، خیر جاری، مشکوٰۃ المصابیح اور مرقاۃ المفاتیح جیسی اہم کتابوں کی طرف اشارہ بھی ہے اور اس کے معنیٰ حقیقی کے ساتھ علامہ شوق نیموی کی تعریف بھی ہے۔ یہ وہ کمال ہے، جس میں علامہ کشمیری کا شاید ہی کوئی حریف ہو۔

علامہ کشمیریؒ نے اپنے متعدد مرثیوں میں گزرنے والے کی تاریخ وفات بھی آخری اشعار میں ذکر کرتے ہیں۔ مثلاً شیخ عبدالباقر خاں حیدرآبادی کے مرثیے کا آخری مصرع ملاحظہ ہو۔

ولما قضىٰ نحبا حسبت رحيله　　بمغفرة أوب ولله مرجع

''بمغفرة أوب'' سے مولانا عبدالباقر کی تاریخ وفات 1336ھ نکلتی ہے۔

شاعری میں علامہ کشمیریؒ کا مقام:

علامہ کشمیری ایک فطری شاعر تھے، فی البدیہہ اشعار کہنے میں انہیں ید طولیٰ حاصل تھا۔ بڑے بڑے شعراء ان سے اصلاح لیتے تھے۔ اس وقت کے ماہر فن شعراء علامہ کشمیریؒ کمال فن کے معترف تھے۔ اُن کی شاعری کی اہم ترین خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے ان موضوعات کو نظم کیا جو ان سے پہلے کبھی شاعری کے موضوع نہیں رہے۔ فلسفہ کا ایک مشکل ترین بحث ''حدوث عالم'' یعنی دنیا کی بے

ثباتی ہے۔قدیم وجدید فلسفہ میں اس موضوع پر ہزاروں صفحات سیاہ کئے گئے ہیں۔علامہ کشمیری نے ایک مستقل منظوم رسالہ اس موضوع پر تصنیف فرمایا۔ یہ ادبی دنیا کا ایک عجوبہ ہے۔ جس کی نظیر ہندوستان میں نہیں ملتی۔ یہ قصیدہ ہندوستانی شعراء کے قصیدوں میں سب سے طویل ہے۔بحر طویل میں 265 /اشعار پر مشتمل اس قصیدے میں علامہ کشمیری نے اللہ تعالیٰ کے وجود، باری تعالیٰ کے اسماء اور صفات کا قدیم ہونا، اللہ تعالیٰ کے سوا ساری کائنات کا فنا ہوجانا، جیسے دقیق کلامی مباحث کو دلائل اور مراجع کے ساتھ جمع کر دیا ہے۔ کشمیری نے اگر اس کے علاوہ کوئی قصیدہ نہ بھی کہا ہوتا؛ تو صرف یہی ایک قصیدہ فن شاعری میں ان کی عظمت کے لیے کافی تھا۔اس قصیدہ کا مطلع ملاحظہ کیجئے۔

تعالیٰ الذي كان ولم يک سوا   وأوّل ما جلیٰ العماء بمصطفیٰ

حالاں کہ یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ کشمیریؒ کے یہاں شاعری کوئی قابل توجہ فن نہیں تھا، جس کے لیے آپ وقت نکالتے۔ پہلے ہی ذکر آچکا ہے کہ انہوں نے شاعری کو کبھی اپنا مقصد حیات یا ذریعہ معاش نہیں بنایا۔انہوں نے جاہلی، اسلامی، عباسی، یا مولدین شعراء کی طرح میدان سخن وری میں ایک دوسرے پر بازی مارنے کی جتن میں کبھی خود کو ہلکان نہیں کیا۔نہ انہیں اس میدان میں کبھی اپنے ہم عصروں سے مسابقت تھی، یہ صرف علامہ کشمیریؒ کی خصوصیت نہیں ہے؛ بلکہ ابنائے دارالعلوم میں شاید ہی کسی نے اس فن کو اہمیت دی، لیکن اس کے باوجود دارالعلوم نے میدان شعر وسخن میں جو بلند بالا منارے تعمیر کئے ہیں، اس کے سامنے بڑے بڑے اہل فن کی گردنیں سرنگوں ہوجاتی ہیں۔علامہ یوسف بنوری دارالعلوم دیوبند کے شعراء کے مزاج کا ذکر کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

أما مجال الشعر العربي فنجد علماء الجامعة ومشيختها منذ بداية العهد يحملون في صدورهم ذوقا أدبياً، فكانوا يقرضون الشعر بالعربية، ويتجاذبون أطراف الأناشيد في المناسبات والندوات التي تجمع أمثالهم من العلماء والأدباء المحتشمين، ويتمثلون بقول الإمام الشافعي رحمه الله:

ولولا الشعر بالعلماء يزري ☆ لكنت اليوم أشعر من لبيد

ويتجنبون ما يمس كرامتهم غير أن أشعارهم تفيض رقة و عذوبة وبلاغة، فما لهم من قصائد رنانة، و مراث مفتتة للقلوب

الملدمعة للعيون ،جادت بها قرائحهم، لو جمعت في ديوان لكانت زادا كريماً للأدب العربي، وتحفة نادرة للشعراء ورواد الأدب.....يدل علىٰ موهبة العلامة الكشميري الفائقة في قرض الشعر، ما قد شم في أشعاره بعض الأدباء العرب النابغين رائحة الأدب الجاهلي، وما هو ذا يقول في مطلع قصيدة رثا بها الإمام الكبير الشيخ محمد قاسم النانوتوي.

قفايا صاحبيّ على المديار ☆ ومن دأب الشجي هو ازديار(۱)

علامہ کشمیریؒ کی فن شاعری پر دسترس کی بہترین دلیل ایک یمنی عالم کا اعتراف بھی ہے ؛جنہوں نے آپ کے اشعار کو دیکھنے کے بعد برجستہ کہا:

’’میں اس قصیدہ میں جاہلی شعراء کی خوشبو پا رہا ہوں‘‘۔(۲)

علامہ کشمیریؒ کو مبتدا فیاضی نے اپنے خزانہ علم سے جو بیش بہا دولت عنایت کی تھی؛ ان میں ایک فن سخنوری بھی تھی۔آپ کا کمال یہ تھا کہ طویل طویل قصیدے برجستہ اور برمحل، کسی کے مطالبہ پر کہہ دیا کرتے تھے۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ قصیدہ پہلے ہی سے آپ کی نوک زبان پر ہوں۔کسی نے ارشاد کہا! اور آپ کی زبان چل پڑی۔سچ تو یہ ہے کہ آپ کبھی کوئی شعر پہلے سے نہیں کہا کرتے، نہ کبھی ان کو تہذیب، کاٹ چھانٹ، شاعری کے بحور پر جانچ پڑتال کی ضرورت پڑتی، بلکہ زبان سے جو کچھ نکلتا وہ خود بخود شعر بن جاتا تھا۔

آپ کے مرثیے عربی شاعری کے بہترین مرثیوں میں سے ہیں۔جس سے جاہلی ادب کی خوشبو پھوٹتی ہے،یا بالفاظ دیگر اردو فارسی شاعری میں جو رتبہ میر اور غالب کا ہے۔عربی شاعری میں کشمیری کو وہی مقام حاصل ہے۔کوئی کہاں تک بیان کرے اور ان کی شاعری کی کن کن فنی خصوصیات کو اجاگر کرے۔بطور مثال کتنے اشعار پیش کرے، قلم ماضی قریب کے عظیم محقق شیخ عبد الفتاح ابوغدہ کے ان الفاظ پر روکتا ہوں:

’’للشيخ الكشميري الهندي الدار واللسان شعر كثير باللغة

---

(۱) الداعي، خصوصی شمارہ،ص:۳۳، مارچ واپریل ۱۹۸۰ء

(۲) نقش دوام،ص:۲۴۸

العربية، يفيض عذوبة ورقة وبلاغة ، حبذا لو جمعه بعض محبيه في ديوان، وجمع معه المراثي التي قيلت فيه بالعربية لكان ذلك زادا كريما للأدب العربي، استحق الدراسة مثل أو أكثر من دراسة شعر المهجر"(۱)

علامہ کشمیری کے متعدد قصیدے دار العلوم اور اس کے ملحقہ مدارس میں داخل نصاب تھے۔ جب کہ جمعیۃ کی جانب سے منعقد گیا بہار کے جلسہ میں؛ جو آپ نے برجستہ قصیدہ پڑھا تھا وہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے نصاب کا حصہ ہے۔(۲)

علامہ کشمیریؒ کی نثر نگاری:

ادب نام ہے، اس ساز کا جس کے دھن تار دل کو چھیڑیں اور اس کی لے پر افکار رقص کرنے لگیں۔ ادیب وہ ہے جو دل و نگاہ کو اپنی ساز لفظ میں اس طرح گرفتار کرے کہ الفاظ کی پٹری پر افکار سفر کرنے لگیں۔ منزل پر پہنچ کر قاری کو احساس ہو کہ وہ کہاں تھا اور کہاں پہنچا، کس نے پہنچایا اور کس طرح اس کا احساس اسے نہ ہو۔ علامہ کشمیریؒ کی نثر نگاری میں ادب کا یہی عنصر ملتا ہے۔ علامہ کی مادری زبان کشمیری یا اردو تھی، لیکن ان کی کاوشوں کا محور عربی زبان و ادب اور فارسی زبان رہی۔ آپ کو متعدد زبانوں پر عبور حاصل تھا۔ فارسی کے نہ صرف بہترین نثر نگار تھے؛ بلکہ عمدہ شاعر بھی تھے۔ ان کی فارسی دانی کا ثبوت ان کی کتاب "النوالفائض" ہے۔ یہ پورا رسالہ فارسی شاعری کا بہترین نمونہ ہے۔ ان اشعار کو پڑھنے سے یہ اندازہ لگانا مشکل ہو جاتا ہے کہ یہ کسی ہندی نزاد کی شاعری ہے یا سعدی شیرازیؒ کی کسی ہم عصر ایرانی کا کلام ہے۔ فارسی کے علاوہ اردو، کشمیری، انگریزی زبانوں پر بھی آپ کو عبور حاصل تھا۔ لیکن انہوں نے اپنے قلم کی جولانگاہ عربی زبان کو بنایا۔ عربی قرآن کریم کی زبان ہے، نبی اکرم اور صحابہ کی زبان ہے۔ اس لیے امام کشمیری نے اپنی علمی خدمات کا ذریعہ اسی مبارک زبان کو بنایا۔ عربی زبان پر ان کی مہارت اور عربی نثر نگاری کے فن میں عبور کا اعتراف ایک دنیا نے کیا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس عظیم ہندوستانی فرزند کی روح عربی ہے۔ وہ اس طرح عربی زبان میں گفتگو کرتے کہ اہل زبان بھی انگشت بدنداں رہ جاتے، جب قلم ہاتھ میں آتا تو ایسے

---

(۱) التصريح بما تواتر في نزول المسيح، ص: ۲۶

(۲) دیکھئے: المنتخب من الشعر العربي، ص: ۲۷۱، شعبہ عربی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی)

ادبی شہ پارے وجود میں آتے کہ خود عرب بھی حیرت واستعجاب کے سمندر میں ڈوب جاتے۔عربی سے ان کی بے پناہ محبت اور لگاؤ کا یہ عالم تھا کہ وہ اردو یا دوسری کسی زبان میں خطوط لکھنا، بات چیت کرنا بھی کم ہی گوارہ کرتے تھے۔خود ہی کہتے ہیں:

"میں اردو میں لکھنے پڑھنے سے پرہیز کرتا ہوں تا کہ میرا خالص عربی ذوق تباہ نہ ہو، حتی کہ میں اپنے دوستوں کو خط بھی عربی یا فارسی میں ہی لکھنا پسند کرتا ہوں"۔(۱)

عربی زبان وادب پر آپ کی مہارت، انشا پردازی میں آپ کے کمال کی شہادت آپ کی وہ بیسیوں کتابیں ہیں، جو آپ کے قلم آبدار سے نکلیں۔عربی نثر نگاری کی فنی مہارت کی دلیل وہ مقامات ہیں، جو آپ نے حریری کے طرز پر تحریر کیے ہیں۔ان مقامات کو پڑھنے سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ الفاظ کا ایک سمندر ہے؛ جو ساحل شعور سے ٹکرا رہا ہے۔اس میں جودت فنی، انشا پردازی کے وہ جوت جلائے گئے ہیں، جو صرف جاہلی ادب یا قدیم عربی ادب کا حصہ تھا۔علامہ کا فن کمال اور عروج اس حصہ میں اور بھی نکھر کر سامنے آتا ہے؛ جہاں آپ نے التزام کیا ہے کہ صرف غیر منقوط الفاظ ہی کا استعمال کریں گے۔علامہ بنوری لکھتے ہیں:

إن الشيخ أنشأ مقامات عديدة علىٰ نهج الحريري، منها منقوطة كلها وغير منقوطة كلها، ومنها كمقامة المراغية الخيفاء ما يدل علىٰ تغلغله في دقائق اللغة وصنائع التحرير وبدائع الانشاء. (۲)

علامہ کشمیری نے جو نثری آثار علمی دنیا کے لیے چھوڑے ہیں، وہ تین طرح کے ہیں۔(۱) آپ کی شاہکار تصنیفات۔(۲) وہ کتابیں جو آپ کی درسی افادات کے مجموعے ہیں، جنہیں آپ کے شاگردوں نے بڑی دقت نظر کے ساتھ جمع کیا ہے۔(۳) آپ کے وقیع ونادر تعلیقات، یعنی کسی کتاب پر آپ کے تحقیقی نوٹ۔

علامہ کشمیری کی مطبوعہ کتابوں کی تعداد 21 ہیں۔جن میں سے بعض کتابیں عرب علماء کی تحقیق وتعلیق کے بعد شائع ہوئیں۔کچھ علامہ کی زندگی میں علمی دنیا کے سامنے آئیں اور دو چند وہ ہیں؛ جو آپ کی وفات کے بعد آپ کی علمی یادگار بن کر علمی دنیا میں ہاتھوں ہاتھ لی گئیں۔اس سے

---

(۱) الانور، ص:۳۱۴

(۲) نفحة العنبر، ص: ۱۸۰

پہلے کے علامہ کی نثر نگاری کے فنی پہلوؤں پر بحث کی جائے، ان کے ادبی شہ پاروں کے نمونے پیش کئے جائیں، مناسب خیال ہوتا ہے کہ آپ کی تصنیفات پر ایک نظر ڈال لی جائے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ علامہ کشمیری نے شاعری کی طرح نثر نگاری یا تصنیف و تالیف کے لیے کبھی وقت فارغ نہیں کیا۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ انہوں نے کسی کتاب کی تصنیف سے پہلے اس کا خاکہ مرتب کیا ہو، خطۃ البحث بنایا ہو، ذہنی طور پر خود کو اس کے لیے تیار کیا ہو۔ تصنیف سے انہیں رغبت نہیں تھی اور نہ ہی اس ذریعہ کسی منصب کی چاہ اور دولت کی طلب تھی۔ ان کی تصنیفات وقتی تقاضہ اور دینی دواعی کی بنیاد پر معرض وجود میں آئیں۔ کبھی کسی فتنے نے سر اٹھایا؛ تو محقق کشمیری کا قلم شمشیر بے نیام بن کر فتنہ پردازوں کے سر پر ٹوٹا۔ کبھی کسی علمی بحث نے سمندر علم میں تلاطم برپا کیا؛ تو امام کشمیری کے قلم نے اس سمندر سے موتیاں تلاش کر دستر خوان تحقیق و علم سجایا۔ اگر امام کشمیری تصنیف و تالیف پر تھوڑی بھی توجہ دیتے تو علم کی ایک نئی دنیا آبادی ہوتی؛ تحقیق کا ایک آسمان بنتا، جس میں علمی شہ پارے بادلوں کی طرح سفر کرتے۔ ماضی کے قریب کے عظیم عرب محقق اور علامہ کشمیری کے مداح شیخ عبدالفتاح ابوغدہ تحریر فرماتے ہیں:

> ''ولو أنه عكف علىٰ التاليف لسالت بطحاء العالم بعلومه وتحقيقاته وأنارت أنواره اللامعه أرجاء دنيا العلم علىٰ وسعتها وكثرة أهل الفضل المتقدمين فيها، إنما الف بدافع الضرورة الدينية والخدمة الإسلامية .''(۱)

علامہ انور شاہؒ کے شاگرد مولانا یوسف بنوری فرماتے ہیں کہ علامہ کشمیری نے اگر تالیف و تصنیف کو مقصد حیات بنایا ہوتا، تو ان کی تحقیقات سے علم کی ایک نئی دنیا آباد ہوتی۔ ان کے علمی ضیاء پاشیوں سے مشرق و مغرب روشن ہوجاتے:

> ''أنه لم يحاول تاليفاً للميل إليه أو لإفادة القوم أو لإذاعة صيته في العالم ، فلو عزم عليه لغرض من تلك الأغراض التي بيّناها لک لسالت بطحاءُ العالم بعلومه و تحقيقاته، و لإستنارت أنواره اللامعة في أرجاء البسيطة و لملئت الدنيا معارفه شرقاً وغرباً.(۲)

---

(۱) مقدمة التصريح بما تواتر في نزول المسيح ،ص:۲۷

(۲) نفحة العنبر،ص:۱۰۰

لیکن اس کے باوجود ان کی تمام کتابوں کا امتیاز علمی، کلاسیکی اسلوب اور تحقیقی رنگ ہے۔ علامہ کشمیریؒ کا قلم جب چلتا ہے، تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ علم کا ٹھاٹھے مارتا ہوا سمندر ساحل فکر سے ٹکرا رہا ہے۔ علم و تحقیق کی موسلا دھار بارش ہو رہی ہے؛ جس سے ہر شخص اپنے اپنے ظرف کے مطابق فیضیاب ہوتا ہے۔ ان کی علمی بارش کا فیض عام ہوتا ہے؛ لیکن اس سے فائدہ وہی لوگ اٹھا پاتے ہیں، جن کو قدرت کے خزانہ سے ذکاوت کا وافر حصہ ملا ہے؛ کیوں کہ علامہ کا اسلوب اتنا بلند اور علمی ہوتا ہے کہ ہر کس و ناکس کے لیے سمجھنا آسان نہیں ہوتا۔ کہہ سکتے ہیں کہ علامہ کشمیری کی کتابوں کا یہ ایک ایسا امتیاز ہے، جو ان کی کتابوں سے استفادہ کو عمومی ہونے سے روک دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے شاگردوں نے ان کی کتابوں کی تسہیل، تحقیق، تحشی کے بعد اسے عام استفادہ کے لائق بنایا۔

ترکی کے بڑے محقق علامہ شیخ الاسلام مصطفیٰ صبری کو جب علامہ زاہد کوثری نے امام کشمیری کی کتاب ''مرقاۃ الطارم علیٰ حدوث العالم'' مطالعہ کے لیے دی، تو کتاب کے مطالعہ کے بعد علامہ صبری نے برملا اعتراف کرتے ہوئے کہا:

> ''رأيت في مرقاة الطارم علىٰ حدوث العالم '' لعالم الهند الكبير محمد أنور شاه الكشميري ، فذكر المسألة، فسرني أن اتفقنا في الرأي، وما كنت أرىٰ أن هناك محققا في الهند مثله، وهذه الرسالة (مرقاة الطارم) أفضِّلها علىٰ هذا الكتاب (الأسفار الأربعة للصدر الشيرازي (الذي كان بين يديه)(۱)

علامہ کی تصنیفات و تالیفات کی علمی حیثیت و مرتبہ اور تحقیقی مقام کا اندازہ علامہ صبری کے مندرجہ بالا بیان بخوبی ہو گیا ہوگا۔ علامہ کشمیری کی تصنیفی خصوصیات و امتیازات کا ذکر کرتے ہوئے علامہ زاہد کوثری (۲) تحریر کرتے ہیں:

---

(۱) موقف العلم والعقل والدين: ۳/۳۲۷، علامہ مصطفیٰ صبری، بحوالہ رسائل کشمیری: ۲/۱۱

(۲) محقق، محدث اور ممتاز حنفی فقیہ، علامہ محمد زاہد بن حسین کوثری کی ولادت ترکی کے شہر استنبول سے قریب حاجی حسین قریشی نامی ایک گاؤں میں 27 یا 28 رشوال 1296ھ/ 14 راکتوبر 1878ء کو ہوئی۔ کوثری کی نسبت ان کے اجداد میں سے کسی کی طرف ہے اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ نسبت ان کے گاؤں کی طرف ہے۔ فقہ اور دیگر علوم وفنون کی تعلیم استنبول کی فاتح مسجد میں حاصل کی، پھر وہیں اپنا مسند درس سجایا؛ لیکن پہلی جنگ عظیم کے دوران جب ترکی میں الحاد پسند جماعت کا غلبہ ہوا اور مصطفیٰ کمال اتاترک پاشا نے ترکی سے اسلام کی جڑ و پودا کھاڑنے اور بیخ کنی کی کوششیں کی، ==

أعلى اللّٰه سبحانه منزلة العلامة فقيد الإسلام المحدث المحاج الشيخ محمد أنور الكشميري في غرف الجنان و كأفاة مكافأة الذابين عن حريم دين الإسلام؛فإنه قمع القاديانية بحججه الدامغة وحال دون استفحال شر معتديهم و متطرفيهم في الهند بتأليف كتب ممتعة في الرد عليهم بلغات شتىٰ وحقق في كتابه ''اكفار الملحدين'' أمر إكفار هولاء و أمثالهم.(۱)

علامہ کی ہر چھوٹی بڑی کتاب نے پوری علمی دنیا سے خراج تحسین وصول کیا۔اب آیئے ہم ان کتابوں سے شناسائی حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

علامہ کشمیری کی تصنیفات کا تعارف:

۱۔فصل الخطاب

یہ کتاب 106 صفحات کی ہے؛ جس میں علامہ کشمیری نے امام کے پیچھے قرأت کے سلسلے میں ائمہ کے اختلاف کا تحقیقی مطالعہ پیش کیا ہے۔امام شافعیؒ کے نزدیک امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ کی

== آپ پر گرفتاری کی تلوار لٹکنے لگی،تو آپ نے 1341ھ/1922ء میں ترکی سے مصر ہجرت کی۔کچھ دنوں شام میں بھی آپ کا قیام رہا؛لیکن اخیر میں آپ نے قاہرہ کو اپنا مستقر بنالیا۔دارالمحفوظات مصر میں آپ نے ملازمت کی اور ترکی دستاویزات کا عربی میں ترجمہ کیا۔علامہ عربی، فارسی، ترکی اور جرمن زبانوں میں مہارت رکھتے تھے۔علامہ کوثری کی شخصیت علمی، روحانی اور ادبی ہر لحاظ سے بڑی بلند ہے۔ ہندوستانی علماء میں علامہ کوثری، علامہ انور شاہ کشمیری سے بہت متاثر تھے اور ان کی تعریف میں رطب اللسان رہا کرتے تھے۔علامہ کوثری کے محقق قلم نے علمی دنیا کو بہت سی قیمتی تصنیفات دی ہیں۔جو اہل علم کے لیے آج بھی سند کا درجہ رکھتی ہیں۔مقالات الكوثرى، صفات البرهان علىٰ صفحات العدوان، العقيدة وعلم الكلام من أعمال الإمام زاهد الكوثرى، الفقه وأصول الفقه، تانيب الخطيب علىٰ ما ساقه في ترجمة أباحنيفة من الأكاذيب، نظرة عابرة من مزاعم من ينكر نزول عيسىٰ عليه السلام قبل الآخرة،الاشفاق على أحكام الطلاق في رد من يقول أن الثلاث واحدة،لامذهبية ،وغیرہ درجنوں کتابیں ہیں؛ جو علامہ کے علم ریز قلم سے وجود میں آئیں۔ 19رذی القعدہ 1371ھ/ 11راگست 1952ء کو دنیا قلم کی بارش سے محروم ہوگئی،علامہ کوثری اپنے رب سے جا ملے۔قرافہ شافعی میں تدفین عمل میں آئی۔(دیکھئے:كتاب السيف الصقيل فى الرد على ابن الظفير،از تقى الدين سبكى، ص 4، الإمام محمد زاهد الكوثرى و اسهاماته فى علم الرواية و الإسناد،ازمحمد عبد الله آل رشيد)

(۱) مقالات کوثری،علامہ محمد زاہد بن حسن الکوثری،ص:۲۷۰،ط: دارالایمان،سہارنپور

تلاوت ضروری ہے، جب کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ یا کسی بھی سورہ کی تلاوت کرنا درست نہیں ہے۔ علامہ کشمیری نے اپنی اس کتاب میں فقہا کی انہیں اختلاف کوموضوع بنایا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ کا مسلک کس طرح حدیث اور قرآن کے مطابق درست ہے۔ امام ابوحنیفہ نے کیوں امام کے پیچھے قرأت کو ناجائز قرار دیا ہے۔ اس کے علمی اور شرعی وجوہات کیا ہیں؟ اس موضوع پر اس سے بہتر اور تحقیقی کتاب کوئی اور نہیں ہے۔ جس کا اعتراف نہ صرف اہل ہند کو ہے؛ بلکہ علماء عرب کو بھی ہے۔ کتاب کے بارے میں خود علامہ کشمیری فرماتے ہیں ''میں نے یہ چند سطور شوافع پر رد کی غرض سے نہیں لکھے؛ بلکہ میرا مقصد صرف اتنا ہے کہ لوگوں کو پتہ چل جائے کہ احناف کیوں امام کے پیچھے قرأت نہیں کرتے۔''

غرض کتاب لکھنے کا مقصد صرف ان رجحانات کا رد ہے کہ احناف حدیث کے مقابلہ قیاس کو ترجیح دیتے ہیں۔ یہ کتاب 1911ء میں پہلی مرتبہ مطبع یونیورسل دہلی سے شائع ہوئی۔

۲۔عقیدۃ الاسلام فی حیات عیسیٰ علیہ السلام:

یہ کتاب 220 صفحات کی ہے۔ امام کشمیری نے اس کتاب کی تصنیف دجال پنجاب غلام احمد قادیانی لعنۃ اللہ علیہ کی تردید میں فرمائی۔ علامہ نے اس کتاب میں ان تمام آیات کو جمع کر دیا ہے؛ جو سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات پر دلالت کرتی ہیں۔ وہ احادیث و آثار بھی نقل فرمایا دیا ہے؛ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زندہ آسمان پر اٹھائے جانے پر دلالت کرتے ہیں۔ عقیدہ ختم نبوت کی بحث کو بھی کافی اہمیت دی گئی ہے۔ اس کی علاوہ کتاب میں دنیا کے تباہ و برباد ہوجانے، ذوالقرنین اور یاجوج و ماجوج کے سلسلے میں اسلامی نظریہ کو کتاب و سنت کی روشنی میں واضح کیا گیا ہے۔ اپنے موضوع پر یہ کتاب بیش قیمت ہے۔ علامہ کشمیریؒ نے دجال قادیانی کے مکروفریب کا پردہ فاش کیا ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ کے بعد غلام احمد قادیانی کے جھوٹ، افترا پردازی اور اس کے بے ہودہ عقیدے کا پردہ فاش ہوجاتا ہے۔ اس کتاب کی خصوصیت پر گفتگو کرتے ہوئے علامہ شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں:

''إن الكتاب أكثر وضاحة وبراعة في جميع ما كتبه العلامه في اللغة العربية''(۱)

---

(۱) علامة أنور شاه كشميرى حياته وشعره، ص: ۱۶۳، عبد الملك مظفر خان

جب کہ مولانا منظور احمد نعمانی کہتے ہیں ''اس کتاب کا مطالعہ جب ایک بڑے عالم۔جو مختلف علوم وفنون کے ماہر سمجھے جاتے ہیں۔نے کیا؛ تو مصنف کتاب سے ملاقات کے لیے جاپان سے دیوبند تشریف لائے۔(۱)

یہ کتاب 1960 میں کراچی سے شائع ہوئی اور علمی حلقوں میں عزت کی نگاہ سے دیکھی اور پڑھی گئی۔

۳۔ تحیة الاسلام فی حیاة عیسیٰ علیہ السلام :

یہ کتاب بھی دجال قادیانی کی تردید میں علامہ کے قلم سے نکلی۔150 صفحہ پر مشتمل یہ کتاب اصل میں علامہ کی کتاب عقیدۃ الاسلام کا ضمیمہ ہے۔پہلی دفعہ مجلس علمی کراچی سے شائع ہوئی۔علامہ نے اس کتاب میں قادیانیوں کے اس عقیدے پر کاری ضرب لگائی ہے؛ کہ نعوذ باللہ حضرت عیسیٰ وفات پاچکے ہیں اور دجال مرزا غلام احمد قادیانی مثیل مسیح بن کر آیا ہے۔

۴۔التصریح بما تواتر فی نزول المسیح:

44 رصفحات پر مشتمل یہ مختصر رسالہ ہے؛ جس میں علامہ کشمیری نے سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ دنیا میں تشریف لانے کے سلسلے میں 70 راحادیث جمع کردی ہیں۔اہل اسلام کا یہ واضح عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حیات ہیں۔آپ آخری زمانہ میں دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں گے اور شریعت محمدی کے مطابق حکومت کریں گے۔خنزیر کو قتل کریں گے،دجال کو قتل کریں گے، مسجد اقصیٰ کو آزاد کرائیں گے، یہودیوں کو اس کے کیئے کی سزا دیں گے اور پھر اپنی فطری موت سے وفات پائیں گے، لیکن اس سلسلے میں جو احادیث وارد ہوئی ہیں پہلے کسی نے مستقل کام نہیں کیا ہے۔اس پر علامہ کشمیری نے مکمل جستجو اور تحقیق کے بعد اس سلسلے میں 70 راحادیث کا مجموعہ تیار فرمایا۔یہ کتاب عالم عرب کے ممتاز محقق شیخ عبد الفتاح ابوغدہ کی تحقیق وتعلیق سے آراستہ ہوکر ہندوستان میں پہلی بار 1962 میں دہلی سے شائع ہوئی۔اس سے پہلے 1926 میں مکتبہ مطبوعات اسلامیہ حلب،شام سے شائع ہوئی تھی۔کتاب پر مفتی محمد شفیع صاحب کا بیش قیمت طویل مقدمہ ہے ،ابتداء میں شیخ عبد الفتاح کے قلم سے علامہ کشمیری کی مختصر سوانح بھی ہے۔

---

(۱) الداعی،خصوصی شمارہ،مارچ اپریل،ص:۶۳

اس کتاب کے سلسلے میں شیخ عبدالفتاح تحریر کرتے ہیں:

''علامہ کشمیری نے جو حدیثیں نقل کی ہیں؛ اس میں چار حدیثیں سند کے اعتبار سے ضعیف ہیں، جب کہ چار حدیثیں نقل کرنے سے چھوٹ گئی ہیں۔ میں نے ان چار حدیثوں کو یہاں جمع کر دیا ہے، جو اس چار کی بدل ہیں؛ جس میں ضعف پایا جاتا ہے''۔(۱)

۵۔ إكفار الملحدين في ضروريات الدين:

قادیانیوں کی ایک جماعت لاہوری ہے۔ان کا عقیدہ ہے کہ مرزا قادیانی نبی نہیں ہیں؛ لیکن یہ حضرات بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے قائل ہیں۔علامہ کشمیری نے یہ کتاب انہیں ملحدوں کی تردید میں لکھی ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ اسلام کے کسی بھی بنیادی عقیدہ کا انکار کفر ہے۔ جو چیز تواتر سے ثابت ہو، اس کا منکر کافر ہوگا اور قادیانیوں کی لاہوری جماعت بھی چوں کہ حضرت عیسیٰ کی وفات کی قائل ہے اس لیے کافر ہے۔کیوں کہ حضرت عیسیٰ کا باحیات ہونا تواتر سے ثابت ہے۔یہ کتاب 127 صفحہ کی ہے۔مطبع جید دہلی سے 1931 سے شائع ہوئی۔

٦۔ ضرب الخاتم علىٰ حدوث العالم :

فلسفیوں اور متکلمین کے درمیان یہ بحث پرانے زمانہ سے جاری ہے؛ کہ دنیا قدیم ہے یا حادث؟ یعنی دنیا ہمیشہ رہے گی یا ختم ہو جائے گی۔فلاسفہ کا خیال ہے کہ دنیا ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی۔اس کے مقدر میں ختم ہونا نہیں ہے، جب کہ اہل اسلام کا عقیدہ ہے، کہ صرف اللہ کی ذات ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی، باقی ساری مخلوقات ایک نہ ایک دن فنا ہو جائے گی۔ دنیا اللہ کی مخلوق ہے اور اسے بھی ایک نہ ایک دن فنا ہو جانا ہے۔علامہ کشمیریؒ نے اسی بحث کو چارسو اشعار میں بیان فرمایا ہے۔علامہ کی یہ کتاب منظوم ہے۔علامہ کشمیری نے اپنی اس منظوم کتاب میں اللہ تبارک و تعالیٰ کے وجود، اس کے بے پناہ اور محیط علم، اللہ پاک کی عظیم قدرت، اللہ پاک کے ارادہ کہ وہ جو چاہتا ہے، جب چاہتا ہے، حکم دیتا ہے اور وہ چیز وجود میں آجاتی ہے پر بحث کی ہے۔اپنے اشعار میں آپ نے ان تمام مراجع و مصادر کا بھی ذکر کر دیا ہے؛ جو اس بحث کے سلسلے میں میل کا پتھر ہیں۔

---

(۱) مقدمة التصريح بما تواتر في نزول المسيح، ص:٢٧

کتاب کس درجہ کی ہے، علامہ کا کمال کہاں تک پہنچا ہے، اس کا اندازہ مشہور اسلامی فلسفی اور شاعر علامہ اقبال کے اس بیان سے لگایا جا سکتا ہے۔

''میرا خیال تھا کہ علامہ انور شاہ کشمیریؒ صرف علوم قرآن اور فن حدیث کے امام ہیں، لیکن میرا اندازہ اس وقت بالکل غلط ثابت ہوا جب میں نے اس کتاب کا مطالعہ کیا۔ میں حیرت زدہ ہوں اور پریشان ہوں؛ کہ ایک عالم فلسفہ کا اتنا بڑا ماہر کیسے ہوسکتا ہے؟، سچی بات تو یہ ہے کہ بڑے بڑے یوروپین فلاسفہ بھی اس میں ایک حرف کا اضافہ نہیں کر سکتے، جو کچھ بھی علامہ نے اس موضوع پر تحریر فرما دیا ہے۔''(۱)

یہ کتاب بھی مطبع جید دہلی سے شائع ہوئی۔

۷۔ مرقاة الطارم لحدوث العالم:

اس کتاب کا موضوع بھی حدوث عالم ہے۔ یہ کتاب مذکورہ بالا کتاب کا تکملہ یا ضمیمہ ہے۔ البتہ ''ضرب الخاتم'' نظم میں تھی اور یہ کتاب نثر میں ہے۔ 26 صفحہ کا یہ رسالہ کتنا اہم ہے، اس کا اندازہ علامہ صبری کی اس اعتراف سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ اس رسالہ کو اس موضوع کی اہم ترین اور ضخیم کتاب ''الأسفار الأربعة'' پر فوقیت دیتے تھے۔ علامہ کے نامور شاگرد علامہ بنوری تحریر کرتے ہیں:

''لما قدّمتها إلىٰ شيخ الإسلام مصطفىٰ صبري متكلم عصره بالقاهرة سنة 1385ھ قال بعد مطالعتها: '' لقد تحيّرت من دقة نظر صاحبها وثلج صدره بهٰذه العلوم ، وكان لي رأي في مسألة كلامية، ظننت أني لم أسبق إليه فرأيت أن الشيخ قد سبقني إلىٰ مثلها، و إني أفضِّل هٰذه الوريقات علىٰ هذا الكتاب '' الأسفار الأربعة'' وكان الكتاب بين يديه. ثم أثنىٰ علىٰ الشيخ كثيراً.(۲)

۸۔ نيل الفرقدين فى مسألة رفع اليدين:

عہد صحابہ سے ہی یہ مسئلہ اہل علم کے درمیان مختلف فیہ رہا ہے کہ نماز میں رفع یدین اولیٰ ہے یا نہ کرنا اولیٰ ہے۔ لیکن کچھ ناعاقبت اندیشوں نے اس مسئلہ کو اتنی ہوا دے دی؛ کہ جیسے یہ عقیدہ کا مسئلہ

---

(۱) حیات انور:۱/۱۹۰

(۲) نفحة العنبر، البنوری، ط: معهد الأنور، ديوبند، ص:۱۱۸

ہواور یہ ضروریات دین میں داخل ہو؛ کہ اگر اس پر عمل نہ ہوا تو دین کی بنیاد ہی ہل جائے گی۔ علامہ نے اس ضرورت کو محسوس کیا اور 50 صفحہ کا یہ رسالہ تصنیف فرمایا۔ علامہ نے پوری تفصیل سے یہ بات ثابت کی ہے کہ اختلاف صرف اس بات میں ہے کہ ہاتھ اٹھانا افضل ہے یا نہ اٹھانا۔ دونوں ہی طریقے جائز اور سنت ہیں۔ علماء کا اعتراف ہے کہ اس موضوع پر اس سے بہتر کوئی کتاب نہیں ہے۔

۹۔ بسط الیدین لنیل الفرقدین:

یہ کتاب نیل الفرقدین کا تکملہ ہے "نیل الفرقدین" اور "بسط الیدین" ان دونوں ہی رسالوں کو علامہ محمد زاہد کوثری مصریؒ نے اپنی کتاب "تانیب الخطیب" میں یہ کہتے ہوئے شامل کیا ہے؛ کہ دونوں ہی جماعتوں کی طرف سے اس موضوع پر متعدد کتابیں لکھی گئی ہیں؛ لیکن اس موضوع پر جو سب سے بہترین کتاب ہے؛ وہ یہ دونوں رسالے ہیں۔(۱)

یہ کتاب مطبع مدینہ بجنور سے 1932 میں شائع ہوئی۔

۱۰۔ کشف الستر عن صلاۃ الوتر:

وتر کی رکعتوں میں علماء کے درمیان اختلاف ہے۔ رکعات کی تعداد اور طریقۂ نماز دونوں ہی میں علماء کی مختلف رائیں ہیں۔ علامہ کی یہ کتاب اسی موضوع پر ہے۔ 89 صفحہ کی یہ کتاب اس مسئلہ کو مکمل طور پر واضح کرتی ہے۔ علامہ نے اپنے تبحر علمی سے اس مسئلہ کو اتنا منقح اور واضح انداز میں پیش کیا ہے، کہ قاری کا ذہن بالکل صاف ہو جاتا ہے اور مسئلہ بے غبار ہو کر سامنے آتا ہے۔ وتر کے سلسلے میں یہ نہایت ہی عمدہ اور بیش قیمت رسالہ ہے۔

۱۱۔ کتاب فی الذب عن قرۃ العینین:

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے ایک کتاب تصنیف فرمائی؛ جس میں آپ نے حضرات شیخین یعنی سیدنا حضرت ابوبکرؓ اور سیدنا حضرت عمرؓ کی فضیلت ثابت فرمائی۔ اس کے جواب میں ایک شیعہ عالم نے ایک کتاب لکھی؛ جس میں امام دہلوی کی تردید کی گئی اور حضرات شیخین پر حضرات حسنینؓ کی فضیلت ثابت کرنے کی کوشش کی۔ شیعی مصنف نے امام دہلوی پر رکیک حملے بھی کئے، ظاہر ہے

---

(۱) علامہ انور شاہ کشمیری، ص:۹۱، مولانا عبد الرشید، ط: معہد الانور دیوبند

کہ یہ نظریہ اہل اسلام کے متفقہ عقیدے کے خلاف ہے۔ امام کشمیریؒ نے اپنا فرض منصبی سمجھا کہ امام دہلوی کا دفاع کیا جائے اور امت کی اجماعی عقیدے کو واضح طور پر پیش کیا جائے؛ سیدنا حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ امت کے افضل ترین شخصیتیں ہیں۔ ان دونوں حضرات پر کسی بھی صحابی کو فوقیت اور فضیلت حاصل نہیں ہے۔ چنانچہ علامہ کشمیریؒ نے 196 صفحات پر یہ کتاب لکھ کر شیعی عالم کے چادر فریب کو نہ صرف چاک کیا، بلکہ امت کی طرف سے فرض کفایہ بھی ادا کیا۔

۱۲۔ خاتم النبین:

66 صفحہ کا یہ رسالہ بھی علامہ نے دجال قادیانی کے مکروفریب کو چاک کرنے کے لیے تحریر فرمایا۔ تاہم یہ رسالہ فارسی زبان میں ہے۔ اس کتاب میں علامہ کے آبدار قلم نے فارسی انشاء پر دازی کے جوہر دکھلائیں ہیں۔ یہ کتاب ارشاد خداوندی "ما کان محمد أبا أحد من رجالكم ولكن رسول الله وخاتم النبين" کی تفسیر ہے۔

خاتمۃ الخطاب فی فاتحۃ الکتاب بھی آپ کی فارسی تصنیف ہے۔ جس میں آپ نے قرأۃ خلف الامام کے مسئلے پر احناف کے نقطہ نظر کو دلائل سے ثابت کیا ہے۔ اس کتاب پر آپ کے استاذ شیخ الہند کی تقریظ ہے؛ جو کتاب کی اہمیت کے لیے کافی ہے۔ اردو میں بھی آپ کی متعدد کتابیں ہیں تاہم ان میں سب سے اہم سہم الغیب فی کبد اہل الریب ہے۔ یہ کتاب مسئلہ علم الغیب کے سلسلے میں بریلیوں کے عقیدے کے بطلان کے لیے لکھی گئی اور یہ ثابت کیا گیا کہ اللہ کے سوا کسی کو بھی علم غیب حاصل نہیں ہے۔ یہ اللہ کی صفت ہے؛ جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم یا کوئی بھی شریک نہیں ہوسکتا۔

۱۳۔ تعلیقات:

علامہ انور شاہؒ کی مستقل کتابوں کے علاوہ مختلف موضوعات پر لکھی گئی کتابوں پر آپ کے تحقیقی و علمی تعلیقات ہیں۔ آپ کے یہ تعلیقات یا علمی نوٹ علم کے وہ نادر و نایاب گوہر ہیں، جو اہل کے لیے قیمتی اثاثہ ہیں، یہ اس لائق ہیں کہ انہیں سرمایہ حیات بنایا جائے۔

۱۴۔ الاتحاف للاحناف:

علامہ ظہیر احسن شوق نیمویؒ کی معرکۃ الآرا کتاب ''آثار السنن'' پر علامہ کی تعلیق ہے۔ علامہ شوق

نیموی نے آثار السنن میں ان احادیث کو فقہی ترتیب پر جمع کر دیا ہے؛ جو احناف کے نقطہ نظر کی تائید کرتی ہیں۔ اس کتاب کی تصنیف کے بعد علامہ نیموی نے علامہ کشمیریؒ کی خدمت میں اسے بھیجا۔ علامہ نے اس پر بے پناہ مسرت کا اظہار کیا اور اس کتاب کی تعریف اور خود علامہ نیموی کی تعریف میں ایک طویل قصیدہ کہا؛ جس کا ذکر علامہ انور شاہ کشمیری اور ان کی شاعری کے ضمن میں آچکا ہے۔ نہ صرف یہ کہ علامہ نے اس کتاب کی تحسین وتعریف کی؛ بلکہ اس پر تعلیق بھی لکھی اور یہ تعلیق بجائے خود ایک مستقل تصنیف ہے۔ علامہ کشمیری نے اپنے اس مجموعہ میں اس سے کہیں زیادہ حدیثیں جمع کر دیں؛ جو صاحب کتاب نے جمع کی تھیں۔ کتاب کی اہمیت کا اندازہ علامہ بنوری کے اس بیان سے لگایا جاسکتا ہے:

"اگر اس کے حوالہ جات کی تخریج کی جائے؛ تو اس کے لیے بھی متعدد جلدوں کی ضرورت پیش آئے گی۔"(۱)

شیخ عبد الفتاح ابو غدہ فرماتے ہیں کہ علامہ کشمیری کے شاگردوں اور ان کے محبین پر علامہ کا قرض ہے کہ وہ الاتحاف کی تحقیق وتعلیق کر کے اسے علمی دنیا کے لیے پیش کریں۔ اگر علامہ کے محبین یہ نہیں کرتے ہیں؛ تو یہ علمی دنیا کے ساتھ بڑی ناانصافی ہوگی۔(۲)

علامہ کی آثار السنن پر یہ تعلیق بعد کو کتابی شکل میں منظر عام پر آئی۔

اس کے علاوہ بھی علامہ نے متعدد کتابوں پر تحقیق وتعلیق کا کام کیا ہے۔ ان میں علامہ ابن ہمام کی کتاب "فتح القدیر" پر آپ کی تعلیق ہے، جو "کتاب الحج" تک ہے۔ اسی طرح ابن نجیم (۳)

---

(۱) مقدمہ فیض الباری، ص:۲۶

(۲) دیکھیے: مقدمة التصريح بما تواتر في نزول المسيح، ص: ۲۷، مقدمہ شیخ أبو غدة

(۳) علامہ ابن نجیم زین الدین بن ابراہیم بن محمد مصری مشہور حنفی فقیہ واصولی ہیں، آپ کی ولادت 926ھ میں ہوئی۔ علامہ ابن نجیم مصری نے عربی زبان وادب، علوم عقلیہ نور الدین دیلمی، شیخ سفیر المغربی وغیرہ سے پڑھی۔ علامہ قاسم ابن قطلو بغا، اسماعیل کرکی، ابراہیم بن عبد الرحمٰن، شیخ ابن الحلبی وغیرہ سے علم حدیث اور فقہ کی کتابیں پڑھیں۔ علامہ ابن نجیم فقہ حنفی کے اساطین وائمہ میں شمار کیے جاتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ابن نجیم جب بھی کوئی کتاب تصنیف کرتے، حتیٰ کہ وہ ایک صفحہ بھی تحریر فرماتے تو اہل علم اس کے حصول کے لیے بے قرار ہوجایا کرتے تھے۔ ان کی شہرہ آفاق کتاب "البحر الرائق شرح کنز الدقائق" ہے۔ یہ کتاب علماء اور اصحاب افتا کا مرجع ہے۔ ابن نجیم کے بعد جتنے بھی اصحاب تحقیق وافتا پیدا ہوئے، سبھوں نے اپنی تحریروں، کتابوں میں علامہ ابن نجیم سے استفادہ کیا۔ علامہ کی دوسری کتاب "شرح المنار اور الاشباہ والنظائر ہے، جو اہل علم کی آنکھوں کا سرمہ اور سند کا درجہ رکھتی ہے۔ بڑے بڑے مؤلفین اور فقہا علامہ کتابوں کا حوالہ دیتے ہیں۔ ==

کی ''الاشباہ والنظائر'' پر آپ کی تعلیق اور امام مسلم کی، صحیح مسلم پر آپ کی تعلیق بھی بیش قیمت ہے؛ جو تحقیق کے نئے گوشوں کو اجاگر کرتی ہے۔(۱)

آپ کی درسی تقریریں یا امالی:

علامہ انور شاہ کی درسی خصوصیات کے ضمن میں آپ کے طریقہ تدریس، دوران درس علمی انکشافات کا ذکر آپ سے پہلے ہی سن چکے ہیں۔ آپ کا درس گویا ایک علم کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہوتا، جس کی موجیں طلبہ کے ساحل ذہن سے ٹکراتی رہتی تھیں۔ ہر طالب علم اپنے اپنے ظرف کے مطابق فیضان انوری سے اپنے دل و دماغ کو منور کرتا۔ آپ کا درس کوئی رسمی درس نہیں ہوتا تھا، جس میں ایک مخصوص طریقہ پر طلبہ کے سامنے تقریر کر دی جاتی ہے، بلکہ درس انوری میں علم و تحقیق کی نئی راہیں کھلتی تھیں، نئے نئے گوشے وا ہوتے تھے۔ آپ کے عزیز اور قابل فخر شاگردوں نے آپ کی تقریروں کو قید تحریر کیا ہے؛ تاکہ آنے والوں کے لیے فیضان انوری سے فیضیاب ہونے کا موقع میسر آئے۔ یہاں آپ کے چند درسی افادات و امالی کا ذکر کیا جاتا ہے؛ جو الحمدللہ کتاب بن کر میخوانہ علم میں گردش کر رہی ہے۔

فیض الباری علیٰ صحیح البخاری:

علامہ کی سب سے مشہور و مقبول کتاب ''فیض الباری'' ہے۔ چار ضخیم جلدوں میں یہ کتاب متعدد بار دنیا کے مختلف مکتبوں سے چھپ چکی ہے اور علمی دنیا نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ بخاری کی شروحات میں علامہ کی شرح کو ممتاز علمی مقام حاصل ہے۔ یہ کتاب نہ صرف بخاری کی شرح ہے؛ بلکہ بخاری کی متعدد اہم شرحوں کی نچوڑ اور خلاصہ ہے۔ اس ایک کتاب کے مطالعہ سے بخاری کی دیگر اہم شرحوں سے بے نیازی حاصل ہو سکتی ہے۔ علامہ کشمیری نے علامہ ابن حجر پر کتاب میں بعض علمی گرفت بھی کی ہے۔ علامہ کشمیری کی علمی گرفتوں کو اہل علم نے سراہا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ

== آپ نے علامہ ابن ہمام کی کتاب ''التحریر'' کا مختصر'' بھی لکھا، اور اس کا نام ''لب الاصول'' رکھا، ان شہرہ آفاق کتابوں کے علاوہ چالیس سے زائد کتابچے آپ نے تصنیف فرمائے۔ سن 970ھ میں آپ نے وفات پائی۔ (دیکھئے: شذرات الذہب لابن عمار: 10/523، الطبقات السنیہ لتقی الدین بن عبد القادر عزی: 1/298، معجم المؤلفین عمر رضا کحالہ: 4/192)

(۱) تفصیل کے لیے دیکھئے: نزھۃ الخواطر: ۸/۹۲، للعلامۃ عبد الحیٔ، ط: دار عرفات، رائے بریلی

بعض جگہوں پر حافظ ابن حجر کے مقابلہ علامہ کشمیری کا موقف کمزور نظر آتا ہے۔ علامہ کشمیریؒ کی اس درسی تقریر کو آپ کے مایہ ناز شاگرد ممتاز محدث علامہ بدر عالم میرٹھی نے مرتب کیا ہے، نیز اس پر علامہ میرٹھی کی تعلیق بھی ہے، جو ''بدر الساری'' کے نام سے مشہور ہے۔ اس کا پہلا ایڈیشن مجلس علمی ڈابھیل سے 1938 میں شائع ہوا۔

العرف الشذی علیٰ جامع الترمذي:

علامہ انور شاہ کی درسی تقریروں کے اس مجموعے کی تدوین آپ کے شاگرد مولانا محمد چراغ پنجابی پاکستانی نے کی ہے۔ ترمذی شریف کے درس کے دوران آپ نے جو تقریریں کی تھیں یہ کتاب انہیں درسی افادات کا مجموعہ ہے۔ اس کتاب میں علامہ کشمیری نے نہ صرف یہ کہ ترمذی شریف کی احادیث کی بہترین تشریح کی ہے، بلکہ احناف کے دلیلوں کو بھی جمع کر دیا ہے۔ یہ کتاب صرف ایک جلد میں ہے؛ لیکن بڑی اہم اور قیمتی ہے۔ پہلی دفعہ دیوبند سے شائع ہوئی۔ بطور حاشیہ ترمذی کے مروجہ نسخہ پر بھی لگاتار شائع ہو رہی ہے۔

مشکلات القرآن:

قران کریم کے مشکل مقامات جن کا سمجھنا آسان نہیں ہے۔ یہ کتاب انہیں مشکلات کا حل پیش کرتی ہے۔ خواہ وہ مشکلات لفظی ہوں یا معنوی۔ علامہ کشمیری نے اس کتاب میں قرآن کریم کے ان تمام مشکل مباحث کو بڑے ہی آسان اسلوب میں پیش کیا ہے؛ جس کا سمجھنا اہل علم کے لیے دردسر رہا ہے۔ کتاب اس شان سے لکھی گئی ہے کہ آیات کی تفسیر احادیث سے کی گئی ہے۔ یعنی قرآن کی تفسیر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی پیش کی گئی ہے۔ کتاب میں ہر مسئلہ پر سیر حاصل محققانہ بحث ہے۔ علامہ کی اس کتاب کی جمع و ترتیب کی ذمہ داری آپ کے شاگرد مولانا سید احمد رضا بجنوری نے اپنے سرلی اور حسن ترتیب کے ساتھ اسے شائع کیا۔ کتاب پر علامہ کے مایہ ناز شاگرد عالم اسلام کے مشہور محدث علامہ یوسف بنوری کا بیش قیمت اور طویل مقدمہ ''یتیمۃ البیان'' بھی ہے، جو بجائے خود ایک کتاب ہے۔ پہلی دفعہ یہ کتاب مجلس علمی ڈابھیل گجرات سے شائع ہوئی۔

أنوار المحمود في شرح سنن أبي داؤد:

یہ شیخ انور کی املائی کتاب ہے، جو آپ نے ابو داؤد کے تدریس کے دوران اپنے شاگرد مولانا صدیق احمد نجیب آبادی کو تحریر کروائی۔ یہ کتاب دو جلدوں میں ہے؛ جس میں شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی اور علامہ خلیل احمد سہارنپوری کے بعض افادات کا بھی اضافہ کر دیا گیا۔ بعد کو علامہ شبیر احمد عثمانی کی بعض تحقیقوں کو بھی شامل کتاب کر دیا گیا ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ یہ کتاب تین عظیم محدثین اور محققین کی املائی تقریروں کا مجموعہ ہے۔

النور الفائض علیٰ نظم الفرائض:

علم فرائض پر یہ منظوم رسالہ ہے۔ فارسی کے 92 خوبصورت اشعار میں علامہ کشمیری نے علم فرائض کے تمام مسائل کو بیان فرما دیا ہے۔ علامہ کے شاگرد شیخ فخر الدین مراد آبادی نے ان اشعار کو قلم بند کیا۔ 1356ھ میں پہلی دفعہ یہ کتاب شائع ہوئی۔

أنوار الباری شرح صحیح بخاری:

بخاری کے اہم علمی مباحث میں امام بخاری کے تراجم کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ علامہ کشمیری نے دوران درس تراجم بخاری پر جو علمی تحقیقی روشنی ڈالی ہے۔ اس کتاب میں انہیں تحقیقات کو جمع کر دیا گیا ہے۔ آٹھ جلدوں میں ہے۔ اردو میں ہونے کی وجہ سے خاص و عام کے لیے یکساں مفید ہے۔ علمی حلقوں میں بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔ آپ کے شاگرد اور داماد مولانا سید احمد رضا بجنوری نے اسے مرتب کیا ہے۔

اس کے علاوہ دوسری اہم درسی تقریروں میں العرف الذکی شرح جامع ترمذی، جسے آپ کے شاگرد عبداللہ معروفی نے اپنی کاپی کی مدد سے مرتب کیا ہے۔ پہلی دفعہ 1428 ہجری میں شائع ہوئی۔ دیگر کتابوں میں خزائن الاسرار، دعاؤں کا مجموعہ، ملفوظات محدث کشمیری یعنی آپ کے ملفوظات کا مجموعہ (مرتب سید احمد رضا بجنوری) وغیرہ آپ کی اردو تصنیفات ہیں۔

علامہ کشمیری کی نثر کا امتیازی پہلو:

علامہؒ کی نثر میں اتنی مقناطیسیت، کشش اور قوت ہے کہ اس کے سامنے شمع شاعری کی لو بھی

پھیکی پڑ جاتی ہے۔ یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ کشمیری کی نثر اعجاز قرآنی سے متاثر ہے، کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ جس کی مادری زبان کشمیری یا اردو تھی وہ عربی میں اس کمال کو پہونچ جائے کہ اس کی تصنیفات کو علماء عرب اپنی آنکھوں سے لگائیں۔ علامہ کو یہ مقام ان کی بلندی تحقیقات ہی نہیں، بلکہ ان کے اسلوب کی وجہ سے بھی حاصل ہوا۔ اعلیٰ انشاء پردازی وادب کا ایسا نمونہ ہے، جس کا حریف بننا کسی کے لیے آسان نہ تھا، نہ ہے۔ قلم کشمیری کی نغمہ سرائی نے عربی ادب کو نئی بانکپن دی تھی، جس کا اعتراف اپنوں کو بھی تھا اور غیروں کو بھی۔ علامہ یوسف بنوری نے سچ کہا ہے:

”علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے مقامات حریری کے طرز پر متعدد مقامات تحریر کیئے تھے، جن میں سے کچھ منقوط ہیں، تو چند ایک غیر منقوط بھی، جیسے کہ مقامات مراغیہ، آپ کے مقامات لغت، صنعت تحریر اور آپ کی انشاء پردازی پر شاہد عدل ہیں، لیکن افسوس کہ یہ مقامات ضائع ہوگئے۔“(۱)

علامہ انور شاہ کشمیری کی عربی زبان وادب سے محبت اور لگاؤ کا ذکر پہلے ہی آچکا ہے۔ علامہ اس خوف سے کہ ان کا عربی ذوق فاسد نہ ہو اردو زبان میں خط لکھنا بھی گوارہ نہیں کرتے تھے۔ آپ کی تحریریں صفحہ قرطاس پر بکھری ہوئی موتیاں ہیں، جس میں علم کی متانت کے ساتھ ادب کی چاشنی بھی پہلو بہ پہلو سفر کرتی ہے۔ خشک سے خشک تر موضوعات کو لطیف ادبی پیرائے میں پیش کر دینا آپ کا کمال ہے۔ منطق وفلسفہ کے الجھے ہوئے بحثوں کو نظم کر دینے کا ملکہ جس شخص کو ودیعت کیا گیا ہو، اس کے لیے تو یہ بہت ہی آسان کہ وہ کسی علمی موضوع کو ادبی اسلوب میں پیش کر دے۔ آپ کی تمام تر تصنیفات انتہائی دقیق علمی بحثوں پر مشتمل ہیں، لیکن ان کتابوں کا امتیاز ان کی ادبی اور کلاسیکی نثر ہے۔ آپ اپنی کتاب فصل الخطاب کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں:

”أما بعد. فهٰذه أطراف و جمل من الكلام في حديث الفاتحة خلف الإمام عن طريق محمد بن إسحق، وبيان ما فيه من ملاحظة السياق، كشفا عن معناه ومبناه و رشفا عن مغزاه و معناه، لم أتفرغ لإيضاحها أيضاحاً كنتُ ارتضيه، ولا القاء على النجي علىٰ ما يكفيه، نعم مداخل بحث هي شعوف و ذكري، لا تغني عن مزاولة ريضة

(۱) نفحة العنبر، ص: ۱

وإعمال فكرة، والشاؤ في الاعتبارات الآتية في الكلام شأو واسع،و المسافة من العلوم العربية سفر شاسع والموضوع خير كله"(۱)

علامہ انور شاہ کی یہ کتاب اپنے موضوع قرأت خلف الامام پر شاہکار کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس نمونہ سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ یہ کتاب نہ صرف اپنے موضوع پر حرف آخر ہے؛ بلکہ ادب کا گنجینہ بھی ہے، جس میں ادبی شہ پارے بکھرے پڑے ہیں۔ علامہ کشمیری کا قلم جب وجد میں ہوتا ہے،تو علم وادب کی وہ موتیاں بکھیرتا ہے، جس کی چمک سے علمی دنیا حیرت زدہ رہ جاتی ہے۔ ایک شخص جس کے دن رات کا عمل کتاب وسنت کی تبلیغ ،اس کی زندگی کا محور علم حدیث کی اشاعت ہے، وہ ادب لکھنے پر آئے تو کیا کیا لکھ جاتا ہےاور کیسے کیسے گل افشانیاں کرتا ہے۔ کلاسیکی نثر نگاری اور انشاءپردازی میں آپ کے ملکہ کا اندازہ اس اقتباس سے لگائیے۔

"وبعد، فهٰذه حواش تفتر عن لؤلؤ رطب،وعن شنب ناهيک عن شنب، وتبسم عن بشر ونشر، كافيک من أصل ومن إرب،و تطلق لک عن بلج جبين وثلج يقين، وشرح صدر ونور مبين، أخذت من العربية أعربها وأغربها ومن نكات البلاغة ألمذبها و أطربها، يقدرقدرها من عنى لِعلوم البلاغة، والبراعة أوكان جلي في تناول قصبات السبق والبراعة في أريحية تيحان والمعية موفق معان."(۲)

"بسط اليدين" کے مقدمہ سے انشاءپردازی کا یہ نمونہ ملاحظہ کیجئے:

"جعلت علىٰ عادتي أحدق إحداقي في أوراقها وأقلب أجفاني في أغصانها وأقيد ما يسنح من شئ بعد شئ أويدور بالبال ما بين الغنيمة والفئ، حتىٰ حصلت عدة أوراق وعدة أسباق لاتكاد تلفى تلک الفوائد بدون أمعان و إيغال، ونص فوق العنق وتقريب و إرقال فوقع العزم علىٰ إشاعتها أيضاً و إذاعتها خشية أن تلحق بالعدم كالآثارفي الوطأ القدم"(۳)

---

(۱) فصل الخطاب،ص۲۔۳،ط:مطبع يونيورسل دهلی

(۲) مقدمة تحية الإسلام في حياة عيسىٰ عليه السلام،علامه كشميرى ،ص:۲ ،ط:مجلس علمی، كراچی

(۳) بسط اليدين لنيل الفرقدين،ص:۲ ،ط:مطبع مدينة بجنور

علامہ انور شاہ کشمیری نے اپنے شاگردوں، عزیزوں اور دوستوں کی کتابوں پر جو مقدمے اور تقریظیں تحریر کیں وہ ادب عالی اور انشاء پردازی کا عمدہ نمونہ ہے۔ یہ وہ ادب کے شہ پارے ہیں، جو علامہ کشمیری نے بعض اہل قلم کی کتابوں کو بطور مقدمہ تحریر کیا ہے۔ یہ تقریظات کیا ہیں، ادب کے حسین گلدستے ہیں جس میں انشاء پردازی کی خوشبو رچی بسی ہوئی ہے۔ مناسب خیال ہوتا ہے کہ ان تقریظات کے چند نمونے بھی یہاں پیش کر دیئے جائیں؛ تا کہ آپ کی نثر نگاری بلکہ ادبی اور کلاسیکی نثر نگاری سے یک گونہ واقفیت حاصل ہو سکے۔

مولانا شیخ الادب محمد اعزاز علی کی کتاب شرح حماسہ پر اپنی تقریظ میں لکھتے ہیں:

"لایخفیٰ علیٰ من ألقیٰ السمع و هو شهید و کان بمرآی من سعاد و مسمع من سعد قریباً غیر بعید. إن فننا فن الأدب من أفنان لسان العرب نهایة الآمال للبعید ومنتهیٰ إرب العرب. انحصرت النهضة الإنسیانیة في التمسک بأذیاله وارتبطت الآمال الملکیة والمدنیة برعده وبرقه وشقاشقه وإرتجاله، فما شأن من شؤن الملک والمدنیة إلا وهو دخیل علیه و نزیل لدیه، وما من کمال من کمالات الإنسان إلا وهو نازل علیٰ مأدبته وفد علیه، فإنما الإنسان بأصغریه، إما اللسان المعرب المطرب وإما الجنان المغرب الموعب.

من ذاق طعم العیش والطرب

فإن في الخمر معنی لیس في العنب

ولایحتاج إلیٰ مدیحه؛ فإنه لایذهب علیٰ نزیله ودخیله رقة لیله وبرد ضحاء واعتدال أصیله.(۱)

شیخ الادب مولانا محمد اعزاز علی دیوبندی نے جب مشہور شاعر متنبّی کی دیوان پر حاشیہ لکھا اور اپنے استاذ علامہ انور شاہ کشمیری سے اس پر تقریظ کی فرمائش کی تو علامہ انور شاہ کشمیری کے قلم نے کچھ اس طرح گل افشانیاں کیں:

"الحمد لله الذي خلق الإنسان وعلّمه البیان، فأفصح لسانه

---

(۱) دیوان حماسة مع حاشیة اعزاز علي، ص: ۱۱، ط: مکتبة اعزازیة دیوبند

وبـرع استهـلالا له علىٰ سائر الأكوان يعبر عما في ضميره خبراً وخبراً وتـنـفـس كتنفس الصبيح عيناً و أثراً ،يساجل وعداً و إيعاداً ويمطر إبراقاً و إرعاداً عـلـىٰ رؤوس الأشهاد،والأعيان يصورتصويراً ويعبر تـعبيـراً، فهـاک فـي بيانه سمع الكيان،فإن شئت فعرف طيب و إن شئت فسحاب صيب، و إن شئت فديو ان وتبيان و إن شئت حقاً و آثرت صدقاً فالإنسان بأصغريه، إما اللسان و إما الجنان ، السحر من بيـانــه مسـروق، والشـعـر مـن جـنـانــه مخلوق، حسا منـه و صدقاً كـالـصديع عندها بان، والصلٰوة والسلام علىٰ من أوتي القرآن آية و وحياً يتلىٰ علىٰ الأعصار والأزمان، لايخلق عن كثرة الرد ولاتنقضى عجائبه؛ فبأي آلاء ربكما تكذبان. أعجز البلغاء وأفحم الفصحاء من الـنـوادي والبـوادي مـن جماجم عدنان وقحطان ، تركهم لاحراک بهـم ولادراک، فـأيـمـا قـضـىٰ اللّٰه قد كان، فسار نوره شرقاً وغرباً وطار صيته عجماً وعرباً و كان آخر آيات سبحان ، إذا جاء سيل اللّٰه بـطـل سيـل معقل فسرىٰ في النفوس سرىٰ الصبـح المنير وجرىٰ في الأوصـال جـرىٰ الماء المنير يهدي الأنام ويشفي السقام، ودفع زيغ الـزائغين ،ويقطع دابرهم ، إن البـاطـل كان زهوقاً حتىٰ ألقىٰ السلام، ووطـن فـي الأرض عـلـىٰ الـطـول والـعـرض، وكان بذلک محققاً. والـحـمـد لـلّٰـه عـلـىٰ ذلک أتم الحمد وأكمله، ثم إن مـن أخص ما يـحتاج إليه الإنسـان فـي فهـم الـحـديـث والتنزيل وأعون ما مست الحاجة إليـه فـي الـتـفـسير والتأويل؛هوفن اللغة والأدب إذبـه تعرف مـزية حـوارالـعـرب وخصائص تراكيبهم وأساليبهم، وأن المرء، إذا دخـل عـلىٰ علمهم كيف يرد ويصدر ويقدم و يؤخر و يعرف و ينكر ويحذف ويذكر ويظهر ويضمر.

فصاغ ما صاغ من تبر ومن ذهب

وحاک ما حاک من وشئ وديباج

وإن ديوان الشاعر المفلق أبي الطيب المتنبی من أبدع ما
يقربه عبقري و أعجب ما يرونه ويدريه أريحي وكان كما قال:

لعبت بمشيته الشمول وغادرت
صنما من الأصنام لولا الروح.(۱)

یہ علامہ کشمیریؒ کے آبدار قلم کی چند تابدار موتیاں تھیں، جسے گلستان کشمیری کے مختلف غنچوں سے چن کر جمع کر دیا گیا ہے۔ یا یوں کہئے کہ علم کے سمندر کے چند گوہر نایاب ہیں، جو کشمیری کی ادبی مہارت پر گواہ ہیں۔ علامہ انور شاہ کشمیری کے علم و تحقیق کی جولانگاہ یا تو حدیث نبوی تھی یا پھر فنون اسلامی۔ کشمیری کے قلم نے ناول نگاری، افسانہ نویسی بھلے ہی نہ کی ہو؛ لیکن علوم شرعیہ میں انشاء پردازی کے جو جوہر دکھلائے ہیں وہ انہیں اپنے زمانے کے ممتاز ادباء کے صف میں کھڑا کرتا ہے۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ علامہ کشمیری کا کوئی حریف کسی فن میں تھا ہی نہیں۔ ان کی علمی مسابقت جو کچھ بھی تھی وہ گزشتہ صدیوں کے علماء سے تھی۔ علمی نوک جھونک، علمی چپقلش ایک تو تھی نہیں اور اگر تھی بھی تو بقول مولانا گیلانی دوسری تیسری صدی کے علماء سے تھی۔ ادب میں بھی ان کا یہی معاملہ تھا، انہوں نے اپنا کوئی حریف نہیں بنایا۔ اس فن میں ان کا حریف اگر کوئی تھا تو پہلے دور کا ادیب تھا۔ علامہ کشمیری کے انشاء پردازی میں جاہلی دور کی جھلک نظر آتی ہے، استعارے، کنایے، صناعت لفظی اور بدائع تحریر سب کچھ جاہلی انداز پر۔ آپ کے شاگرد علامہ بنوری بجا طور پر لکھتے ہیں:

"أن الشيخ انشاء مقامات علىٰ نهج الحريري منها منقوطة كلها و منها غير منقوطة كلهاومنها كمقامة المراغية الخيفاء ما يدل علىٰ تغلغل الشيخ رحمة الله في دقائق اللغة و صناعة التحرير وبدائع الانشاء ، والأسف علىٰ أني ما ظفرت بشئ منها.(۲)

کسی فن میں علامہ کشمیری کا حریف ہونا آسان نہیں۔ ان کے شاگردوں نے بہت سی کوششیں کیں کہ اپنے استاذ کے علوم و معارف کو اپنے سینے میں محفوظ کریں اور بہتوں نے ایسا کیا بھی، لیکن ان تمام کمالات کو جمع کرنا کسی کے حصے میں نہیں آیا۔ ادب عربی میں علامہ کا جو مقام ہے،

(۱) دیوان متنبي مع حاشية اعزاز علي، ص: ۳۲، ط: مكتبة رحيميه دهلی

(۲) نفحة العنبر، ص: ۱

اس تک تو دوسرے کیا پہنچتے، خود عربوں کو بھی رشک کے سوا کچھ ہاتھ نہ آیا۔ آپ سن چکے ہیں کہ علامہ کشمیری کی زبان دانی پر خود عربوں کو بھی تعجب تھا۔ آپ ایک عرصہ مدینہ منورہ میں رہے، لیکن خود کشمیری کا بیان ہے کہ فصاحت میں کوئی بھی ان کا ہم پلہ نہیں تھا۔ زبیر احمد فاروقی نے سچ لکھا ہے:

''علامہ انور شاہ کشمیری علماء دار العلوم میں اپنی کلاسیکی نثر نگاری کی وجہ سے ممتاز مقام رکھتے ہیں، ادب عربی کے جس بلند مقام پر آپ فائز تھے؛ وہاں تک کوئی نہ پہنچ سکا۔''(۱)

علامہ انور شاہ کشمیری نے جو ادبی آثار چھوڑے ہیں، اگر ان پر زبان وادب کے حوالہ تحقیق کی جائے، تو ادب عربی کے نت نئے گوشے سامنے آئیں گے اور بقول علامہ عبد الفتاح ابوغدہ ادب عربی کے لیے بہترین توشہ ثابت ہوگا، یہ کتاب علامہ کے ادبی کارناموں اور خدمات سے تعارف کی حقیر کوشش ہے؛ لیکن اس کوتاہ علم کا احساس ہے کہ

''حق تو یوں ہے کہ حق ادا نہ ہوا''

مجھے اس اعتراف میں کوئی باک نہیں کہ علامہ انور شاہ کشمیری کے عربی زبان وادب کے میدان میں کمالات وفتوحات پر جس عالمانہ اور شایان شان ''بحث'' کی ضرورت تھی، یہ کتاب اس کو پوری کرنے سے قاصر ہے؛ تاہم ان شاء اللہ یہ کتاب اردو دنیا کے لیے علامہ کشمیری سے بحیثیت ادیب وشاعر، انشاء پرداز تعارف کا ذریعہ ضرور بنے گی۔

والحمد لله أولا وآخراً لا أخيراً وصلى الله علىٰ نبينا محمد وعلىٰ آله وأهل بيته وصحبه أجمعين

☆☆☆

---

(۱) مساهمة دارالعلوم بديوبند في الأدب العربي، ص: ٤١

فہرست شخصیات، جن کا تعارف حاشیہ میں درج ہے

☆☆☆

کتابیات

نمبر شمار	کتابیں	مصنفین	مطبع
۱	قرآن مجید		
۲	بخاری شریف	امام محمد ابن اسمٰعیل بخاریؒ	دار الکتاب، دیوبند
۳	مسلم شریف	امام مسلم ابن حجاج القشیریؒ	دار الکتاب، دیوبند
۴	التصریح بما تواتر فی نزول المسیح	علامہ انور شاہ کشمیریؒ	مکتبہ مطبوعات اسلامیہ، حلب
۵	کشف الستر عن صلاۃ الوتر	علامہ انور شاہ کشمیریؒ	مجلس علمی، کراچی ۲۰۰۴ء
۶	نیل الفرقدین فی مسئلۃ رفع الیدین	علامہ انور شاہ کشمیریؒ	مجلس علمی، کراچی ۲۰۰۴ء
۷	اکفار الملحدین فی ضروریات الدین	علامہ انور شاہ کشمیریؒ	مجلس علمی، کراچی ۲۰۰۴ء
۸	فصل الخطاب فی مسئلۃ ام الکتاب	علامہ انور شاہ کشمیریؒ	مجلس علمی، کراچی ۲۰۰۴ء
۹	ضرب الخاتم علیٰ حدوث العالم	علامہ انور شاہ کشمیریؒ	مجلس علمی، کراچی ۲۰۰۴ء
۱۰	فیض الباری	علامہ انور شاہ کشمیریؒ	ربانی بک ڈپو دہلی ۲۰۰۱
۱۱	مرقات الطارم لحدوث العالم	علامہ انور شاہ کشمیریؒ	مجلس علمی، کراچی ۲۰۰۴ء
۱۲	عقیدۃ الاسلام فی حیات عیسیٰ علیہ السلام	علامہ انور شاہ کشمیریؒ	مجلس علمی، کراچی ۲۰۰۴ء
۱۳	مشکلات القران	علامہ انور شاہ کشمیریؒ	مجلس علمی، کراچی ۲۰۰۴ء
۱۴	سھم الغیب فی کبد اھل الریب	علامہ انور شاہ کشمیریؒ	مجلس علمی، کراچی ۲۰۰۴ء
۱۵	بسط الیدین لنیل الفرقدین	علامہ انور شاہ کشمیریؒ	مدینہ پریس، بجنور ۱۹۳۲ء
۱۶	کتاب فی الضبط عن قرۃ العین	علامہ انور شاہ کشمیریؒ	مدینہ پریس، بجنور
۱۷	سیر أعلام النبلاء	حافظ شمس الدین الذہبی	مکتبہ شاملہ
۱۸	کتاب الطبقات الکبیر	علامہ محمد ابن سعد	مکتبہ شاملہ
۱۹	الأعلام الشرقیۃ الرابع عشر الھجری	ذکی محمد مجاہد	مطبوعہ بیروت
۲۰	تذکرۃ الحفاظ	علامہ شمس الدین ذہبی	مکتبہ شاملہ

نمبر	کتاب	مصنف	مطبع
۲۱	الفوائد البهية	علامہ عبدالحیٔ فرنگی محلی	مکتبہ شاملہ
۲۲	اسد الغابہ	ابن اثیر جزری	مکتبہ شاملہ
۲۳	حسن المحاضرہ فی أخبار مصر والقاہرہ	جلال الدین السیوطی	بیروت
۲۴	فوات الوفیات	محمد بن شاکر الکتبی تحقیق احسان عباس	مکتبہ شاملہ
۲۵	طبقات الشافعیہ الکبریٰ	علامہ تاج الدین سبکی	مکتبہ شاملہ
۲۶	البدایہ والنھایۃ	علامہ ابن کثیر	مکتبہ شاملہ
۲۷	تزیین الممالک بمناقب الامام مالک	جلال الدین سیوطی	مکتبہ شاملہ
۲۸	تبییض الصحیفۃ بمناقب أبی حنیفۃ	جلال الدین سیوطی	بیروت
۲۹	الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ	علامہ ابن حجر عسقلانی	مکتبہ شاملہ
۳۰	فویات الاعیان وأنباء أبناء الزمان	علامہ ابن خلکان	مکتبہ شاملہ
۳۱	خاتم النبیین	علامہ انور شاہ کشمیریؒ	
۳۲	نقش دوام	مولانا انظر شاہ کشمیریؒ	شاہ اکیڈمی، دیوبند ۱۹۸۸ء
۳۳	تذکرۃ الاعزاز	مولانا انظر شاہ کشمیریؒ	شاہ منزل، دیوبند ۱۹۵۳ء
۳۴	تصویر انور	مولانا انظر شاہ کشمیریؒ	معہد انور، دیوبند ۱۴۲۵ھ
۳۵	حیات انور	مولانا ازہر شاہ قیصر	دیوبند
۳۶	اکابر علماء دیوبند	مولانا اکبر شاہ بخاری	ادارہ اسلامیہ، لاہور، ۱۹۹۹ء
۳۷	ملفوظات محدث کشمیری	مولانا احمد رضا بجنوری	بیت الحکمت، دیوبند
۳۸	انوار الباری	مولانا احمد رضا بجنوری	ربانی بکڈپو، دہلی ۲۰۰۴ء
۳۹	قصیدۃ اخلاقیۃ مناجاتیۃ	مولانا محمد اعزاز علی	مطبع قاسمیہ، دیوبند ۱۳۳۷ھ
۴۰	العرف الشذی	مولانا چراغ محمد پنجابی	مطبع قاسمیہ، دیوبند ۱۳۴۲ھ
۴۱	الاعلام	خیر الدین زرکلی	دار العلم بیروت، لبنان ۲۰۰۵ء
۴۲	مساھمۃ دار العلوم فی الادب العربی	ڈاکٹر زبیر احمد فاروقی	دار الفاروقی، دہلی ۱۹۹۰ء
۴۳	مقالات کوثری	علامہ زاہد بن حسن کوثری	دار الایمان، سہارن پور ۲۰۱۰ء
۴۴	علماء مظاہر العلوم اور انکی علمی و تصنیفی خدمات	مولانا محمد شاہد سہارنپوری	مکتبہ یادگار شیخ مبارک شاہ، سہارنپور ۲۰۰۵ء

۴۵	مساهمة علماء دهلي في اللغة العربيه و آدابها	ڈاکٹر محمد شرف عالم بن مسعود عالم قاسمی	رضوان اینڈ برادرس در بھنگہ، ۲۰۰۶ء
۴۶	آثار السنن	علامہ ظہیر احسن شوق نیموی	دار الاشاعت الاسلامیہ، کلکتہ
۴۷	تراجم ستة من فقهاء العالم الاسلامي في القرن الرابع عشر و آثارهم الفقهيه	علامہ عبد الفتاح ابوغدہ	مکتبہ المطبوعات الاسلامیہ، حلب ۱۹۹۷ء
۴۸	الانور	عبد الرحمٰن کونڈو	ندوۃ المصنفین، اردو بازار جامع مسجد دہلی ۱۹۷۸
۴۹	نزهة الخواطر وبهجة المسامع والنواظر	علامہ عبد الحئی لکھنوی	دار عرفات، رائے بریلی ۱۹۹۳ء
۵۰	بذل المجهول في شرح ابي داؤد	مولانا خلیل احمد سہارن پوری	دار البشائر الاسلامیہ، بیروت، لبنان ۲۰۰۶
۵۱	علامہ انور شاہ کشمیری	مولانا عبد الرشید بستوی	معہد انور، دیوبند، ۲۰۰۴ء
۵۲	علماء الديوبند وخدماتهم في علم الحديث	عبد الرحمٰن البرنی	شیخ الہند اکیڈمی دیوبند، ۱۹۹۸ء
۵۳	العرف الذكي	مولانا عبد اللہ معروفی	جامعۃ الامام محمد انور شاہ الکشمیری، دیوبند
۵۴	تذكرة الخليل	مولانا عاشق الٰہی میرٹھی	دار الکتاب دیوبند، ۲۰۰۳ء
۵۵	حیاۃ ابو المآثر	ڈاکٹر مسعود احمد	مرکز تحقیقات وخدمات، مئو ۲۰۰۰ء
۵۶	تذکرہ مولانا محمد ادریس کاندھلوی	مولانا محمد میاں صدیقی	مکتبہ عثمانیہ، لاہور ۱۹۷۷ء
۵۷	العالم الهندي الفريد المقرئ محمد طيب	مولانا نور عالم خلیل الامینی	ادارہ علم وادب، دیوبند ۲۰۰۱
۵۸	وہ کوہ کن کی باتیں	مولانا نور عالم خلیل الامینی	ادارہ علم وادب، دیوبند ۲۰۰۱
۵۹	مشاہیر علمائے دیوبند	قاری فیوض الرحمٰن	مکتبہ عزیزیہ لاہور، ۱۹۷۶ء
۶۰	معارف السنن	علامہ یوسف بنوری	مجلس علمی کراچی، ۱۳۸۳ھ
۶۱	نفحة العنبر في حياة امام العصر الشيخ انور	علامہ یوسف بنوری	معہد انور دیوبند
۶۲	قصیدہ اخلاقیہ مناجاتیہ	شیخ حبیب الرحمٰن عثمانی	مطبع قاسمیہ، دیوبند
۶۳	معين اللبيب في جمع قصائد الحبيب	شیخ حبیب الرحمٰن عثمانی	مکتبہ اعزازیہ، دیوبند
۶۴	مجموعہ قصائد و مراثی و قطعات	شیخ حبیب الرحمٰن عثمانی	مطبع قاسمیہ، دیوبند
۶۵	ارشاد الیٰ بانت سعاد	مولانا ذو الفقار علی دیوبندی	مکتبہ رحیمیہ دیوبند
۶۶	التعليقات على السبع المعلقات	مولانا ذو الفقار علی دیوبندی	مکتبہ رحیمیہ دیوبند
۶۷	الهدية السنية في ذكر دار العلوم	مولانا ذو الفقار علی دیوبندی	مطبع مجتبائی، دہلی

۶۸	تسهيل البيان فی شرح ديوان متنبی	مولانا ذوالفقار علی دیوبندی	مطبع مجتبائی، دہلی
۶۹	تسهيل الدراسةفي ترجمة الحماسة	مولانا ذوالفقار علی دیوبندی	مطبع مجتبائی، دہلی
۷۰	تاریخ دارالعلوم دیوبند	مولانا محبوب رضوی	مکتبہ دارالعلوم، دیوبند
۷۱	سوانح قاسمی	علامہ سید مناظر احسن گیلانی	مکتبہ دارالعلوم، دیوبند
۷۲	مجموعہ رسائل کشمیر	علامہ انور شاہ کشمیری	
۷۳	علامه انور شاه حياته وشعره	عبدالملک مظفر خان	دارالمعارف، دیوبند
۷۴	نفحات	مفتی محمد شفیع دیوبندی	ادارۃ المعارف، کراچی
۷۵	مقدمه فيض الباری	علامہ یوسف بنوری	مکتبہ خضر راہ، دیوبند
۷۶	تكلمو ا بالعربية	ندیم الواجدی	مرکز تعلیم لغت عربیہ، دیوبند
۷۷	معلم العربية	ندیم الواجدی	مرکز تعلیم لغت عربیہ، دیوبند
۷۸	القرأة الواضحة	مولانا وحید الزماں کیرانوی	دارالفکر، دیوبند
۷۹	نقش حيات	مولانا حسین احمد مدنی	مکتبہ دیوبند
۸۰	قاموس القرآن	زین العابدین سجاد	میرٹھ
۸۱	تاريخ دار العلوم ديوبند	قاری محمد طیب	دہلی
۸۲	الشیخ عبدالفتاح ابوغدہ کما عرفتہ،	محمد علی الہاشمی	بیروت
۸۳	مع العلامہ عبدالفتاح ابوغدہ	علامہ یوسف قرضاوی	بیروت
۸۴	مولانا رشید احمد گنگوہیؒ حیات اور اور کارنامے	اسیرادروی	دیوبند
۸۵	رشید رضا الامام المجاہد	ابراہیم العدوی	دمشق
۸۶	اعلام واصحاب اقلام	انور الجندی	بیروت
۸۷	کاروان رفتہ	اسیرادروی	دیوبند
۸۸	حالات المصنفین	محمد عثمان المعروفی	دیوبند
۸۹	انوار الباری	مولانا احمد رضا بجنوری	دیوبند
۹۰	الداعية الكبير ،محمد الياس الكاندهلوی و دعوته إلیٰ الله	سید ابوالحسن علی الحسنی الندوی	مجلس تحقیقات نشریات
۹۱	مجلۃ ثقافۃ الہند،	شمارہ 2-1، 1986	

۹۲	مذکراتی السیاسیة	عبدالحمید ثانی	مؤسسة الرسالة، بیروت
۹۳	تاریخ العثمانیین من قیام الدولة الی الانقلاب علی الخلافة	محمد سہیل طقوش	دار النفائس، بیروت
۹۴	حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی حیات اور کارنامے	اسیر ادروی	دیوبند
۹۵	پس مرگ زنداں	نور عالم خلیل امینی	ادارہ علم وادب، دیوبند
۹۶	وہ جو بیچتے تھے دوائے دل	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	دیوبند
۹۷	مشاہیر علماء دیوبند	قاری فیوض الرحمٰن	
۹۸	اکابر علماء دیوبند	اکبر شاہ بخاری	دیوبند
۹۹	علمائے پنجاب	اختر راہی لاہور	
۱۰۰	کتاب شیوخ الأزہر	اشرف فوضی صالح	مصر
۱۰۱	کاررواں زندگی	ابوالحسن علی حسنی ندوی	مجلس تحقیقات نشریات، لکھنؤ
۱۰۲	وفیات ماجد	عبدالماجد دریاباد	لکھنؤ
۱۰۳	حیات گیلانی	مفتی ظفیر الدین مفتاحی	
۱۰۴	روائع اقبال	سید مولانا ابوالحسن علی ندوی	مجلس تحقیقات نشریات، لکھنؤ
۱۰۵	حیات سلیمان	شاہ معین الدین ندوی	دار المصنفین
۱۰۶	الجواہر الدرر فی ترجمة شیخ الاسلام ابن حجر	علامہ سخاوی	بیروت
۱۰۷	تاریخ دعوت وعزیمت	ابوالحسن علی حسنی ندوی	مجلس تحقیقات نشریات، لکھنؤ
۱۰۸	تاریخ النقد العربی عند العرب	ڈاکٹر عبدالعزیز عتیق	
۱۰۹	فہرست ابن ندیم	ابن ندیم بغدادی	مکتبہ شاملہ
۱۱۰	شذرات الذہب فی أخبار من ذہب	ابن عماد حنبلی	دار ابن کثیر، دمشق
۱۱۱	معجم المؤلفین	عمر رضا کحالہ	دار الکتب العلمیة، بیروت
۱۱۲	آپ بیتی	مولانا عبدالماجد دریابادی	لکھنؤ
۱۱۳	سیرت محمد علی مونگیری	سید محمد الحسنی	مجلس تحقیقات نشریات، لکھنؤ
۱۱۴	الشعر والشعراء	علامہ ابن قتیبہ	
۱۱۵	The life of Prince of Hyderabad	Sadique jaisi	حیدرآباد

رسائل وجرائد

۱	مجلّہ الداعی	جامعہ اسلامیہ دارالعلوم دیو بند
۲	ماہنامہ القاسم	ایضاً
۳	ماہنامہ الرشید	ایضاً
۴	ماہنامہ البینات	جامعۃ العلوم الاسلامیہ،علامہ بنوری ٹاؤن،کراچی
۵	ماہنامہ البرہان	ندوۃ المصنفین ، دہلی
٦	اخبار مدینہ	بجنور
۷	کامریڈ	لاہور

☆☆☆

مختصر تعارف مصنف

نام	ابوحمزہ محمد نافع عارفی
والد ماجد	حضرت مولانا محمد سعد اللہ صدیقی مدظلہ العالی
دادا جان	قطب زماں حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب ہرسنگھ پوریؒ
نانا جان	ڈاکٹر سید نورالحق رحمۃ اللہ علیہ
ابتدائی تعلیم	مدرسہ رحمانیہ سوپول، بیرول، دربھنگہ
ثانوی تعلیم	جامع العلوم، مظفرپور
فضیلت	دارالعلوم دیوبند
اختصاص فی الفقہ	المعہد العالی الاسلامی، حیدرآباد
تدریسی خدمات	مدرسہ عبداللہ ابن مسعودؓ، حیدرآباد مدرسہ چشمہ فیض، ململ، مدھوبنی دارالعلوم سبیل الفلاح، جالے، دربھنگہ معہد الولی الاسلامی، ہرسنگھ پور، دربھنگہ
تصنیفات وتالیفات	(۱) اسلام کا نظام زراعت (۲) کتابِ وحی اور کاتبین (۳) مذہبی رواداری اور اسوۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم (۴) حیات عارف (تحقیق وترتیب) (۵) تسہیل القواعد (۶) الحدیقۃ العربیۃ (دو حصے) (۷) نخبۃ دروس اللغۃ العربیۃ (۸) الزہرۃ العربیۃ (۹) عربی زبان وادب کی تاریخ (۱۰) زاہیۃ لأدب (داخل نصاب، بہار اسکول بورڈ) (۱۱) اردو صحافت میں غیر مسلم اہل قلم کے خدمات (زیر طبع)
عہدے اور ذمہ داریاں:	کارگزار جنرل سکریٹری آل انڈیا ملی کونسل بہار رکن نصاب کمیٹی ایس، سی، ای، آر، ٹی بہار رکن رابطہ ادب اسلامی بہار رکن آل انڈیا ملی کونسل، نئی دہلی نائب ناظم معہد الولی الاسلامی، ہرسنگھ پور، دربھنگہ